بازی گر
مرزا امجد بیگ
(ایڈووکیٹ)

قانونی پیچیدگیاں، عدالتی کارروائی کے اہم رموز و نکات
زن، زر اور زمین کے تنازعوں میں جنم لینے والے مقدمات

راوی: مرزا امجد بیگ (ایڈووکیٹ)
تحریر: حسام بٹ

القریش پبلی کیشنز
سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور
فون: 042-37652546, 37668958
www.alquraish.com email: info@alquraish.com

منہ زور

منگل کی شام میں اپنے آفس میں بیٹھا تھا کہ میری سیکریٹری فوزیہ نے بذریعہ انٹرکام مجھے اطلاع دی۔ ”سر! زیب النساء آئی ہیں۔“

”کون زیب النساء......؟“ میں نے بے ساختہ پوچھا۔

”سر! وہ جو پہلے بھی دو تین بار آپ کا پوچھ کر گئی ہیں۔“ فوزیہ نے بتایا۔

”اوہ......اچھا وہ۔“ میں نے کہا۔ ”ٹھیک ہے' انہیں اندر بھیج دو۔“

آج جب میں عدالتی بکھیڑوں سے نمٹ نمٹا کر اپنے آفس آیا تو میری سیکریٹری فوزیہ نے مجھے بتایا تھا کہ کورنگی سے زیب النساء نامی کوئی عورت مجھ سے ملنے آئی تھی۔ اس نے کچھ دیر میرا انتظار کیا' پھر دوبارہ آنے کا کہہ کر چلی گئی تھی اور وہ اب آئی تھی۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد زیب النساء میرے چیمبر میں داخل ہوئی۔ وہ اکیلی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ بائیس تیئس سال کی ایک دبلی پتلی لڑکی بھی تھی۔ فوزیہ یا تو مجھے اس لڑکی کے بارے میں بتانا بھول گئی تھی یا پھر ہوسکتا ہے' پہلے پھیرے میں زیب النساء اکیلی ہی آئی ہو......

میں نے انہیں بٹھایا اور رسمی علیک سلیک کے بعد زیب النساء کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”جی' فرمائیں...... میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟“

زیب النساء کی عمر پچاس سے متجاوز تھی۔ وہ ایک عام سی گھریلو عورت نظر آتی تھی۔ اس کے ہمراہ آنے والی لڑکی کے نقش و نگار بڑی حد تک زیب النساء سے مشابہت رکھتے تھے۔ میرے محتاط اندازے کے مطابق وہ زیب النساء کی بیٹی ہوسکتی تھی۔

”وکیل صاحب! عباسی صاحب نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے۔“ اس نے پریشانی

بھرے انداز میں کہا۔ پھر وہ میرے اندازے کی تصدیق کرتے ہوئے بولی۔ ''یہ میری بیٹی ہے' نورین!''

میں نے نورین کی طرف دیکھتے ہوئے زیب النساء سے پوچھا۔ ''آپ کون سے عباسی صاحب کا تذکرہ کر رہی ہیں؟''

''خورشید عباسی صاحب۔'' اس نے جواب دیا۔ ''وہ جو اخبار میں کام کرتے ہیں۔ انہوں نے یقین دلایا ہے کہ آپ ہمارا مسئلہ حل کر دیں گے۔''

مجھے فوراً یاد آ گیا' وہ خاتون کس عباسی کا ذکر کر رہی تھی۔ خورشید عباسی صاحب ایک سینئر صحافی تھے اور ان کی رہائش بھی کورنگی ہی کے علاقے میں تھی۔ خورشید عباسی سے میری بہت پرانی یاد اللہ تھی۔

میں نے کاغذ قلم سنبھال لیا اور گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ ''آپ کا مسئلہ کیا ہے؟''

''مسئلہ دراصل کاشف کا ہے......'' وہ ہچکچاہٹ آمیز لہجے میں بولی۔

''کاشف کون؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

''کاشف محمود میرے بیٹے کا نام ہے جناب!'' اس نے جواب دیا۔

''کاشف کو کیا ہو گیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''کاشف کو پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔'' وہ بھرائی آواز میں بولی۔

''کس الزام میں......؟'' میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''کاشف پر پولیس نے الزام عائد کیا ہے کہ اس نے نادرہ کو قتل کیا ہے۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔ ''وکیل صاحب' میں جانتی ہوں' کاشف اس قسم کی حرکت نہیں کر سکتا۔ اس کی گرفتاری کے پیچھے مجھے کوئی گہری سازش نظر آ رہی ہے۔''

''ہوں......'' میں گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر پوچھا۔ ''یہ نادرہ کون تھی اور آپ کے بیٹے کاشف سے اس کا کیا کنکشن تھا؟''

''نادرہ!'' وہ خود کو سنبھالتے ہوئے بتانے لگی۔

''نادرہ بھی کورنگی ہی میں رہتی تھی۔ ہم سے دو گلیاں چھوڑ کر اس کا گھر ہے اور جہاں تک کاشف سے اس کے کنکشن کا تعلق ہے تو......'' لمحاتی توقف کر کے اس نے گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے بولی۔

''کاشف' نادرہ کو پسند کرتا تھا۔''

''یعنی یہ محبت والا معاملہ تھا؟''

''کچھ ایسا ہی سمجھ لیں وکیل صاحب۔'' زیب النساء اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔

''اگر آپ کا بیٹا مقتولہ نادرہ سے محبت کرتا تھا تو پھر اسے قتل کیسے کر سکتا ہے؟'' میں نے الجھن زدہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

''جناب! میں تو پہلے ہی آپ کو بتا چکی ہوں کہ کاشف ایسا کام کر ہی نہیں سکتا۔'' وہ بے بسی سے میری جانب دیکھتے ہوئے بولی۔ ''یا تو پولیس کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے یا پھر کاشف کو اس کیس میں پھنسانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مجھے سو فیصد یقین ہے کہ میرا بیٹا بالکل بے گناہ ہے......''

''پولیس کی غلطیاں اور خوش فہمیاں تو کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''البتہ کسی سازش کے ذریعے پھنسانے والی بات کسی خفیہ دشمن کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ آپ کی نظر میں کاشف کا دشمن کون شخص ہو سکتا ہے؟''

''کوئی نہیں جی۔'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ''آج تک کسی سے اس کا لڑائی جھگڑا نہیں ہوا اور کام سے کام رکھنے والا بچہ ہے وکیل صاحب۔ صبح ڈیوٹی پر جاتا ہے اور شام کو واپس آتا ہے۔''

میرے استفسار پر زیب النساء نے بتایا کہ کاشف صدر کے علاقے میں واقع جیولر کی ایک دکان میں کام کرتا تھا۔ وہ انگوٹھیاں وغیرہ بنانے کا ماہر کاریگر تھا۔ اس کی ڈیوٹی دن کے گیارہ بجے سے شام سات بجے ہوتی تھی۔ وہ گھر کا واحد کفیل بھی تھا یا پھر اس کے مرحوم والد کی پنشن کی مخصوص رقم آتی تھی۔ کاشف کا باپ افتخار حسین ایک سرکاری محکمے سے ریٹائر ہوا تھا اور ریٹائرمنٹ کے کچھ ہی عرصے کے بعد اس کا ہارٹ اٹیک سے انتقال ہو گیا تھا۔ یہ صرف تین افراد کی فیملی تھی۔ کاشف' اس کی بہن نورین اور ان کی والدہ زیب النساء' افتخار حسین نے دوران ملازمت میں سب سے اچھا کام یہ کیا تھا کہ ایک چھوٹا سا ذاتی گھر بنا لیا تھا جو ایک پلس پوائنٹ تھا۔

میں نے زیب النساء کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیا نادرہ کے گھر والوں کو اس عشقیہ معاملے کی خبر تھی؟''

''جی...... یہ معاملہ کوئی چھپا ہوا نہیں تھا۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔

''مقتولہ نادرہ کے گھر والوں کی کاشف کے بارے میں کیا رائے تھی؟'' میں نے پوچھا۔ ''میرا اشارہ نادرہ اور کاشف کے معاملات محبت کی طرف ہے......''

''وہ لوگ کاشف کو پسند نہیں کرتے تھے......'' میں نے جواب دیا۔

''نادرہ' کاشف کے ساتھ سنجیدہ تھی؟''

''جی بالکل۔'' وہ تائیدی انداز میں بولی۔ ''اور یہی بات تو نادرہ کے گھر والوں کو پسند نہیں تھی۔ اسی لیے انہوں نے......'' وہ بولتے بولتے اچانک خاموش ہوگئی تو میں نے پوچھا۔

''اسی لیے انہوں نے کیا......؟''

''اسی لیے انہوں نے نادرہ کا رشتہ کہیں اور طے کردیا تھا۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''ایک ماہ بعد نادرہ اور فیصل کی شادی ہونے والی تھی۔'' وہ لمحے بھر کے لیے ٹھہری پھر ایک بوجھل سانس خارج کرتے ہوئے بتایا۔

''فیصل' نادرہ کا کزن ہے۔ وہ لوگ ادھر لالوکھیت (لیاقت آباد) میں رہتے ہیں۔ نادرہ' فیصل کو پسند نہیں کرتی تھی۔ اس نے اس رشتے سے صاف انکار کردیا تھا' لیکن گھر والوں نے زبردستی پہلے اس کی منگنی اور بعد میں شادی کی تاریخ پکی کردی تھی۔''

''مقتولہ نادرہ کی شادی اس کے کزن فیصل سے ہونے والی تھی اور مقتولہ آپ کے بیٹے کاشف سے محبت کرتی تھی۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''اور شادی سے ایک ماہ پہلے نادرہ کا قتل ہوگیا۔ الزام آپ کے بیٹے کے سر ہے...... نادرہ کو کب اور کہاں قتل کیا گیا ہے؟''

''ہمارے گھر سے ایک گھر چھوڑ کر ایک زیر تعمیر عمارت ہے۔ نادرہ کی لاش اسی عمارت میں سے ملی ہے۔'' زیب النساء نے جواب میں بتایا۔ ''اسے گزشتہ رات کسی وقت موت کے گھاٹ اتارا گیا ہے......''

''نادرہ کا گھر سے دوگلیوں کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جائے وقوعہ یعنی وہ زیر تعمیر عمارت بھی نادرہ کے گھر سے دوگلیوں کے فاصلے پر ہے۔'' میں نے سوالیہ انداز میں زیب النساء کی طرف دیکھا۔ ''اگر مذکورہ عمارت میں سے نادرہ کی لاش دریافت ہوئی ہے تو اس کے قتل کے الزام میں آپ کے بیٹے کو کیوں گرفتار کیا گیا......؟''

''یہ سب کارروائی صوفیہ کے بیان پر کی گئی ہے وکیل صاحب!'' نورین نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ ''نادرہ کی لاش ملنے پر جب پولیس موقع پر پہنچی تو اس نے نادرہ کے گھر والوں کے علاوہ دوسرے لوگوں سے بھی پوچھ گچھ کی۔ صوفیہ نے پولیس کو جو بیان دیا اس کی روشنی میں آج دوپہر میں بھائی کو دکان پر سے گرفتار کرلیا گیا۔ ہمیں سہ پہر میں گرفتاری والے اس واقعے کی خبر ہوئی۔ ہم جو بھاگ دوڑ کرسکتے تھے وہ کی' پھر عباسی صاحب نے ہمیں آپ کے بارے میں بتایا اور ہم آپ کے پاس آگئے......''

نورین ایک ہی سانس میں بہت کچھ بتانے کے بعد خاموش ہوئی تو میں نے پوچھا۔ ''وہ صوفیہ کون ہے؟''

''صوفیہ ہمارے پڑوس میں رہتی ہے وکیل صاحب!'' نورین نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''اس کا گھر' ہمارے گھر اور زیر تعمیر عمارت کے بیچ میں ہے اور یہ صوفیہ' نادرہ کی بہت گہری دوست ہے۔ نادرہ اکثر صوفیہ سے ملنے اس کے گھر آتی رہتی تھی۔''

''ہوں......'' میں نے سوچ میں ڈوبے لہجے میں کہا۔

''صوفیہ نے پولیس والوں کو بتایا ہے کہ نادرہ اور کاشف اکثر رات کی تاریکی میں اس زیر تعمیر عمارت میں ملاقاتیں کیا کرتے تھے۔'' زیب النساء وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''اس کے اسی بیان پر پولیس والوں نے ہمارا دروازہ بجایا۔ ہم سے نادرہ کے قتل کے بارے میں سوالات کیے۔ جب ہم نے لاعلمی ظاہر کی تو وہ سیدھے کاشف کی دکان پر پہنچے اور اسے نادرہ کے قتل کے الزام میں گرفتار کرلیا۔ کاشف کی گرفتاری کے بارے میں دکان والوں نے سہ پہر میں فون کر کے ہمیں بتایا اور ہم ماں بیٹی پریشانی میں بھاگ دوڑ کرتے ہوئے بالآخر آپ تک پہنچ گئے ہیں۔''

''اس کے علاوہ آپ اس واقعے کے بارے میں اور کیا جانتی ہیں؟'' میں نے قلم کو اپنی انگلیوں میں گھماتے ہوئے سوال کیا۔

''ہمیں جو کچھ معلوم تھا وہ آپ کو بتا دیا۔'' زیب النساء بڑی رسان سے بولی۔ ''اس کے علاوہ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ کاشف قاتل نہیں ہوسکتا۔ وہ تو نادرہ سے محبت کرتا تھا' اس کی جان کیسے لے سکتا ہے۔''

ایک بیٹے کے لیے اس کی ماں کے جذبات کی اپنی جگہ بڑی اہمیت ہوتی ہے' لیکن عدالت جذبات واحساسات کے بجائے ٹھوس ثبوت اور منطقی دلائل کو اہمیت دیتی ہے لہٰذا میں نے توجہ سے زیب النساء کی بات سنی اور سوال کیا۔

''نادرہ کی فیصل سے منگنی ہو جانے پر کاشف کا ردعمل کیا تھا؟''

''اسے اس منگنی اور بعد ازاں شادی کی تاریخ مقرر ہو جانے کا دکھ ہوا تھا۔'' زیب النساء نے جواب دیا۔''وہ بہت ہی اداس اور کھویا کھویا سا رہنے لگا تھا۔''

''اور نادرہ کی کیا کیفیت تھی؟'' میں نے پوچھا۔

''ظاہر ہے جناب! اسے بھی یہ شادی پسند نہیں تھی۔'' زیب النساء نے سادہ سے لہجے میں بتایا۔''وہ کاشف کو چاہتی تھی اور شادی بھی اسی کے ساتھ کرنے کی خواہاں تھی لیکن بے چاری گھر والوں کی مرضی کے سامنے مجبور تھی۔''

''کیا کاشف نے نادرہ کو کسی جرأت مندانہ اقدام کے لیے اکسانے کی کوشش نہیں کی تھی؟'' میں نے معنی خیز انداز میں باری باری دونوں کی جانب دیکھا۔

''میں کچھ سمجھی نہیں وکیل صاحب!'' زیب النساء نے الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھا۔

نورین میرا اشارہ بخوبی سمجھ گئی تھی' جلدی سے بولی۔''بھائی بہت ہی صلح پسند انسان ہیں۔ان کے اندر کسی انقلابی اقدام کی جرأت نظر نہیں آتی۔اس موقع پر انہوں نے نادرہ ہی کو سمجھانے کی کوشش کی تھی جو قسمت میں لکھا ہوگا' ہونا تو وہی ہے۔کسی احتجاج واویلے کا کوئی فائدہ نہیں......''

''اگر کاشف اس انداز میں سوچنے کا عادی ہے تو پھر واقعی وہ انتہائی امن پسند اور صلح جو انسان ہے۔'' میں نے کہا۔''عرف عام میں فی زمانہ ایسے لوگوں کو بے وقوف یا بزدل بھی کہا جاتا ہے۔'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''ورنہ ایسے مواقع پر توعموماً لڑکا اسٹینڈ لیتا ہے اور اپنی محبت کو حاصل کرنے کے لیے ہر جائز وناجائز راستہ اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے جبکہ کاشف نے نادرہ کو یہ سمجھایا کہ اس کے گھر والے جہاں چاہتے ہیں' وہ چپ چاپ شادی کر لے...... ہیں نا؟''

میں نے سوالیہ نظر سے نورین کی طرف دیکھا تو وہ اثبات میں گردن ہلا کر رہ گئی۔

میں نے زیب النساء سے سوال کیا۔''گزشتہ رات کاشف کتنے بجے گھر آیا تھا؟''

''یہی کوئی آٹھ بجے......'' اس نے جواب دیا۔''دکان سے اس کی چھٹی سات بجے تک ہو جاتی ہے۔وہ ساڑھے سات یا زیادہ سے زیادہ آٹھ بجے گھر پہنچ جاتا ہے۔''

''کاشف گزشتہ رات آٹھ بجے گھر آ گیا تھا۔'' میں نے رف پیڈ پر قلم چلاتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں کہا پھر زیب النساء کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔''اس کے بعد وہ گھر سے باہر تو نہیں گیا تھا؟''

''جی گیا تھا......'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

میں نے پوچھا۔''کہاں گیا تھا؟''

''اپنے دوستوں سے گپ شپ کرنے۔'' اس نے بتایا۔''یہ اس کا معمول ہے کہ دکان سے آنے کے بعد وہ ہاتھ منہ دھو کر فریش ہوتا ہے' پھر ہم لوگ مل کر ایک ساتھ رات کا کھانا کھاتے ہیں۔اس کے بعد وہ محلے کے دوستوں کے ساتھ گپ شپ کرنے کے لیے گھر سے نکل جاتا ہے۔''

''اور اس کی واپسی کب تک ہوتی ہے؟''

''وہ دس ساڑھے دس بجے تک واپس آ جاتا ہے۔''

''کیا گزشتہ رات بھی وہ دس' ساڑھے دس بجے تک واپس آ گیا تھا؟''

''میں بہت تھکی ہوئی تھی۔'' زیب النساء نے جواب دیا۔''اس لیے رات کے کھانے کے فوراً بعد سوگئی تھی۔'' پھر اس نے نورین کی جانب دیکھتے ہوئے اضافہ کیا۔''پچھلی رات وہ کب واپس آیا تھا' تمہیں پتا ہوگا......''

''بھائی آدھی رات کو واپس آئے تھے۔'' نورین نے بڑی رسان سے جواب دیا۔''میں اس وقت جاگ رہی تھی اور میں نے ہی ان کے لیے دروازہ کھولا تھا۔اس وقت رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔''

''کیا آپ نے بھائی سے پوچھا تھا کہ وہ اتنی رات تک کہاں تھا؟'' میں نے نورین کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔''روٹین کے مطابق تو وہ دس' ساڑھے دس بجے تک واپس آ جایا کرتا تھا۔''

''جی نہیں۔'' نورین نے نفی میں گردن ہلائی۔''میں نے اس بارے میں ان سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔''

میں نے زیب النساء سے پوچھا۔ ”کیا آپ کاشف کے ان دوستوں کو گواہی کے لیے آمادہ کرسکتی ہیں‘ گزشتہ رات جن کے ساتھ وہ گپ شپ کر رہا تھا؟“

”جی...... میں یہ کام کرلوں گی۔“

”ٹھیک ہے......“ میں نے مطمئن انداز میں کہا پھر پوچھا۔ ”کاشف کو کس تھانے کی حوالات میں رکھا گیا ہے؟“

اس نے متعلقہ تھانے کا نام بتا دیا۔

”کیا آپ لوگ کاشف سے ملاقات کے لیے تھانے گئی تھیں؟“

”گئے تھے...... مگر پولیس والوں نے ہمیں اس سے ملنے نہیں دیا۔“

”انہوں نے کیا کہا تھا؟“ میں نے استفسار کیا۔

”وہ کہتے ہیں‘ کل صبح کاشف کو عدالت میں پیش کیا جائے گا تو وہاں جس کو ملنا ہوا اس سے مل لے......“ زیب النسا نے جواب دیا۔

میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

”دیکھیں خاتون‘ میں ایک بات واضح کردوں کہ قتل کے ملزم کی ضمانت ناممکن حد تک مشکل ہوتی ہے مگر آپ پریشان نہ ہوں‘ میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔ آگے اللہ کو جو بھی منظور ہو......“

”بہت بہت شکریہ وکیل صاحب!“ وہ ممنونیت بھرے لہجے میں بولی۔

اس کے بعد میں نے زیب النساء سے اپنی فیس وصول کی اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”میں آج رات ہی کسی وقت تھانے جا کر کاشف سے ملاقات کر لیتا ہوں۔ ممکن ہے اس سے کوئی نئی بات پتا چل جائے۔ اب ہماری ملاقات کل صبح عدالت میں ہوگی۔“

اس نے ایک بار پھر میرا شکریہ ادا کیا اور سلام کر کے‘ اپنی بیٹی کے ساتھ میرے دفتر سے رخصت ہوگئی۔

✧✤✧

بعض قارئین کو اس بات پر اعتراض ہے میں اپنے آفس کے چیمبر کو ہی عدالت کا کمرا بنا لیتا ہوں۔ جو بھی شخص کلائنٹ کی حیثیت سے میرے پاس آتا ہے‘ میں اس پر ہی جرح شروع کر کے درجنوں سوالات پوچھ ڈالتا ہوں...... تو اس سلسلے میں وضاحت عرض کرتا چلوں

کہ ہر شخص کا اپنا ایک اسٹائل ہوتا ہے‘ کام کرنے کا۔ سو میرا بھی ہے‘ چونکہ یہ دوسرے وکلاء سے بہت مختلف ہے اس لیے بھی لوگوں کو عجیب سا لگتا ہے۔

اللہ کا مجھ پر لاکھ لاکھ کرم رہا ہے کہ اپرنٹس شپ کے زمانے ہی میں سے میرے پاس کلائنٹس کی کبھی کمی نہیں رہی لہٰذا میں ہرا یرے غیرے نتھو خیرے کا کیس نہیں پکڑتا۔ جب تک میں خود اپنے کلائنٹ سے مطمئن نہ ہو جاؤں‘ میں اس کا کیس ہاتھ میں نہیں لیتا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے آج تک کسی بے گناہ کو سزا دلوائی ہے اور نہ ہی کوئی گناہ گار میری وکالت کے نتیجے میں بری ہوا ہے۔ میں اس احسان کے لیے اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کروں وہ کم ہے۔

آفس کی مصروفیات سے فارغ ہونے کے بعد میں کاشف سے ملنے متعلقہ تھانے پہنچ گیا۔ میں نے اپنی کار کو تھانے کی باؤنڈری وال کے ساتھ پارک کیا اور بڑے سکون کے ساتھ ٹہلتے ہوئے انچارج صاحب کے کمرے تک رسائی حاصل کر لی۔

تھانہ انچارج اس وقت اپنے کمرے میں موجود نہیں تھا۔ مذکورہ کمرے میں بیٹھے ایک اے ایس آئی سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے اس سے پوچھا۔

”انچارج صاحب کہاں ہیں؟“

جواب دینے سے پہلے اے ایس آئی نے سرتاپا گہری نظر سے میرا جائزہ لیا پھر اکھڑے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔ ”آپ کون...... اور انچارج صاحب سے آپ کو کیا کام ہے؟“

”میرا نام امجد ہے......“ میں نے دانستہ اپنا ادھورا تعارف کرایا۔ ”اور کام تو میں انچارج صاحب ہی کو بتاؤں گا۔“

”انچارج صاحب اس وقت راؤنڈ پر ہیں۔“ وہ سرسری لہجے میں بولا۔ ”ان سے ملنا ہے تو رات میں کسی وقت آجائیں......“

مجھے تفریح کی سوجھی۔ میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

”تو آپ کے خیال میں اس وقت دن ہے......؟“

اس نے خفگی آمیز نظر سے مجھے گھورا اور بولا۔ ”میرا مطلب تھا‘ جب انچارج صاحب تھانے میں موجود ہوں‘ آپ اس وقت آجائیں......“

”جب تک تو بہت دیر ہو جائے گی......“ میں نے متاسفانہ انداز میں کہا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"کس بات کی دیر ہو جائے گی......؟"

"کاشف سے ملاقات میں دیر ہو جائے گی۔" میں نے سنجیدگی کا انداز برقرار رکھتے ہوئے کہا۔

"کاشف!" اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

"کون کاشف......؟"

میں نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔ "وہ نوجوان جسے آپ لوگوں نے آج سہ پہر دو بجے صدر میں واقع ایک جیولر کی دکان سے گرفتار کیا ہے......قتل کے الزام میں۔"

"آ......آپ اس ملزم سے نہیں مل سکتے۔" وہ انتہائی روکھے لہجے میں بولا۔

"میں کاشف کا وکیل ہوں' مرزا امجد بیگ ایڈووکیٹ۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "آپ مجھے ملزم سے ملنے سے نہیں روک سکتے۔"

یہ سنتے ہی کہ میں ایک وکیل ہوں وہ بے حد محتاط ہو گیا اور خاصے جارحانہ لہجے میں بولا۔ "آپ جو کوئی بھی ہیں' رات میں آ جائیں جب انچارج صاحب تھانے میں موجود ہوں۔ ان کی اجازت نہیں ہے۔"

میں نے میز پر رکھے ٹیلی فون کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اجازت کا مسئلہ بھی ابھی حل کر لیتے ہیں۔"

وہ گڑبڑا گیا۔ "آپ انچارج صاحب کو فون کریں گے......"

"نہیں......" میں نے ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔

"پھر......؟" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"میں آپ کے انچارج صاحب کے انچارج صاحب کو فون کروں گا۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"اس مسئلے کو آئی جی صاحب ہی حل کریں گے۔"

"او صاحب! یہ آپ کیا غضب کر رہے ہیں۔" اس نے میرے ہاتھ سے ریسیور جھپٹتے ہوئے کہا۔ "آپ کو حوالاتی سے ملنا ہے' مل لیں...... اللہ اللہ خیر سلا......"

میں نے ایک اطمینان بھری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ "واقعی' آئی جی صاحب کی

بڑی پاور ہے۔ فون کرنے سے پہلے ہی میرا مسئلہ حل ہو گیا۔"

اے ایس آئی نے کھا جانے والی نظر سے مجھے دیکھا اور دروازے کی جانب منہ کر کے آواز لگائی۔ "خادم حسین!"

اگلے ہی لمحے ایک کانسٹیبل کمرے کے اندر حاضر ہو گیا۔ یقیناً وہ خادم حسین ہی تھا۔ اے ایس آئی نے مذکورہ کانسٹیبل سے کہا۔

"خادم حسین...... امجد صاحب کو اس حوالاتی کے پاس لے جاؤ جسے آج دن میں قتل کے الزام میں گرفتار کر کے تھانے لایا گیا ہے۔"

خادم حسین نے اثبات میں سر ہلایا اور میں اس کے ساتھ چل پڑا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد میں کاشف کے سامنے کھڑا تھا۔ آہنی سلاخوں کی دوسری جانب وہ حوالات کی برہنہ زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔ کاشف کی عمر ستائیس کے آس پاس رہی ہو گی۔ وہ ایک صحت مند شخص تھا۔ اسے بلاشبہ وجیہہ و شکیل کہا جا سکتا تھا تاہم اس وقت وہ بڑی کسمپرسی کی حالت میں اکڑوں بیٹھا اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

مجھے اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر اس نے نگاہ اٹھائی پھر وہ کانسٹیبل خادم حسین کی جانب سوالیہ انداز میں تکنے لگا۔ کانسٹیبل نے اس سے کہا۔

"تمہاری ملاقات آئی ہے۔ ان سے بات کرو......"

ظاہر ہے' وہ مجھے نہیں جانتا تھا۔ اس سے پہلے ہمارا کبھی سامنا نہیں ہوا تھا۔ وہ فرش سے اٹھا اور تھوڑی سی ہچکچاہٹ کے بعد چلتے ہوئے آہنی سلاخوں کے قریب آ گیا۔ میں نے گردن گھما کر کانسٹیبل کی طرف دیکھا اور اپنا ہاتھ ہپ پاکٹ کی طرف لے جاتے ہوئے اس سے کہا۔

"خادم حسین! سنا ہے' آج کل بہت مہنگائی ہو گئی ہے......؟"

"جی صاحب! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" وہ جلدی سے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "دودھ چار سے چھ روپے لیٹر اور گوشت آٹھ سے دس روپے سیر ہو گیا ہے۔ باقی چیزوں کا بھی کچھ نہ پوچھیں جناب!"

میں نے جیب میں سے بٹوا برآمد کیا اور بٹوے میں سے پچاس کا ایک کرارا سا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"خادم حسین! یہ تمہارا انعام ہے' رکھ لو میں حوالاتی سے دس منٹ تک تنہائی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ اتنی دیر میں تم باہر گھوم پھر آؤ اور ایک کڑک سی دودھ پتی بھی پی لینا۔"

اس نے خوش ہو کر میرے ہاتھ سے پچاس کا نوٹ پکڑ لیا اور جانے کے لیے پلٹا۔ میں کانسٹیبل کی جانب سے مطمئن ہو کر کاشف کی جانب متوجہ ہو گیا اور اپنا تعارف کرتے ہوئے کہا۔

"میرا نام مرزا امجد بیگ ایڈووکیٹ ہے۔ تمہاری والدہ نے مجھے تمہارا وکیل مقرر کیا ہے۔ میں تمہیں اس مصیبت سے نجات دلاؤں گا جس میں اس وقت تم گرفتار ہو لیکن......"

اس نے تشکرانہ نظر سے مجھے دیکھا اور پوچھا۔ "لیکن کیا وکیل صاحب......؟"

"لیکن یہ کہ...... میں تم سے جو بھی پوچھوں گا' تم اس کا سچا اور سیدھا جواب دو گے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"جی...... بالکل......" وہ جلدی سے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

میں نے اپنے بریف کیس میں سے چند کاغذات نکال کر اس کی جانب بڑھائے اور مخصوص مقامات کی نشاندہی کر کے اس سے دستخط کرنے کے لیے کہا۔ ان کاغذات میں وکالت نامہ اور درخواست ضمانت سرفہرست تھیں۔

جب اس نے میری ہدایت کے مطابق دستخط کر دیئے تو میں نے کاغذات واپس بریف کیس میں رکھ دیئے اور اس کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

"کاشف مجھے بتاؤ' اصل معاملہ کیا ہے......؟"

"اصل معاملہ......" وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔

"اصل معاملہ یہ ہے جناب کہ میں بے گناہ ہوں۔ میں نے نادرہ کو قتل نہیں کیا......"

"یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔" میں نے تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "اگر تم نے نادرہ کو قتل کیا ہوتا تو میں تمہارا کیس ہرگز نہیں لیتا......" میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ جب تم نادرہ کے قاتل نہیں ہو تو پھر پولیس نے کس بنیاد پر تمہیں اس کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا ہے؟"

"پولیس والوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے جناب۔" وہ بیزاری سے سر جھٹکتے ہوئے

بولا۔ "اور ان کا دماغ صوفیہ نے خراب کیا ہے۔"

"یہ صوفیہ وہی لڑکی ہے نا......" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "جو نادرہ کی رازدار سہیلی ہے۔ وہ تمہارے اور نادرہ کے عشقیہ معاملات سے اچھی طرح واقف ہے۔ اسی صوفیہ نے پولیس کو بتایا ہے کہ تم نادرہ سے زیر تعمیر عمارت میں چھپ چھپ کر ملاقاتیں کیا کرتے تھے؟"

"جی ہاں...... یہ ساری آگ اسی صوفیہ کی لگائی ہوئی ہے۔" وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔

"کیا یہ سچ ہے کہ تم اس زیر تعمیر عمارت میں نادرہ سے ملاقاتیں کیا کرتے تھے جہاں سے اس کی لاش دریافت ہوئی ہے؟" میں نے بہ دستور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

وہ جز بز ہوتے ہوئے بولا۔ "ہاں...... یہ بات درست ہے۔"

"اس کا مطلب ہے' تمہارے اور نادرہ کے بیچ خاصا سنجیدہ تعلق تھا؟"

"جی...... ہم ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔" اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میں نے سنا ہے' نادرہ کے گھر والے تم دونوں کی محبت کے سخت خلاف تھے۔" میں نے سوالات کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اور انہوں نے نادرہ کا رشتہ اس کے کزن فیصل سے طے کر دیا تھا اور...... ایک ماہ کے بعد ان کی شادی ہونے والی تھی؟"

"جی ہاں' یہی حقیقت ہے۔"

"اور مجھے یہ بھی پتا ہے کہ نادرہ' فیصل کو سخت ناپسند کرتی تھی؟"

"جی ہاں' آپ کو بالکل ٹھیک پتا چلا ہے......"

میں نے کاشف کے دل کا حال ٹٹولنے کے لیے اندھیرے میں ایک تیر چھوڑا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "پولیس نے موقف اختیار کیا ہے کہ تم نادرہ اور فیصل کے رشتے کے سخت خلاف تھے۔ تم نے نادرہ کو فیصل کے خلاف خوب بھرا تھا اسے اکساتے رہتے تھے کہ وہ تمہارے ساتھ کہیں فرار ہو جائے؟"

"یہ سراسر بکواس اور جھوٹ ہے۔" وہ برہمی سے بولا۔ "میں نے ہمیشہ نادرہ کو سمجھانے بجھانے کی کوشش کی تھی۔ بھاگ جانے کا آئیڈیا اسی کا تھا' لیکن میں نے اس کی مخالفت کی

تھی۔وکیل صاحب......“لمحاتی توقف کر کے اس نے گہری نظر سے میری آنکھوں میں دیکھا اور ٹھوس لہجے میں بولا۔”میں ایک جوان بہن کا بھائی ہوں۔میں کسی لڑکی کو گھر سے بھگانے کے بارے میں کیسے سوچ سکتا ہوں......؟“

”یہ میرا نہیں‘ پولیس کا خیال ہے۔“میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا پھر پوچھا۔”وقوعہ کے روز یعنی گزشتہ رات کھانا کھانے کے بعد تم اپنے دوستوں سے گپ شپ کرنے گھر سے باہر نکلے تھے۔میں تمہارے ان دوستوں کے نام جاننا چاہتا ہوں؟“

”ان دوستوں کے نام وسیم‘ آفتاب اور عارف ہیں۔“اس نے جواب دیا۔

”تمہاری چھوٹی بہن نورین نے مجھے بتایا ہے کہ گزشتہ رات تم لگ بھگ ساڑھے بارہ بجے گھر واپس آئے تھے۔“میں نے پوچھا۔”اتنی دیر تک تم اپنے دوستوں کے ساتھ کون سی گپ شپ کرتے رہے تھے؟“

”وہ بات دراصل یہ ہے وکیل صاحب۔“وہ ایک بوجھل سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔”میں نے پچھلی رات وسیم‘ آفتاب اور عارف کے ساتھ تو بس تھوڑی‘ دیر تک گپ شپ کی تھی پھر میں عارف کے ساتھ چلا گیا تھا......“

”کہاں......تم عارف کے ساتھ کہاں چلے گئے تھے؟“

”پکچر دیکھنے۔“اس نے جواب دیا۔

”اوہ......“میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”تم دونوں کون سی پکچر دیکھنے گئے تھے؟“

اس نے ایک انگلش پکچر کا نام بتایا۔

میں نے پوچھا۔”کیا عارف اس بات کی گواہی دینے کو تیار ہو جائے گا کہ تم گزشتہ رات اس کے ساتھ آخری شو دیکھنے پکچر ہاؤس گئے تھے؟“

”کیوں نہیں......وہ ضرور گواہی دے گا۔“وہ پورے یقین سے بولا۔

”اور وسیم و آفتاب کے بارے میں کیا خیال ہے؟“

میں نے استفساریہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔”وہ دونوں اس بات کی گواہی دیں گے کہ ان کے سامنے تم دونوں پکچر دیکھنے کے لیے گئے تھے اور اس سے پہلے انہی کے ساتھ گپ شپ کر رہے تھے......؟“

اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

میں نے اس سے مزید دو چار سوالات پوچھے۔پھر کانسٹیبل خادم حسین واپس آ گیا اور مجھے کاشف کو فارغ کرنا پڑا۔میں نے مناسب الفاظ میں اسے تسلی دلاسا دیا اور وہاں سے واپس آ گیا۔

✧✧✧

آئندہ روز پولیس نے ملزم کاشف کو عدالت میں پیش کر کے اس کا ریمانڈ لینے کی کوشش کی۔اس موقع پر میں نے اپنے مؤکل کی ضمانت کے لیے زور مارا لیکن مجھے اس مقصد میں کامیابی نہ ہو سکی جس بات کا مجھے پہلے سے بہ خوبی اندازہ تھا۔عدالت نے دونوں جانب کے دلائل سننے کے بعد ملزم کی درخواست ضمانت کو رد کرتے ہوئے اسے سات روز کے ریمانڈ پر پولیس کسٹڈی میں دے دیا۔

گزشتہ رات جب میں کاشف سے ملاقات کرنے تھانے گیا تھا تو یہ بات میرے ذہن میں موجود تھی کہ اس کی ضمانت کی درخواست مسترد بھی ہو سکتی ہے لہٰذا میں نے اسے پولیس کی ”خاطرداری“ سے محفوظ رہنے کے کئی ایک مفید گر بتا دیئے تھے۔مجھے اُمید تھی کہ ریمانڈ کی مدت کے دوران میں وہ پولیس کی مشقِ ستم بننے سے خود کو بچائے گا۔

اس ایک ہفتے میں‘ میں اس کیس کے مختلف پہلوؤں پر غور و فکر کرتا رہا اور اس سلسلے میں‘ میں نے اپنے دیرینہ دوست اور زیب النساء کے خیرخواہ معروف صحافی خورشید عباسی سے بھی بہت مدد لی۔عباسی صاحب ایک چلتا پرزہ قسم کے انسان تھے۔اگر ان کے ذمے کوئی کام لگا دیا جاتا تو وہ اس کے بارے میں پاتال سے بھی معلومات نکال کر لے آتے تھے۔

اس دوران میں دو مرتبہ زیب النساء بھی مجھ سے ملنے دفتر آئی۔ایک دفعہ اکیلی اور ایک مرتبہ نورین کے ساتھ۔وہ خاصی پریشان اور گھبرائی ہوئی تھی۔اس بے چاری کا پہلی مرتبہ پولیس اور عدالتی معاملات سے واسطہ پڑا تھا۔میں نے اس کی تسلی اور اطمینان کے لیے اسے کیس کے مختلف زاویوں کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔میری وضاحت سے اسے خاصی حد تک سکون حاصل ہوا تھا۔

ریمانڈ کی مدت پوری ہونے کے بعد پولیس نے اس کیس کا چالان عدالت میں پیش کر دیا۔استغاثہ کے دیگر گواہان کے بیانات کے ساتھ ہی ملزم کا بیان بھی شامل تھا۔ریمانڈ کے

دوران میں پولیس کسٹڈی میں ملزم جو بھی بیان ریکارڈ کراتا ہے اسے ملزم کا ''اقبال بیان'' کہا جاتا ہے۔ میں نے اپنے موکل کو پولیس کی ''مہربانیوں'' سے محفوظ رہنے کے لیے جو ہدایات دی تھیں ان کے نتیجے میں میرے موکل نے پولیس کے حسب منشا بیان لکھوا دیا تھا۔ یہ بات آپ جانتے ہیں کہ پولیس کی حویل میں دیئے گئے کسی بیان کی عدالت کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ عدالت کے کام کا اپنا ایک مخصوص طریقہ کار ہے جہاں واقعاتی شہادتوں' گواہوں کے بیانات' ٹھوس حقائق' ناقابل تردید ثبوت اور وکلاء کے زوردار دلائل کی روشنی میں فیصلے کیے اور سنائے جاتے ہیں۔

عدالت کی ابتدائی کارروائی نہایت ہی غیر دلچسپ اور خشک ہوتی ہے لہٰذا میں آپ کو بوریت سے بچاتے ہوئے دو چار قدم آگے لے جاتا ہوں یعنی عدالت کی باقاعدہ کارروائی کی جانب۔ کوئی دو ماہ کے بعد اس مرحلے کی نوبت آئی تھی۔

اس روز عدالت کے کمرے میں' اس کیس سے متعلق تمام افراد موجود تھے۔ جج اپنی مخصوص نشست انصاف پر براجمان ہو چکا تو اس کے حکم پر کارروائی کا آغاز ہوا۔ جج نے فرد جرم پڑھ کر سنائی۔ ملزم نے صحت جرم سے صاف انکار کر دیا۔ اس کے بعد استغاثہ کی جانب سے گواہوں کا سلسلہ شروع ہوا۔

استغاثہ نے نصف درجن سے زیادہ گواہان کی فہرست عدالت میں دائر کی تھی' لیکن میں ان صفحات پر صرف انہی گواہوں کا ذکر کروں گا جن کا بیان یا گواہی کسی اہمیت کی حامل ہوئی...... اور اس سے پہلے پوسٹ مارٹم رپورٹ' استغاثہ کے مؤقف اور ملزم کے بیان کا مختصراً تذکرہ کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں۔

پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق مقتولہ نادرہ کی موت وقوعہ کی رات دس اور بارہ بجے کے دوران میں واقع ہوئی تھی۔ اسے گلا گھونٹ کر موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ میڈیکل ایگزام کی رپورٹ میں بڑے واضح الفاظ میں لکھا ہوا تھا کہ مقتولہ کی موت کے حوالے کرنے سے پہلے مجرمانہ حملے کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ مقتولہ کے بدن پر موجود لباس کی ابتری سے بھی یہی ظاہر ہوتا تھا کہ قاتل نے اسے اپنی ہوس کا نشانہ بنانے سے قبل بے رحمی سے رگیدا بھی تھا۔ مقتولہ کے جسم کے بعض حصوں پر زدوکوب کے آثار بھی پائے گئے تھے۔ ان متذکرہ بالا رپورٹس میں چند اور انکشافات بھی کیے گئے تھے مگر اخلاقیات کا تقاضا ہے کہ یوں کھلے عام

انہیں ضابطہ تحریر میں نہ لایا جائے۔

پولیس نے استغاثہ کی زبان اور چالان کی شکل میں یہ مؤقف اختیار کیا تھا کہ مقتول نادرہ ملزم کاشف سے محبت کرتی تھی' لیکن ملزم اس کے ساتھ سنجیدہ نہیں تھا۔ مقتولہ' ملزم کے ساتھ شادی کر کے ایک معتبر اور باعزت زندگی گزارنے کی خواہاں تھی' مگر ملزم نے کبھی اس معاملے میں سنجیدہ دلچسپی ظاہر نہیں کی تھی۔ اسی دوران میں جب مقتولہ کے گھر والوں نے اس کی شادی' اس کے کزن فیصل سے کرنے کا نہ صرف فیصلہ کر لیا' بلکہ اس شادی کی تاریخ بھی مقرر کر دی تو ملزم کو یقین ہو گیا کہ مقتولہ بہت جلد اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ یہ لوگ زیر تعمیر عمارت (جائے وقوعہ) پر اکثر ملاقاتیں کیا کرتے تھے۔ جب مقتولہ کی شادی میں ایک ماہ کا عرصہ باقی رہ گیا تو ملزم نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت وقوعہ کی رات مقتولہ سے ملاقات کا پروگرام سیٹ کیا۔ جب مقتولہ حسب پروگرام' ملزم سے ملنے زیر تعمیر عمارت میں پہنچی تو پہلے وہ اس سے پیار محبت کی باتیں کرتا رہا' پھر اس کے اندر کا شیطان جاگ اٹھا اور اس نے اپنی طاقت کے بل پر مقتولہ کو زیر کر کے بالجبر اپنی ناپاک اور مذموم خواہش کر لی۔ یہ اس منصوبے کا پہلا حصہ تھا۔ دوسرے حصے پر عمل کرتے ہوئے اس نے پکڑے جانے کے خوف سے بعد ازاں مقتولہ کا گلا گھونٹ کر اسے موت کے سپرد کر دیا۔ ملزم کو کسی بھی قیمت پر یہ گوارا نہیں تھا کہ مقتولہ کی شادی ہو اور وہ اس کے ہاتھ سے نکل جائے لہٰذا اپنے ہوس ناک عزائم کی تکمیل کے بعد مقتولہ کا ٹھکانے لگا کر اس نے اپنا مقصد حاصل کر لیا تھا۔

عدالت کے روبرو اپنے بیان کو ریکارڈ کراتے ہوئے اس کیس کے ملزم اور میرے موکل کاشف محمود نے بتایا تھا کہ وہ مقتولہ سے سچی اور سنجیدہ محبت کرتا تھا۔ اس نے اس بات کا بھی اقرار کیا کہ وہ زیر تعمیر عمارت میں چھپ چھپ کر مقتولہ سے ملاقات کیا کرتا تھا' لیکن مقتولہ کے حوالے سے کبھی اس کے ذہن میں شیطانی خیالات کا گزر نہیں ہوا۔ اس کی محبت پاکیزہ تھی اور وہ کسی قیمت پر اپنی محبت کو داغدار کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ملزم نے اس امر کی تصدیق بھی کی کہ مقتولہ کی گہری سہیلی صوفیہ ان کے معاملات محبت کی رازدار تھی۔ اپنے بیان میں اس نے ایک انکشاف یہ بھی کیا کہ مقتولہ کی منگنی سے پہلے اس نے مقتولہ کے والدین کو ایک خط لکھا تھا' جس میں اس نے واضح کیا تھا کہ وہ مقتولہ کو پسند کرتا ہے اور اس سے شادی کا خواہاں ہے۔ مقتولہ کے والدین نے اس کے خط کا کوئی جواب نہ دیا' بلکہ چند

روز کے بعد پتا چلا کہ انہوں نے مقتولہ کو اس کے کزن فیصل سے منسوب کر دیا ہے۔ اس بات کا ملزم کو دکھ تو بہت ہوا تھا' لیکن وہ چونکہ فطری طور پر ایک صلح پسند انسان تھا اس لیے اس نے کوئی جارحانہ ردعمل ظاہر کرنے کے بجائے حالات سے سمجھوتہ کر لیا اور مقتولہ شکست تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا۔مقتولہ نے ملزم کو وہی راہ سجھائی کہ وہ دونوں چپ چاپ کہیں بھاگ جاتے ہیں' لیکن ملزم اس آئیڈیا پر عمل کرنے کے لیے راضی نہ ہوا۔وقوعہ کی رات بھی انہوں نے زیرتعمیر عمارت میں ایک مختصر سی ملاقات کی تھی اور اس (کاشف) نے مقتولہ کو ایک بار پھر اچھا برا سمجھانے کی کوشش کی تھی اور پھر اسے وہیں چھوڑ کر وہ اپنے دوست کے ساتھ پکچر دیکھنے چلا گیا تھا۔

وکیل استغاثہ کی فرمائش پر ملزم کو اس کے حوالے کر دیا گیا۔ملزم نے جیسے ہی اپنا بیان ریکارڈ کرایا' وکیل استغاثہ جرح کے لیے اکیوزڈ باکس کے قریب پہنچ گیا پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا

''کیا یہ صحیح ہے کہ تم چھپ چھپ کہ مقتولہ سے زیرتعمیر عمارت میں ملاقاتیں کیا کرتے تھے؟''

''جی ہاں...... یہ صحیح ہے۔''اس نے بڑی رسان سے جواب دیا۔''میں اپنے بیان میں اس بات کی وضاحت کر چکا ہوں۔''

''کیا یہ بھی درست ہے کہ مقتولہ کی شادی' اس کے کزن کے ساتھ طے ہونے کا سن کر تمہیں بہت دکھ ہوا تھا؟''

''فطری بات ہے۔''اس نے جواب دیا۔''میں مقتولہ کے ساتھ سچی اور کھری محبت کرتا تھا۔اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتا تھا۔اس کی شادی کہیں اور ہونے کا سن کر مجھے یقیناً دکھ تو ہونا چاہیے تھا......''

''سچی اور کھری محبت!''وکیل استغاثہ نے طنزیہ لہجے میں کہا پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''مقتولہ کے ساتھ وقوعہ کی رات زیرتعمیر عمارت میں جو کچھ پیش آیا وہ تمہاری سچی اور کھری محبت کا نتیجہ تھا...... ہیں نا؟''

ملزم نے قدرے بہادری سے جواب دیا۔''وکیل صاحب! جو حقیقت تھی وہ میں نے

آپ کو بتا دی ہے اب...... آپ اس سے جو بھی نتیجہ اخذ کریں' آپ کی مرضی ہے۔''

''تم نے اپنے حلفیہ بیان میں معزز عدالت کو بتایا ہے کہ تم نے مقتولہ کا اس کے کزن امل سے رشتہ طے ہو جانے کے بعد مقتولہ کے والدین کو کوئی خط لکھا تھا؟''

''جی ہاں......''ملزم نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''میں نے خط ضرور لکھا تھا' مگر مقتولہ کا رشتہ طے ہونے سے پہلے......''

وکیل استغاثہ نے اس کے جواب پر کوئی توجہ نہیں دی اور سلسلہ جرح کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔''اور اس خط میں تم نے مقتولہ کے والدین کو خطرناک نتائج کی دھمکیاں بھی دی تھیں......''

''اس بات میں کوئی حقیقت نہیں۔''ملزم نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔''میں نے مقتولہ کے والدین کو یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ میں ان کی بیٹی سے شادی کرنے کے لیے سنجیدہ ہوں اور مقتولہ بھی مجھے دل و جان سے چاہتی ہے لہٰذا وہ لوگ ہماری محبت سے دشمنی کرنے کے بجائے ہمیں ایک معتبر رشتے میں باندھنے کی کوشش کریں۔''

''یہ تو تم کہہ رہے ہو نا......''وکیل استغاثہ نے شک بھری نظر سے ملزم کی جانب دیکھا۔

''جبکہ مقتولہ کے والدین کا مؤقف اس کے برعکس ہے۔تم نے انہیں نتائج سے ڈرانے کی کوشش کی تھی' وقوعہ کی رات بالآخر تم نے ان پر عمل بھی کر ڈالا۔''

''میں نے ایسا کچھ نہیں کیا جو آپ بیان کر رہے ہیں۔''ملزم نے بڑے اعتماد سے کہا۔

''میں مقتولہ کو کانٹا چبھونے کے برابر بھی تکلیف دینے کا تصور نہیں کر سکتا۔اسے بےآبرو کر کے قتل کرنا......''لحاتی توقف کر کے اس نے ایک جھرجھری لی پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''اس گھناؤنے فعل کے بارے میں سوچنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔میں سمجھتا ہوں' مجھے کسی گہری سازش کے تحت اس کیس میں پھنسانے کی کوشش کی گئی ہے۔''

اس کیس کا ملزم اور میرا مؤکل بڑی بہادری کے ساتھ وکیل استغاثہ سے سوالات کے جواب دے رہا تھا۔مجھے اُمید نہیں تھی کہ وہ اس اعتماد کا مظاہرہ کر پائے گا۔

''جب کوئی شخص قانون کے جال میں پوری طرح جکڑا جا چکا ہوتا ہے اور اسے فرار کے لیے کوئی راستہ نظر نہیں آتا تو وہ اسی قسم کی باتیں کرتا ہے۔''وکیل استغاثہ نے جارحانہ انداز میں کہا۔''وہ سارے کا سارا الزام کسی نامعلوم شخص کی سازش پر ڈال دیتا ہے اور خود کو معصوم

و بے گناہ کرنے کے لیے ایسی کہانیاں گھڑ لیتا ہے جس سے وہ لوگوں کی ہمدردیاں سمیٹ سکے
لیکن......'' لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔
''لیکن عدالت لوگوں کے جذباتی بیانات کی روشنی میں فیصلے صادر نہیں کرتی بلکہ عدالت کی کسوٹی ہر بات کو ٹھوس حقائق اور دلائل کی بنا پر پرکھتی ہے۔''

وکیل استغاثہ کی اس تقریر پر ملزم نے کوئی جواب نہیں دیا۔

وکیل استغاثہ نے استفسار کیا۔'' کیا یہ سچ ہے کہ مقتولہ کی ایک سہیلی تمہارے پڑوس میں رہتی ہے؟''

''جی ہاں...... یہ سچ ہے۔'' ملزم نے اثبات میں جواب دیا۔'' اس لڑکی کا نام صوفیہ ہے۔ صوفیہ کا ہمارے گھر میں بھی آنا جانا ہے......''

''صوفیہ نامی وہ لڑکی تم دونوں کے معاملات محبت سے اچھی طرح آگاہ تھی۔'' وکیل استغاثہ نے جرح کے سلسلے کو دراز کرتے ہوئے کہا۔'' اسی صوفیہ کے توسط سے تم لوگوں کی ملاقات طے ہوا کرتی تھی؟''

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' ملزم نے مختصر جواب پر اکتفا کیا۔

''کیا وقوعہ کی رات بھی تم دونوں صوفیہ کے توسط سے ملے تھے؟'' وکیل استغاثہ نے بڑے جارحانہ انداز میں سوال کیا۔

''جی ہاں......''

وکیل استغاثہ نے اسی طرح کے مزید دو تین تیز وتند سوالات کیے پھر جرح ختم کر دی۔

اپنی باری پر میں جج کی اجازت حاصل کر کے اکیوزڈ باکس کے قریب چلا گیا۔ میں نے ملزم سے نہایت ہی مختصر سی جرح کی۔

''کاشف! تم نے معزز عدالت کے روبرو مقتولہ کے والدین کو کوئی خط لکھنے کا اقرار کیا ہے۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔'' تمہارا موقف یہ ہے کہ تم نے اس کے والدین کو اپنی اور مقتولہ کی شادی کے لیے ہموار کرنے کا مشورہ دیا تھا جبکہ استغاثہ کا دعویٰ ہے کہ وہ ایک دھمکی آمیز خط تھا۔ یہ کیا قصہ ہے؟''

''قصہ یہ ہے جناب کہ......'' وہ سادہ سے لہجے میں بولا۔'' میں نے جو کہا وہ سچ ہے۔ استغاثہ کا دعویٰ سراسر جھوٹ پر مبنی ہے۔ اگر میں نے مقتولہ کے والدین کو کوئی دھمکی آمیز خط

لکھا تھا تو وہ ثبوت کے طور پر اس خط کو عدالت میں پیش کر دیں۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے گا۔''

''ویری گڈ!'' میں نے تعریفی نظر سے ملزم کی طرف دیکھا پھر روئے سخن استغاثہ کی جانب موڑتے ہوئے کہا۔'' دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کرنے کے لیے ملزم نے بڑی عمدہ تجویز دی ہے۔ پھر میں نے جج کی طرف دیکھتے ہوئے یوں اضافہ کیا۔

''جناب عالی! استغاثہ کے گواہوں کی فہرست میں مقتولہ کے والدین کے نام بھی شامل ہیں۔ میں معزز عدالت سے استدعا کروں گا کہ جب وہ گواہی کے لیے عدالت میں پیش ہوں تو وہ مذکورہ خط بھی اپنے ساتھ لے کر آئیں۔''

جج نے بڑی توجہ سے میری بات سنیں اور میرے خاموش ہونے پر اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے وکیل استغاثہ کو خط کے حوالے سے ہدایات جاری کر دیں۔ میں دوبارہ ملزم کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''کاشف محمود! تم نے بتایا ہے کہ تم اور مقتولہ صوفیہ نامی کسی لڑکی کے توسط سے زیر تعمیر عمارت میں ملاقاتیں کیا کرتے تھے۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔'' تم اس لفظ ''توسط'' کی کچھ وضاحت کرو گے؟''

''توسط......'' اس نے زیر لب دہرایا اور بتانے لگا۔'' جناب، بات دراصل یہ ہے کہ صوفیہ میرے پڑوس میں رہتی ہے اور اس کے گھر میں مقتولہ کا اکثر آنا جانا رہتا تھا۔ مقتولہ، صوفیہ کی رازدار اور گہری سہیلی بھی تھی چنانچہ صوفیہ کو ہم دونوں کے معاملات کا بخوبی علم تھا اور جہاں تک ملاقات اور توسط کا معاملہ ہے تو......'' لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''دراصل ملاقات کے بارے میں تو میں اور نادرہ ہی آپس میں طے کرتے تھے بس، صوفیہ نادرہ کو اخلاقی طور پر ایک مضبوط کور فراہم کرتی تھی۔ نادرہ، صوفیہ سے ملنے کا بہانہ کر کے گھر سے نکلتی تھی۔ اس طرح نادرہ کے گھر والے مطمئن رہتے تھے کہ وہ اپنی سہیلی کے گھر میں محفوظ ہے۔ بس اتنی سی بات ہے۔''

''اچھا......'' میں نے ملزم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا پھر پوچھا۔'' کیا یہ ملاقاتیں رات کی تاریکی میں ہوا کرتی تھیں یا......؟''

میں نے دانستہ سوالیہ انداز میں جملہ ادھورا چھوڑا تو وہ جلدی سے بولا۔ ''زیادہ تو رات کی تاریکی میں اور کبھی کبھار دن میں بھی۔''

''وقوعہ کی رات زیر تعمیر عمارت میں کیا واقعہ پیش آیا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''ہم دونوں نے تقریباً نو بجے رات زیر تعمیر عمارت میں ملاقات کی تھی۔'' ملزم نے بتایا۔ ''دس پندرہ منٹ تک ہم دونوں میں بحث ہوتی رہی پھر میں اسے وہیں چھوڑ کر اپنے دوستوں کی طرف نکل گیا تھا۔''

''بحث و تکرار......'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''تم دونوں میں کس بات پر بحث ہوئی تھی؟''

''نادرہ کی ایک ماہ کے بعد شادی ہونے والی تھی۔'' ملزم نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتایا۔ ''اور وہ اس بات پر سخت پریشان تھی۔ وہ اپنے کزن فیصل سے ہرگز ہرگز شادی نہیں کرنا چاہتی تھی اسی لیے وہ ایک سنسنی خیز آئیڈیا لے کر میرے پاس آئی تھی۔''

''آئیڈیا......'' میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ''کیسا آئیڈیا؟''

''گھر سے فرار ہونے کا آئیڈیا۔'' ملزم نے سرسراتی ہوئے آواز میں بتایا۔ ''اس کا خیال تھا کہ ہمیں گھر سے فرار ہو جانا چاہیے......''

''پھر......تم نے اس کا آئیڈیا سننے کے بعد کیا کہا؟''

''میں نے سختی کے ساتھ اس کے آئیڈیا کی مخالفت کی تھی۔'' وہ ٹھوس انداز میں بولا۔ ''میں نے بڑے واضح الفاظ میں اسے سمجھا دیا تھا کہ گھر سے فرار ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لہٰذا وہ چپ چاپ گھر چلی جائے اور خود کو تقدیر کے دھارے پر چھوڑ دے۔''

''کیا مقتولہ نے تمہاری بات مان لی تھی؟'' میں نے پوچھا۔ ''تمہارے سمجھانے پر وہ واپس چلی گئی تھی؟''

''میں اس بارے میں وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''کیوں......؟''

''کیونکہ میں اسے وہیں چھوڑ کر عمارت سے نکل گیا تھا۔'' اس نے بتایا۔ ''میں نہیں جانتا' وہ میرے جانے کے فوراً بعد اس عمارت سے چلی گئی تھی یا وہاں کچھ دیر ٹھہری تھی۔ اس کی باتیں سن کر میرا ذہن الجھ گیا تھا۔''

''تم مقتولہ کو زیر تعمیر عمارت میں چھوڑ کر کہاں گئے تھے؟'' میں نے سوال کیا۔

''دوسری گلی میں اپنے دوستوں کے پاس۔'' اس نے جواب دیا۔ ''دس پندرہ منٹ تک میں نے ان سے بات چیت کی لیکن میرا ذہن بہ دستور الجھن کا شکار رہا۔ پھر میں اپنے ایک دوست کے ساتھ پکچر دیکھنے سینما چلا گیا تھا۔''

''کس دوست کے ساتھ......؟''

''میرے اس دوست کا نام عارف ہے۔''

''کیا تمہارا دوست عارف اس بات کی گواہی دینے عدالت میں آ سکتا ہے کہ وقوعہ کی رات تم لوگوں نے کسی انگلش پکچر کا آخری شو دیکھا تھا......؟''

''مجھے یقین ہے' وہ گواہی سے انکار نہیں کرے گا۔''

''مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا جناب عالی!'' میں نے روئے سخن کی جانب موڑتے ہوئے کہا۔ ''پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق مقتولہ نادرہ کی موت وقوعہ کی رات دس اور بارہ بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی اور یہ وہی وقت ہے جب میرا مؤکل اور اس کیس کا ملزم کاشف محمود اپنے دوست کے ہمراہ فلم دیکھنے پکچر ہاؤس گیا ہوا تھا۔ اگر معزز عدالت کا حکم ہو گا تو ڈیفنس کی جانب سے ملزم کے دوست عارف کو گواہی کے لئے عدالت میں پیش کر دیا جائے گا۔''

جج نے اثبات میں گردن ہلائی اور وکیل استغاثہ کی جانب دیکھا۔ مطلب یہی تھا کہ استغاثہ کا اگلا گواہ پیش کیا جائے۔ قبل اس کے کہ وکیل استغاثہ جج کی نگاہ کے اشارے کی تعمیل کرتا' میں نے بہ آواز بلند کیا۔

''یور آنر! اگر معزز عدالت کی اجازت ہو تو میں اس کیس کے انکوائری آفیسر سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔''

جج نے بلا تاخیر اجازت دے دی۔ کسی بھی کیس کے انکوائری آفیسر کو ہر پیشی پر عدالت میں حاضر رہنا پڑتا ہے اور اس کی حیثیت استغاثہ کے گواہ ایسی ہوتی ہے۔ جج کے حکم پر آئی۔ او وٹنس باکس میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ عہدے کے اعتبار سے ایک سب انسپکٹر تھا۔ میں وٹنس باکس کے قریب پہنچا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''تفتیشی افسر صاحب! کیا میں آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں؟''

"بشیر احمد!" اس نے جواب دیا۔

"بشیر صاحب!" میں نے آئی او کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ نے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا تو بڑی باریک بینی سے مطالعہ کیا ہوگا......؟"

"ظاہر ہے۔" اس نے اثبات میں جواب دیا۔ "یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے؟"

"پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق مقتولہ نادرہ کی موت وقوعہ کی رات دس اور بارہ بجے کے دوران میں واقع ہوئی تھی۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟"

"نہیں جناب! آپ بالکل درست فرما رہے ہیں۔"

اس نے جواب دیا۔

"اس رپورٹ سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ موت کے گھاٹ اتارنے سے قبل مقتولہ کو بے آبرو بھی کیا گیا تھا۔" میں نے بدستور گہری سنجیدگی سے کہا۔ "اور جائے وقوعہ پر مقتولہ کی لاش جس لباس میں ملی اس کی حالت بھی یہی بتاتی ہے کہ مجرمانہ حملے کا نشانہ بنانے سے قبل مقتولہ کو زدوکوب بھی کیا گیا تھا......؟"

"جی ہاں...... آپ بجا فرماتے ہیں۔" آئی او نے معاندانہ نظر سے اکیوزڈ باکس میں کھڑے ملزم کی جانب دیکھا۔ "قاتل نے اپنی ہوس کی تسکین کے بعد بڑی بے دردی سے مقتولہ کو موت کے منہ میں دھکیل دیا تھا۔"

"پوسٹ مارٹم رپورٹ میں بڑے واضح الفاظ میں لکھا ہوا ہے کہ مقتولہ کی موت' سانس کی آمد و شد کے منقطع ہونے سے واقع ہوئی تھی۔" میں نے جرح کے سلسلے کو سمیٹتے ہوئے کہا۔ "یعنی مقتولہ کو گلا گھونٹ کر فنا کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں......؟"

"میں......"

اس نے عجیب سی نظر سے میری طرف دیکھا اور بولا۔ "میں بھی وہی کہوں گا جو پوسٹ مارٹم رپورٹ میں لکھا ہے۔"

"جن ماہرین نے پوسٹ مارٹم رپورٹ تیار کی ہے انہوں نے تو باقاعدہ مقتولہ کے جسم کی چیر پھاڑ اور مختلف ٹیسٹ کیے تھے جبھی وہ مقتولہ کی موت کے حوالے سے اس نتیجے میں کامیاب ہو سکے تھے۔" میں نے خاصے تیکھے انداز میں کہا۔ "آپ نے اس سلسلے میں کون سا

انجام دیا تھا......؟"

میرے اس طنزیہ استفسار پر وہ چیں بہ چیں ہوا پھر بڑے فخر سے بولا۔ "میں نے بڑی بھرپور تفتیش کی تھی۔"

"بھرپور تفتیش......"

میں نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔ "کیا آپ اس تفتیش کی تفصیلات معزز عدالت کے سامنے لانا پسند کریں گے؟"

آنے والے پانچ منٹ میں تفتیشی افسر نے اپنی پیشہ ورانہ کارکردگی کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی کوشش کی تو مزید طوالت سے بچنے کے لیے مجھے مجبوراً اسے روکنا پڑا۔

"بشیر صاحب! آپ کی اس محکمہ جاتی تقریر سے میری تشفی نہیں ہوگی اور نہ ہی یہ معزز عدالت کے لیے تسلی بخش ہے۔"

"پھر......"

اس نے سوالیہ نظر سے میری طرف دیکھا۔ "پھر آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"بات میرے چاہنے یا نہ چاہنے کی نہیں ہے آئی او صاحب۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"پھر کس چیز کی بات ہے......؟"

"استغاثہ کے نامکمل اور ادھورے پن کی بات ہے۔"

"کیا مطلب......؟"

اس نے تحیر آمیز نظر سے مجھے دیکھا۔

"میں سمجھتا ہوں۔"

میں نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا۔ "آئی او صاحب! یہ بات آپ کو بھی اچھی طرح معلوم ہوگی کہ جب گلا دبا کر کسی شخص کو موت کے گھاٹ اتارا جاتا ہے تو قاتل کو اچھی خاصی جان ماری کرنا پڑتی ہے۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

"جب قاتل' مقتولہ کا گلا دبانے کے لیے جان ماری کرتا ہے تو اس کی انگلیوں کے واضح نشانات مقتولہ کی گردن کے مختلف حصوں پر گویا "چھپ" جاتے ہیں جنہیں

فنگر پرنٹس یا آسان زبان میں 'ایف پی' کہا جاتا ہے......'' میں نے اپنے مقصد کی جانب بڑھتے ہوئے کہا۔

''مقتولہ نادرہ کو بھی گلا گھونٹ کر موت سے ہمکنار کیا گیا ہے لہٰذا قاتل کے فنگر پرنٹس مقتولہ کی گردن کے مختلف حصوں پر لازماً پائے جانا چاہئیں......'' میں نے لمحاتی توقف کر کے معنی خیز انداز میں یکے بعد دیگرے وکیل استغاثہ اور جج کی طرف دیکھا پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے دوبارہ انکوائری آفیسر کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''بشیر صاحب! استغاثہ کی رپورٹ میں ملزم کے فنگر پرنٹس کا نہ تو کہیں ذکر ہے اور نہ ہی فنگر پرنٹس سے متعلق کوئی رپورٹ موجود ہے۔ آخر یہ کیا ماجرا ہے۔ ذرا اس کی توضاحت فرمائیں......؟''

پہلے تو اس نے گھبراہٹ بھرے انداز میں وکیل استغاثہ کی جانب دیکھا پھر میری طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔

''وہ دراصل اس کی ہم نے ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔''

''ویری گڈ!'' میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

''اتنے بڑے اور اہم ٹیسٹ کی آپ نے ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ آپ کی اس بات سے تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ......'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں یوں اضافہ کیا۔

''قتل کی اس واردات میں آپ کو چشم دید گواہ کا مقام حاصل ہے جب ہی آپ نے مقتولہ کی گردن پر سے فنگر پرنٹس اٹھانے کی زحمت گوارا نہیں کی۔''

میری اس چوٹ کے جواب میں انکوائری آفیسر نے کچھ نہیں کہا اور بوکھلاہٹ آمیز انداز میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

''آئی او صاحب! اس واقعے کی اطلاع آپ کو کب اور کس نے دی تھی؟''

''مقتولہ کے گھر والوں نے تھانے فون کر کے اس واقعے کی اطلاع دی تھی۔'' اس نے بتایا۔ ''وقوعہ کے دوسرے روز صبح کے وقت......''

میں نے انکوائری آفیسر کو مزید ایک دو سوالات کے بعد فارغ کر دیا اور روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے کہا۔

''جناب عالی! مقتولہ کی گردن کے مختلف حصوں سے قاتل کے فنگر پرنٹس نہ اٹھائے جانا ملزم کی انگلیوں کے نشانات سے ان کا موازنہ نہ کرنا استغاثہ کا ایک بنیادی سقم ہے۔ معزز عدالت سے میری درخواست ہے کہ استغاثہ کی اس غفلت نما کوتاہی کو ریکارڈ پر محفوظ کر لیا جائے......دیٹس آل یور آنر!''

عدالت نے میری درخواست کو منظور کرتے ہوئے آئندہ پیشی کے لیے پندرہ دن بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کرنے کا اعلان کر دیا۔

''دی کورٹ از ایڈجارنڈ......''

✧✧✧

استغاثہ کی جانب سے اگلی پیشی پر مقتولہ کا باپ یعقوب علی گواہی کے لیے سب سے پہلے عدالت میں حاضر ہوا۔اس نے سچ بولنے کا حلف اٹھانے کے بعد اپنا بیان ریکارڈ کرا دیا تو وکیل استغاثہ جرح کے لیے وٹنس باکس کے قریب پہنچ گیا۔

یعقوب علی کی عمر پچاس کے آس پاس تھی۔وہ عام سی شکل وصورت کا مالک ایک سیدھا سادا انسان تھا۔وکیل استغاثہ نے مختصر سی جرح کے بعد اسے فارغ کیا تو میں نے جج کی اجازت سے سوال وجواب کا سلسلہ شروع کرنے سے پہلے اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرنا ضروری جانا۔

''یعقوب صاحب! میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔''مجھے آپ کی بیٹی کی الم ناک موت سے گہرا صدمہ ہے لیکن جرح بھی ضروری ہے......''

وہ منہ سے کچھ نہیں بولا' بس گھائل نظر سے مجھے دیکھتا چلا گیا۔

میں نے پوچھا۔''آپ کو کب پتا چلا کہ آپ کی بیٹی کو موت کے گھاٹ اتارا جا چکا ہے؟''

''اس کی گمشدگی کی اگلی صبح......''

''گمشدگی......''میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔''کیا مطلب؟''

''نادرہ اپنی سہیلی صوفیہ سے ملنے اس کے گھر گئی تھی۔''وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔''یہ وقوعہ والی رات کی بات ہے۔وہ پہلے بھی صوفیہ سے ملنے جاتی رہتی تھی۔دونوں میں گہری دوستی تھی۔صوفیہ بھی اکثر وبیشتر نادرہ سے ملنے آتی رہتی تھی......''وہ سانس ہموار کرنے کے لیے متوقف ہوا پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

''وقوعہ کی رات جب نادرہ واپس نہیں آئی تو ہمیں تشویش ہوئی۔وہ ہماری اکلوتی اولاد

...ں نے اپنی بیوی سلطانہ سے گھر میں رکنے کو کہا اور خود نادرہ کو دیکھنے صوفیہ کی طرف چلا ...ا ...وفیہ کا گھر دو گلیوں کے فاصلے پر ہے۔جب میں نے صوفیہ سے نادرہ کے بارے میں ...ماشہ کیا تو اس نے بتایا کہ نادرہ لگ بھگ دس بجے رات اس کے گھر سے واپس چلی گئی ...ی۔''

''پھر......پھر آپ نے کیا کیا؟''میں نے پوچھا۔

''ہم رات بھر نادرہ کو ادھر اُدھر تلاش کرتے رہے۔''اس نے بتایا۔''اپنے علاقے میں ...ہر بھر میں جہاں جہاں بھی ہمارے رشتے دار تھے'ہم نے فون کے ذریعے اور خود جا کر بھی ...ارہ کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کی' لیکن ہر جگہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔تھک ہار ...ر صبح ہم نے تھانے میں اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرا دی۔پولیس موقع پر پہنچی اور پھر ...یکھتے ہی دیکھتے پولیس والوں نے زیر تعمیر عمارت میں سے نادرہ کی لاش برآمد کر لی۔''

''دیکھتے ہی دیکھتے......''میں نے یعقوب کے کہے ہوئے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔''کیا پولیس والوں نے کوئی جادو منتر کیا تھا جو انہیں پتا چل گیا کہ نادرہ کی لاش زیر تعمیر عمارت کے اندر سے دستیاب ہو سکتی ہے......؟''

''نہیں جناب' جادو ٹونا تو نہیں کیا تھا۔وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔''اس سلسلے میں دو افراد کے بیانات نے پولیس کی بھرپور مدد کی تھی۔''

''دو افراد......''میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔''کون دو افراد؟''

''صوفیہ اور بشارت مرزا۔''یعقوب نے جواب دیا۔

''صوفیہ تو نادرہ کی سہیلی ہے۔''میں نے الجھن زدہ انداز میں کہا۔''یہ اثبات مرزا کون ہے......؟''پھر میں نے ایک فوری خیال کے تحت استغاثہ کے گواہوں کی فہرست پر نگاہ ڈالی اور خود کلامی کے انداز میں کہا۔''اس شخص کا نام تو گواہوں کی فہرست میں بھی شامل ہے۔''

''جی ہاں۔''یعقوب نے اثبات میں گردن ہلائی اور وضاحت کرتے ہوئے بولا۔

''بشارت مرزا کا مکان' زیر تعمیر عمارت کی عقبی جانب واقع ہے یعنی دونوں گھروں کی پشت آپس میں ملی ہوئی ہے۔یہ بندہ پراپرٹی کا کام کرتا ہے اور گھر میں اکیلا ہی رہتا ہے۔''

مجھے کرید ہوئی تو میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔''یعقوب علی! اس بندے نے پولیس کی کس انداز میں بھرپور مدد کی تھی؟''

"وہ بات دراصل یہ ہے جناب کہ......" وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ "پولیس نے ہمارے گھر پہنچ کر جب تفتیش کا آغاز کیا تو صوفیہ کا نام سامنے آیا۔ پولیس نے صوفیہ سے پوچھ گچھ کی اور پندرہ بیس منٹ کی "محنت" کے بعد صوفیہ سے یہ اگلوا لیا کہ وقوعہ کی رات نادرہ اور ملزم کاشف کو زیر تعمیر عمارت میں ملاقات کرنا تھی۔ یہ ایک بہت بڑا انکشاف تھا۔ ملزم کاشف کی گرفتاری بھی صوفیہ کے اسی بیان کا نتیجہ تھی لیکن یہ دوپہر کے بعد کا واقعہ ہے۔ اس سے پہلے پولیس نے زیر تعمیر عمارت کے اندر سے نادرہ کی لاش برآمد کر لی تھی۔"

"معزز عدالت یہی تو جاننا چاہ رہی ہے۔" وہ لمحے بھر کے لیے تھما تو میں نے سوال داغ دیا۔ "پولیس نے زیر تعمیر عمارت کا رخ کیسے کیا تھا؟"

"میں وہی بتانے جا رہا ہوں جناب۔" وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔ "صوفیہ کے بیان پر یہ بات بھی کھل کر سامنے آ گئی تھی کہ نادرہ اور کاشف رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھا کر زیر تعمیر عمارت میں ملاقاتیں کیا کرتے تھے۔ اس نشاندہی پر پولیس نے فوراً مذکورہ عمارت کی تلاشی لی اور پھر انہیں نادرہ کی لاش دریافت کرنے میں کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ بعدازاں......" وہ سانس درست کرنے کے لیے رکا تو میں منتظر نظر سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

"بعدازاں جب پولیس نے آس پاس کے لوگوں سے پوچھ گچھ شروع کی تو بشارت مرزا نے گواہی دی کہ وقوعہ کی رات اس نے ملزم کو افراتفری کے عالم میں زیر تعمیر عمارت میں سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے مقتولہ کے باپ کی وضاحت کے بعد اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے پوچھا۔

"کیا آپ نے اپنی بیٹی کی سہیلی صوفیہ سے یہ نہیں پوچھا کہ اس نے مقتولہ اور ملزم کی محبت والے معاملے کو آپ سے کیوں چھپائے رکھا، خصوصاً زیر تعمیر عمارت کے اندر ملاقاتوں کے سلسلے کے بارے میں۔"

"پوچھا تھا۔" وہ ایک مضمحل سی سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ "وہ آئیں بائیں شائیں کر کے رہ گئی تھی۔ اس نے دانستہ ان کی ملاقاتوں والا راز ہم سے چھپایا تھا۔ وہ نادرہ کی سہیلی تھی اس لیے اس نے اس معاملے کو آؤٹ نہیں کیا تھا۔"

"یعقوب صاحب! میں نے جرح کے سلسلے کو سمیٹتے ہوئے گواہ سے سوال کیا۔" اب یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ آپ لوگوں کو مقتولہ اور ملزم کے تعلقات کا علم، مقتولہ کی موت سے بہت پہلے ہو گیا تھا جب ملزم نے ایک خط لکھ کر آپ کو بتایا تھا کہ وہ مقتولہ سے شادی کا خواہاں ہے اور وہ دونوں ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں......؟"

"آپ غلط نہیں کہہ رہے۔" اس نے جواب دیا۔

"لیکن خط کے حوالے سے بہت سی غلط فہمیاں ہیں......"

"کیسی غلط فہمیاں؟" میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "ملزم کا دعویٰ ہے کہ اس نے خط نادرہ کی منگنی اور شادی کی تاریخ طے ہو جانے سے پہلے لکھا تھا اور اس میں اپنی اور نادرہ کی باہم پسندیدگی کا ذکر کیا تھا جبکہ ہمارے مطابق وہ خط نادرہ کی شادی کی بات پکی ہونے کے بعد موصول ہوا تھا جس میں ملزم نے ہمیں دھمکی دی تھی کہ اگر ہم نے نادرہ کی شادی اس کے ساتھ نہیں کی تو ہمیں خطرناک نتائج کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

"ایک منٹ......" میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔ "ملزم نے اپنے خط کے ذریعے آپ لوگوں کو کس نوعیت کے خطرناک نتائج کی دھمکی دی تھی؟"

"یہی کہ......اگر ہم نے اس کی خواہش پوری نہیں کی تو وہ کوئی بھی سنگین قدم اٹھانے پر مجبور ہو سکتا ہے۔" استغاثہ کے گواہ یعقوب نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔

"مثلاً نادرہ کا اغوا اور کورٹ میرج وغیرہ......"

"کیا واقعی یہ دھمکی دار باتیں اس خط میں لکھی ہوئی تھیں؟" میں نے حیرت سے آنکھیں پھیلاتے ہوئے سوال کیا۔ "یعقوب صاحب! کیا آپ نے خود وہ خط پڑھا تھا؟"

"نہیں جناب!" وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "میں لکھنا پڑھنا نہیں جانتا۔ وہ خط میری بیوی سلطانہ نے مجھے پڑھ کر سنایا تھا۔"

میں نے مزید دو چار سوالات کے بعد جرح ختم کر دی۔

استغاثہ کی جانب سے اگلا گواہ مقتولہ کی والدہ سلطانہ تھی۔ سلطانہ نے سچ بولنے کا حلف اٹھانے کے بعد اپنا بیان ریکارڈ کرایا۔ وکیل استغاثہ نے رسمی سی جرح کے بعد سلطانہ کو فارغ کر دیا تو جج کی اجازت حاصل کرنے کے بعد میں وٹنس باکس کے قریب چلا گیا۔

سلطانہ ایک ادھیڑ عمر اور فربہ اندام عورت تھی۔اس کی آنکھوں کی حرکات سے ظاہر ہوتا
تھا کہ وہ بہت ہی چنٹ اور تیز طرار عورت ہے۔جب وہ اپنا حلفیہ بیان ریکارڈ کرا رہی تھی تو
انداز تکلم سے بھی یہی اندازہ ہوتا تھا کہ ایک زبان دراز منہ پھٹ عورت تھی۔

سلطانہ نے اپنا بیان دیتے ہوئے عدالت کو بتایا تھا کہ ملزم ایک آوارہ اور لفنگا شخص
تھا۔وہ ہاتھ دھو کر اس کی بیٹی کے پیچھے پڑ گیا تھا اور ہر وقت اسے ورغلانے کی کوشش کرتا رہتا
تھا۔نادرہ پوری طرح اس کی مٹھی میں تھی۔اس دوران میں جب انہوں نے مقتولہ نادرہ کی منگنی
اس کے کزن فیصل کے کر دی تو ملزم چراغ پا ہو گیا اور مقتولہ کی شادی کی تاریخ طے ہو جانے
کے بعد تو ملزم نے انہیں ایک خطرناک دھمکی بھرا خط لکھ مارا تھا۔اس نے واضح الفاظ میں
ہمیں یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ اگر ہم نے نادرہ کی شادی اس کے کزن سے کرنے کی
کوشش کی تو ہمیں بڑے بھیانک نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔وغیرہ وغیرہ......"

میں نے جرح کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔"سلطانہ صاحبہ! میں آپ سے یہ بحث
نہیں کروں گا کہ ملزم نے وہ دھمکی والا خط مقتولہ کی شادی کی تاریخ طے ہو جانے کے بعد لکھا
تھا یا بہت پہلے میں......"

"جناب! اس بات میں کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں کہ اس نے خطرناک نتائج کی
دھمکی والا خط شادی کی تاریخ طے ہو جانے کے بعد لکھا تھا۔" وہ قطع کلامی کرتے ہوئے تیز
لہجے میں بولی اور ناپسندیدہ انداز میں ملزم کو گھورنے لگی۔

مجھے یہ سمجھنے میں کوئی دشواری محسوس نہ ہوئی کہ وہ میرے مؤکل سے شدید نوعیت کی
نفرت کرتی تھی۔میں نے اس کی قطع کلامی کا برا منائے بغیر معتدل لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے' میں آپ کی بات کو تھوڑی دیر کے لیے درست مان لیتا ہوں۔ملزم نے
آپ لوگوں کو ویسا ہی خط لکھا ہو گا جیسا آپ نے اپنے بیان میں حلفیہ ریکارڈ کرایا ہے۔کیا
آپ مذکورہ خط کو معزز عدالت میں پیش کر سکتی ہیں......؟"

پھر سلطانہ کا جواب سنے بغیر میں نے جج کی جانب دیکھا اور نہایت سنجیدگی کے ساتھ
کچھ اس طرح اضافہ کیا۔

"جناب عالی! پچھلی پیشی پر میری درخواست کو درست جانتے ہوئے معزز عدالت نے
استغاثہ کو اس بات کی تاکید کی تھی کہ وہ اس پیشی پر ملزم کے لکھے ہوئے خط کو عدالت میں پیش

کرے......"

جج نے اپنی میز پر پھیلے ہوئے کاغذات پر ایک نگاہ ڈالی پھر وکیل استغاثہ کی جانب
دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔"وکیل صاحب' کیا متذکرہ خط عدالت میں پیش کر دیا گیا ہے؟"

"نہیں جناب عالی!" وکیل استغاثہ نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بے بسی سے
کہا۔"بدقسمتی سے وہ خط ضائع ہو چکا ہے۔"

جج کی پیشانی پر ناگواری کے تاثرات نمودار ہوئے پھر اس نے مجھ سے مخاطب ہوتے
ہوئے کہا۔"بیگ صاحب! پلیز پروسیڈ......"

میں استغاثہ کی معزز گواہ اور مقتولہ کی والدہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔"سلطانہ صاحبہ! میں
نے بڑی کراری آواز میں اسے مخاطب کیا۔"ملزم کے بھیجے ہوئے خط کے ضائع ہونے کی
ہسٹری کیا ہے؟"

"وہ جناب! وہ جناب!" وہ سنبھلتے ہوئے بولی۔"وہ ایسا بے ہودہ اور واہیات خط
تھا کہ میں نے نادرہ کے ابا کو پڑھ کر سنایا پھر پرزے پرزے کر کے اسے چولہے میں ڈال
دیا تھا۔"

"خط گیا چولہے میں۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اب اس بات کا فیصلہ کرنا ممکن نہیں رہا کہ ملزم نے اس خط میں کیا لکھا تھا
بہر حال......" میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر جرح کے سلسلے کو آگے
بڑھاتے ہوئے کہا۔

"سلطانہ صاحبہ! آپ نے ابھی اپنا بیان ریکارڈ کراتے ہوئے معزز عدالت کو بتایا ہے
کہ ملزم ہاتھ دھو کر آپ کی بیٹی نادرہ کے پیچھے پڑ گیا تھا اور بسا اوقات مقتولہ کو ورغلانے کی
کوشش کرتا رہتا تھا۔آپ نے یہاں تک بھی کہا کہ مقتولہ پوری طرح ملزم کی مٹھی میں
تھی۔اس سے تو یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ مقتولہ ملزم کو پسند کرتی تھی اور اس کے
ساتھ شادی کر کے ایک پرسکون زندگی گزارنا چاہتی تھی۔کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"آپ غلط نہیں کہہ رہے' صورت حال کچھ ایسی ہی تھی۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا
پھر خوشگوار انداز میں کاشف محمود کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔"میری بچی تو معصوم اور نادان
تھی۔اس شیطان نے اسے پوری طرح اپنے چنگل میں جکڑ رکھا تھا۔وہ اس کے ہاتھ میں

کھلونا بنی ہوئی تھی اور ہماری نصیحت پر بالکل کان نہیں دھرتی تھی۔اس منحوس نے پتا
نہیں،میری بچی کے ذہن میں کیسا زہر بھر دیا تھا کہ وہ اس کے اشاروں پر ناچنے لگی تھی۔یہ
کسی درندے سے کم نہیں......"بات ادھوری چھوڑ کر سلطانہ نے بڑے غضب ناک انداز
میں کاشف کی جانب انگلی سے اشارہ کر دیا اور پھر جذباتی بیان کو جاری رکھتے ہوئے بولی۔

"اس بدبخت کی نیت شروع ہی سے ٹھیک نہیں تھی۔"اس نے ایک مرتبہ پھر
اکیوزڈ باکس میں کھڑے ملزم کاشف محمود کی طرف اشارہ کیا۔"اس نے بڑی صفائی سے نادرہ
کو غلط راستے پر ڈال دیا تھا۔ہم نے اس کی اوچھی حرکتوں سے تنگ آ کر ہی نادرہ کی فیصل
سے منگنی کر دی تھی اور پھر شادی کی تاریخ بھی طے کر دی تھی۔جب اس کمینے کو محسوس ہوا کہ
نادرہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کے ہاتھ سے نکلنے والی تو اس نے دھوکے بہانے سے اسے
زیر تعمیر عمارت میں بلایا اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے بعد میری بچی کو موت کے گھاٹ اتار
دیا۔ ہمارا ہنستا بستا گھر اجڑ گیا۔"وہ روہانسی ہو گئی۔"یہ درندہ سخت سے سخت سزا کا حق دار
ہے۔میں تو کہتی ہوں اس مردود کو سرعام پھانسی دی جائے۔"

میں نے اس کی جذباتی تقریر کے جواب میں ایک لفظ نہیں کہا۔جب وہ قدرے
معتدل ہوئی تو میں نے پوچھا۔

"سلطانہ صاحبہ! جب یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ ملزم،مقتولہ کو کسی غلط راہ پر چلا رہا ہے تو
پھر آپ لوگوں نے اپنی بیٹی کی آمدورفت کا تنقیدی جائزہ کیوں نہیں لیا۔یہ کوئی ڈھکی چھپی بات
نہیں کہ مقتولہ کی سہیلی صوفیہ کا گھر ملزم کے گھر کے ساتھ جڑا ہوا ہے آپ کو چاہیے تھا کہ آپ
مقتولہ کو صوفیہ کے گھر جانے سے روک دیتے۔آپ نے ایسا کیوں نہیں کیا؟"

"ہم نے اسے روکا تھا،بہت روکا تھا۔"وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔"اور
نادرہ بڑی حد تک باز بھی آ گئی تھی لیکن وقوعہ کی رات پتہ نہیں،وہ کس وقت نکل گئی۔مجھے صبح
سے بخار تھا۔ڈاکٹر نے ملیریا بتایا تھا۔میں رات کو جلدی سو گئی تھی اور......"وہ سانس درست
کرنے کے لیے تھمی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

"اور...... یہ بات تو نادرہ کی موت کے بعد کھلی ہے کہ ملزم کے ساتھ وہ زیر تعمیر عمارت
میں ملاقاتیں کرتی تھی۔صوفیہ نے اگر ہمیں پہلے بتایا ہوتا تو شاید یہاں تک نوبت ہی نہیں
آتی۔صوفیہ ہمیں اندھیرے میں رکھ کر نادرہ سے اپنی دوستی نبھاتی رہی اور...... اور......"اس کی

آواز رندھ گئی۔

"صوفیہ نے آپ لوگوں کو اندھیرے میں رکھ کر نادرہ سے دوستی نبھائی۔"میں نے ایک
ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔"جس کے نتیجے میں بالآخر نادرہ موت کے
منہ میں چلی گئی۔سلطانہ صاحبہ! آپ کے خیال میں کیا صوفیہ کو بھی کوئی سزا نہیں ملنی چاہیے؟"

"ہاں،ضرور ملنی چاہیے۔"وہ بے ساختہ بولی۔

"صوفیہ کو بھی ضرور کوئی سزا ملنی چاہیے۔"میں نے وکیل استغاثہ کے الفاظ دہرائے پھر
دوبارہ استغاثہ کی گواہ کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"سلطانہ صاحبہ!"میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔"آپ نے
ملزم کے خط کو چولہے میں ڈال کر ایک جیتا جاگتا ثبوت جلا کر خاکستر کر دیا۔کیا آپ معزز
عدالت کو بتانا پسند کریں گی کہ وہ خط کس کس نے پڑھا تھا؟"

"میں نے اور نادرہ نے۔"اس نے ترت جواب دیا۔"اور نادرہ کے ابا کو میں نے خود
پڑھ کر سنایا تھا۔"

"خط نذر آتش ہو چکا اور نادرہ زمین اوڑھ کر سو گئی ہے۔"میں نے سلطانہ کے چہرے
کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔"کیا آپ کسی ایسے شخص کو گواہی کے لیے عدالت
میں پیش کر سکتی ہیں جس نے آپ لوگوں کے علاوہ خط پڑھا ہو؟"

"آبجیکشن یور آنر!"وکیل استغاثہ نے نیم احتجاجی انداز میں آواز بلند کی۔"استغاثہ کی
معزز گواہ دوٹوک الفاظ میں معزز عدالت کے روبرو بتا چکی ہے کہ مذکورہ خط کے بارے میں
صرف گھر کے انہیں تین افراد کو علم تھا۔وکیل صفائی الٹے سیدھے سوالات کر کے خواہ مخواہ گواہ کو
کنفیوز کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔انہیں اس قسم کی حرکت سے باز رہنے کی تاکید کی
جائے......؟"

"بیگ صاحب!"وکیل استغاثہ کے زخموں پر مرہم لگاتے ہوئے جج نے مجھ سے
کہا۔"کیا استغاثہ کی گواہ سلطانہ کے جواب سے صورت حال واضح نہیں ہو جاتی......؟"

"الس او کے یور آنر۔"میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا اور دوبارہ گواہ کی
طرف متوجہ ہو گیا۔

"سلطانہ صاحبہ!"میں نے اپنی جرح میں تندی بھرتے ہوئے کہا۔"آپ نے بڑے

زوردار انداز میں معزز عدالت کے سامنے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ملزم نے نہایت ہی چال بازی سے آپ کی بیٹی نادرہ کو ورغلا رکھا تھا اور گاہے بہ گاہے مقتولہ کے ذہن میں زہر بھر کر اسے آپ لوگوں سے متنفر کرتا رہتا تھا۔کیا آپ اس الزام کے سلسلے میں کوئی ٹھوس ثبوت یا غیر جانبدار گواہ عدالت میں پیش کرسکتی ہیں؟"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہے۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔" ابھی آپ نے جو کچھ فرمایا' یہ آپ کا ذاتی خیال ہے لیکن ملزم کا دعویٰ اس سے قطعی مختلف بلکہ اس کے برعکس ہے۔ اس کے مطابق مقتولہ اس سے سچی محبت کرتی تھی اور اس سے شادی کی خواہاں تھی لیکن آپ لوگوں کی مخالفت نے انہیں ایک نہیں ہونے دیا۔آپ نے مقتولہ کی منگنی اس کے کزن سے کر دی اور مقتولہ اس شادی کے قطعاً تیار نہیں تھی۔وہ ملزم کے ساتھ کہیں بھاگ جانا چاہتی تھی مگر ملزم نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا پھر......آپ کی بیٹی کو قتل کر دیا گیا۔"

"یہ وہ کہانی ہے' جو ملزم نے آپ کو سنائی ہے۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔" جبکہ حقیقت وہی ہے جو میں نے ابھی بیان کی ہے......"

"اور اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے آپ کے پاس کوئی معتبر گواہ نہیں ہے۔" میں نے ترکی بہ ترکی جواب میں کہا۔

"شاید آپ کو معلوم نہیں کہ عدالت کسی بھی بات کی صحت جاننے کے لیے ٹھوس ثبوت مانگتی ہے......" لمحاتی توقف کر کے میں نے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"ملزم کا لکھا ہوا خط آپ نے نذر آتش کر دیا۔ملزم کی ذات سے دیگر شکایات کے حوالے سے آپ کے پاس کوئی شہادت نہیں ہے۔علاوہ ازیں' آپ ایسا کوئی بھی ٹھوس ثبوت عدالت میں پیش نہیں کرسکیں جو ملزم کو آپ کی بیٹی کا قاتل ثابت کرتا ہو......" میں نے روئے سخن جج کی جانب موڑا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یور آنر! تمام حالات اور واقعات معزز عدالت کے سامنے ہیں۔مجھے استغاثہ کی گواہ سلطانہ سے اور کچھ نہیں پوچھنا۔"

اس کے ساتھ ہی معزز عدالت کا وقت مقررہ ختم ہو گیا۔جج نے دس روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کر دی۔

✧✧✧

منظر اسی عدالت کا تھا اور گواہوں والے کٹہرے میں استغاثہ کی ایک اہم گواہ اور مقتولہ کی رازدار سہیلی صوفیہ کھڑی تھی۔صوفیہ کی عمر تیس سال کے درمیان نظر آتی تھی۔وہ پرکشش خدوخال کی مالک ایک دبلی پتلی اور سانولی سلونی لڑکی تھی۔

سچ بولنے کا حلف اٹھانے کے بعد اس نے اپنا بیان ریکارڈ کراتے وقت معزز عدالت کو بتایا کہ وہ مقتولہ نادرہ کو بچپن سے جانتی تھی۔دونوں نے ایک ہی سکول میں تعلیم حاصل کی تھی اور یہ کہ نادرہ اس کی رازدار سہیلی تھی۔وہ صوفیہ سے اپنی کوئی بات چھپاتی نہیں تھی۔صوفیہ نے اپنے بیان میں اس بات کا کھلم کھلا اقرار کیا کہ وہ مقتولہ اور ملزم کی محبت کے معاملات سے بخوبی آگاہ تھی۔ان دونوں کی زیر تعمیر عمارت میں ہونے والی خفیہ ملاقاتوں سے بھی اچھی طرح واقف تھی۔صوفیہ نے عدالت کو بتایا کہ اپنی موت سے چند دن پہلے نادرہ بہت پریشان اور الجھی ہوئی رہنے لگی تھی اور اس کا سبب یہ تھا کہ اس کے گھر والوں نے اس کے کزن فیصل سے اس کی شادی کی تاریخ پکی کر دی تھی۔وقوعہ کے روز بھی مقتولہ پہلے صوفیہ کے گھر آئی تھی اور پھر وہاں سے زیر تعمیر عمارت میں ملزم سے ملاقات کرنے چلی گئی تھی۔اس کے علاوہ اس قتل کی واردات کے بارے میں وہ اور کچھ نہیں جانتی تھی۔

صوفیہ کا بیان مکمل ہوا تو وکیل استغاثہ جرح کے لیے وٹنس باکس کے قریب چلا گیا۔اس نے گواہ کو مخاطب کرتے ہوئے اپنی جرح کا آغاز کیا۔

"صوفیہ صاحبہ! آپ اس بات کی گواہ ہیں نا کہ ملزم اور مقتولہ کے درمیان بڑا دھانسو قسم کا عشق چل رہا تھا اور وہ دونوں دنیا والوں کی نظروں سے چھپ کر رات کی تاریکی میں چوری چوری ملاقاتیں کیا کرتے تھے......؟"

"جی ہاں یہ بات بالکل درست ہے۔" اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔" اور میں اس کی حلفیہ گواہی دے چکی ہوں۔"

"کیا یہ بھی درست ہے کہ مقتولہ کو جب بھی ملزم سے ملاقات کرنا ہوتی تھی وہ آپ سے ملنے کا بہانہ کر کے گھر سے نکلتی تھی؟" وکیل استغاثہ نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" صوفیہ نے سر کو اثباتی جنبش دی۔" وہ صرف ملزم سے ملاقات کرنے ہی نہیں بلکہ ویسے بھی مجھ سے ملنے میرے گھر آتی رہتی تھی۔"

"وقوعہ کے روز بھی وہ ملزم سے ملنے کے لیے ہی آپ کے پاس آئی تھی۔" وکیل استغاثہ

نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معتدل انداز میں کہا۔"اس کے بعد سے تم نے اپنی سہیلی کو زندہ نہیں دیکھا......؟"

"جی ہاں......یہی حقیقت ہے۔"صوفیہ نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

وکیل استغاثہ نے مزید چند سوالات کے بعد جرح موقوف کر دی۔

جج نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔"بیگ صاحب! آپ استغاثہ کی گواہ سے کوئی سوال کرنا چاہیں گے؟"

میں نے اثبات میں گردن ہلائی اور اٹھ کر وٹنس باکس کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور اپنی جرح کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

"صوفیہ صاحبہ! آپ نے معزز عدالت کو تھوڑی دیر پہلے بیان دیتے ہوئے بتایا ہے کہ مقتولہ آپ کی بچپن کی دوست تھی۔ آپ دونوں نے اسکول میں ایک ساتھ پڑھا اور ایک دوسرے کی رازدار تھیں۔ آپ مقتولہ اور ملزم کی عشقیہ داستان سے بھی اچھی طرح واقف تھیں اور انہیں چوری چھپے ملاقاتوں کے لیے مواقع بھی فراہم کرتی تھیں۔ میں کچھ غلط تو نہیں کہہ رہا......؟"

"نہیں جناب! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"اس نے مختصر جواب دیا۔

"کیا یہ بات درست ہے کہ مقتولہ ملزم کو دل وجان سے پسند کرتی تھی اور اس سے شادی کی خواہاں تھی؟"

"جی ہاں...... یہ بات درست ہے۔"اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"اور کیا یہ بھی درست ہے کہ ملزم نے اپنی پسند کے حوالے سے خط کے ذریعے مقتولہ کے والدین کو آگاہ کر دیا تھا؟"میں نے جرح کے سلسلے میں تیزی لاتے ہوئے پوچھا۔

"خط کا تو مجھے کوئی علم نہیں۔"وہ ہچکچاہٹ آمیز انداز میں بولی۔"البتہ یہ بات میں وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ نادرہ کے والدین تک ان کی محبت کا معاملہ ضرور پہنچ چکا تھا اور وہ ان دونوں کی شادی کے سخت خلاف تھے۔"

خط کے ذکر پر اس کی ہچکچاہٹ کو دیکھتے ہوئے میں نے وضاحت ضروری سمجھی اور کہا۔"میں اس خط کے بارے میں پوچھ رہا ہوں جو ملزم کے مطابق ایک درخواست کی حیثیت رکھتا تھا کہ وہ مقتولہ سے شادی کرنا چاہتا ہے جبکہ مقتولہ کی والدہ کے مطابق وہ ایک

ل آمیز خط تھا جس میں ملزم نے انہیں خطرناک نتائج سے ڈرانے کی کوشش کی تھی۔"

"میں ایسے کسی خط کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔"وہ نظر چراتے ہوئے بولی۔

مجھے یہ اندازہ لگانے میں قطعاً کوئی دشواری نہ ہوئی کہ وہ مذکورہ خط کے حوالے سے ات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ مقتولہ کو اس خط کی خبر ہو اور اس نے اپنی رازدار لی صوفیہ کو نہ بتایا ہو۔ صوفیہ کے رویے سے واضح ہوتا تھا کہ وہ مقتولہ کی ماں سے تعاون کی لی پر کاربند تھی۔ اس سے ایک بات کھل کر سامنے آجاتی تھی کہ خط کے معاملے میں ملزم کا ؤقف ہی درست تھا۔

"خط کو تو مقتولہ کی والدہ نے پرزے پرزے کر کے چولہے میں ڈال دیا تھا لہٰذا اس ے ذکر پر مٹی ڈالتے ہوئے ہم آگے بڑھتے ہیں۔"میں نے سرسری انداز میں کہا۔ پھر تغاثہ کی گواہ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"اس امر کی تو آپ تصدیق کرتی ہیں نا کہ مقتولہ اور ملزم ایک دوسرے کی محبت میں گردن گردن تک دھنس چکے تھے اور ان کی اولین خواہش یہی تھی کہ وہ جلد از جلد شادی کر لیں......؟"

"جی ہاں' ایسے ہی حالات تھے۔"

"مگر مقتولہ کے والدین ملزم کو ناپسند کرتے تھے۔"میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔"لہٰذا انہوں نے پہلی فرصت میں نہ صرف یہ کہ مقتولہ کی منگنی اس کے کزن فیصل سے کر دی بلکہ ایک ماہ کے بعد ان کی شادی کی تاریخ بھی مقرر کر دی تھی؟"

صوفیہ نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے جواب دیا۔"جی ہاں۔"

"فیصل سے شادی کی تاریخ طے ہونے پر مقتولہ سخت پریشان ہو گئی تھی۔"میں نے کہا۔"اس موقع پر ملزم کا کیا ردعمل تھا؟"

"جہاں تک میری معلومات ہیں' ملزم کو یہ سن کر بہت دکھ ہوا تھا۔"

"آپ کی معلومات کا ذریعہ کیا ہے؟"

"مجھے سب کچھ مقتولہ کی زبانی پتا چلا تھا۔"اس نے جواب دیا۔

"ملزم کو صرف دکھ ہوا تھا یا اس نے کسی شدید ردعمل کا اظہار کیا تھا؟"میں نے پوچھا۔

اس نے میری توقع کے برخلاف اور ملزم کی حمایت میں جواب دیا۔"ملزم نے کسی منفی

ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔ الٹا اس نے مقتولہ کو سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ والدین کی خواہش کے سامنے سر جھکا دے۔"

"پھر ملزم کی اس نصیحت پر مقتولہ نے کیا جواب دیا تھا؟"

"مقتولہ اپنے کزن فیصل کو سخت ناپسند کرتی تھی۔" گواہ نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔ "ملزم کی بزدلانہ پالیسی کے باعث وہ مجبور ہو گئی تھی۔ ورنہ وہ تو ایک سنگین قدم اٹھانے کو بھی تیار تھی......"

"صوفیہ صاحبہ! میں نے نہایت ہی نرمی کے ساتھ اسے مخاطب کیا۔ "معزز عدالت یہ جاننا چاہتی ہے کہ مقتولہ کس نوعیت کا سنگین قدم اٹھانے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ وہ آپ کی رازدار سہیلی تھی۔ یہ ممکن نہیں کہ آپ اس کے ارادے سے واقف نہ ہوں......"

"وہ ملزم کے ساتھ گھر سے بھاگنے کا پروگرام بنا رہی تھی۔" صوفیہ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتایا۔ "اس نے وقوعہ کے روز مجھے بتایا تھا کہ وہ اپنی خواہش کے بارے میں آج رات ملزم کو بتائے گی اور اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کرے گی کہ وہ لوگ گھر سے بھاگ کر کورٹ میرج کر لیتے ہیں۔ بعد میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"مقتولہ کے اس باغیانہ منصوبے پر ملزم نے کس ردعمل کا اظہار کیا تھا؟" میں نے استفسار کیا۔

"اس بارے میں مجھے معلوم نہیں۔" وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ "وقوعہ کی رات جب مقتولہ میرے گھر سے رخصت ہوئی تو پھر اس کے بعد میری اس سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اگلی صبح مجھے پتا چلا کہ اسے قتل کر دیا گیا ہے۔"

"آپ کی مقتولہ سے ملاقات نہیں ہو سکی، لیکن میں آپ کو یہ بتاتا ہوں کہ وقوعہ کی رات مقتولہ نے ملزم کے سامنے اپنی تجویز رکھی تھی، مگر ملزم نے ایسی حماقت سے صاف انکار کرتے ہوئے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی اور پھر اسے زیرِ تعمیر عمارت میں چھوڑ کر وہ اپنے دوستوں کی طرف چلا گیا تھا۔ جب ملزم مقتولہ سے رخصت ہوا تو وہ زندہ سلامت اور ٹھیک ٹھاک تھی۔"

وہ لاتعلقی سے انداز میں بولی۔ "ہو سکتا ہے ایسا ہی ہوا ہو۔"

"صوفیہ صاحبہ! آپ کو مقتولہ اور ملزم کے عشقیہ مراسم کی پل پل کی خبر تھی۔" میں نے

ا... ے جارحانہ انداز میں سوال کیا۔ "جب آپ کو یہ صاف نظر آ رہا تھا کہ ان کے ایک ... ے کے امکانات نہیں ہیں اور مقتولہ کی اس کے کزن سے شادی کی تاریخ بھی طے ہو چکی ... تو ایسی صورت حال میں جب مقتولہ نے گھر سے بھاگ جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ کا ... ض بنتا تھا، آپ فوری طور پر مقتولہ کے والدین کو اس کے خطرناک منصوبے سے آگاہ ... رتیں۔ آپ نے اس معاملے کو کیوں چھپائے رکھا۔ ہو سکتا ہے، آپ اس بات کو کھول دیتیں ... مقتولہ جان سے نہ جاتی......"

"موت کا ایک وقت مقرر ہے وکیل صاحب!" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ "میرے اس معاملے کو کھولنے یا چھپانے سے وہ وقت بدل نہیں سکتا تھا اور جہاں تک آپ کے سوال کا تعلق ہے تو میری زبان نہ کھلنے کا سبب یہ تھا کہ مقتولہ نے اس سلسلے میں مجھے بڑی پکی قسم دے رکھی تھی۔"

"کیا مقتولہ کی وہ قسم اس کی زندگی سے زیادہ اہم تھی؟" میں نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔" وہ قطعیت سے بولی۔ "اگر مجھے پتا ہوتا کہ وقوعہ کی رات میری سہیلی کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا تو میں کبھی اور کسی قیمت پر اسے زیرِ تعمیر عمارت میں نہ جانے دیتی اور اگر وہ زبردستی ملزم سے ملنے کی ضد کرتی تو میں فی الفور اس کے والدین کو صورت حال سے آگاہ کر دیتی۔"

"ٹھیک ہے...... اپنی سہیلی مرحوم نادرہ کے لیے میں آپ کے دلی جذبات کی قدر کرتا ہوں۔" میں نے معتدل انداز میں کہا پھر پوچھا۔ "آپ کے خیال میں مقتولہ اور ملزم کے درمیان یہ پیار و محبت کا سلسلہ کتنے عرصے سے چل رہا تھا؟"

"لگ بھگ ایک سال سے۔" اس نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔

"ایک سال اچھا خاصا عرصہ ہوتا ہے۔" میں نے آنکھیں پھیلاتے ہوئے کہا۔ "مقتولہ آپ کی گہری اور رازدار سہیلی تھی۔ وہ اپنے اور ملزم کے مابین ہونے والی پیار بھری باتوں کے بارے میں یقیناً آپ کو بتاتی ہو گی؟"

"جی ہاں، وہ مجھ سے ہر بات شیئر کرتی تھی۔" وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ "جبھی تو میں یقین کے ساتھ کہہ رہی ہوں کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو بڑی شدت کے ساتھ چاہتے تھے۔"

''مقتولہ ملزم کے مزاج' عادات اور عمومی رویے کا بھی ذکر کرتی ہو گی۔''میں نے بڑی ہوشیاری سے اپنے مقصد کی جانب بڑھتے ہوئے کہا۔''کیا کبھی تنہائی میں ملزم نے حد سے آگے بڑھنے کی کوشش کی تھی...... مطلب یہ کہ مقتولہ نے کبھی آپ کو ملزم کے جارحانہ فعل یا طرز عمل کے بارے میں بھی کچھ بتایا تھا۔''

''نہیں۔''اس نے بڑی شدت سے نفی میں گردن جھٹکی۔''مقتولہ نے ملزم کی ایسی کسی حرکت کے بارے میں مجھ سے کبھی ذکر نہیں کیا تھا۔''

''مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا جناب عالی!''میں نے جج کی جانب مڑتے ہوئے کہا۔

''استغاثہ کو معزز گواہ کے بیان سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ ملزم ہوس پرست یا شیطانی ذہنیت کا مالک ہرگز نہیں۔ملزم اور مقتولہ کے درمیان کم وبیش ایک سال تک عشق ومحبت کا سلسلہ جاری رہا۔اس دوران وہ دونوں دنیا والوں کو نظروں سے چھپ کر تنہائی میں بھی وقت گزارتے رہے لیکن ملزم نے اس موقع کا فائدہ اٹھا کر کبھی حد سے تجاوز کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ملزم کی طرف سے کسی بے ہودگی یا بدتمیزی کا ریکارڈ بھی نہیں ملتا۔دست درازی اور مجرمانہ حملہ تو بہت دور کی بات ہے' ملزم نے کبھی تنہائی میں مقتولہ سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی۔استغاثہ کی گواہ صوفیہ کا بیان ملزم کے شریف النفس اور باکردار ہونے کی تصدیق کرتا ہے۔ایسا امن پسند اور صلح جو انسان اپنی محبت کو نہ تو داغ دار کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کا گلا گھونٹ کر موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے......''میں نے لحاتی توقف کر کے حاضرین عدالت پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی پھر ایک گہری سانس خارج کرنے کے بعد دوبارہ جج کی جانب متوجہ ہو گیا۔

جناب عالی! اس کیس میں پے در پے سامنے آنے والے متعدد جھول سے ثابت ہوتا ہے کہ میرا موکل ملزم کاشف محمود بالکل بے گناہ اور محبت کرنے والا ایک صلح جو اور باکردار شخص ہے۔اسے کسی گہری سازش کے تحت قتل کے اس مقدمے میں ملوث کرنے کی کوشش کی گئی ہے مثال کے طور پر......''

میں نے ایک مرتبہ پھر تھوڑا توقف کر کے یکے بعد دیگرے وکیل استغاثہ اور اس کیس کے انکوائری آفیسر سب انسپکٹر بشیر احمد کی جانب طنزیہ نظر سے دیکھا اور بیان کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''مثال کے طور پر استغاثہ کی جانب سے جو چالان پیش کیا گیا ہے اس کے ساتھ فنگر پرنٹس کی رپورٹ منسلک نہیں ہے' جبکہ یہ بالکل سامنے کی بات ہے کہ جب کسی شخص کو گلا گھونٹ کر موت کے گھاٹ اتارا جاتا ہے تو مقتولہ کی گردن پر قاتل کی انگلیوں کے بڑے واضح نشانات بن جاتے ہیں۔ان فنگر پرنٹس کو مخصوص طریقے سے اٹھا کر گرفتار شدہ کسی بھی مشتبہ شخص کے فنگر پرنٹس سے میچ کیا جا سکتا ہے' لیکن زیر سماعت کیس میں استغاثہ کی طرف سے ایسی کوئی زحمت نہیں کی گئی اور جب میں نے معزز عدالت کے روبرو اس کیس کے تفتیشی افسر سے یہی سوال کیا تو اس کا جواب تھا۔''ہم نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی......''میری اور قانون کی نظر میں یہ خاصا نامعقول جواب ہے' بہرحال' آگے بڑھتے ہیں......''میں نے سانس ہموار کرنے کے لیے توقف کیا پھر سلسلہ دلائل کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''مقتولہ کے والدین خصوصاً مقتولہ کی والدہ سلطانہ کا یہ دعویٰ ہے کہ ملزم نے انہیں ایک دھمکی آمیز خطرناک خط لکھا تھا جس میں اس نے مقتولہ کے والدین کو خطرناک نتائج سے ڈرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر انہوں نے مقتولہ کی شادی اس سے نہ کی تو انہیں زندگی بھر پچھتانا پڑے گا۔افسوس کا پہلو یہ ہے کہ استغاثہ کی جانب سے اس خط کے متن کو بنیاد بنا کر ملزم کو قاتل ٹھہرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ملزم نے اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہناتے ہوئے پہلے مقتولہ کی عزت کو پامال کیا پھر گلا گھونٹ کر اسے موت سے ہمکنار کر دیا تاکہ اس کے والدین کو نمونہ عبرت دیکھا سکے' لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ استغاثہ ملزم سے منسوب اس خط کو دستاویزی ثبوت کے طور پر عدالت میں پیش کرنے سے قاصر رہا ہے۔مذکورہ خط مقتولہ کی موت سے کئی روز پہلے نذر آتش کر دیا گیا تھا اور آخری بات......''میں نے ایک مرتبہ پھر ڈرامائی انداز میں رک کر ایک بوجھل سانس خارج کی پھر بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''آخری بات ملزم کے کردار اور فطرت کے حوالے سے ہے۔استغاثہ کی معزز گواہ صوفیہ کا بیان اس امر کا ثبوت ہے کہ ملزم اور مقتولہ کو کئی مرتبہ تنہائی میں ملاقات کے مواقع میسر آئے' مگر ملزم نے کبھی ان مواقع سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی جو اس کے مضبوط کردار کو ثابت کرتی ہے لہٰذا معزز عدالت سے میری پرزور اپیل ہے کہ حالات وواقعات کی روشنی میں میرے موکل کو بے گناہ وبے قصور جانتے ہوئے اس کی رہائی کے احکامات صادر

کیے جائیں۔"

"آبجیکشن یور آنر!" وکیل استغاثہ نے اپنی موجودگی کو ظاہر کرنے کے ایک نعرہ مستانہ بلند کیا۔

جج نے چونک کر سوالیہ نظر سے وکیل استغاثہ کی جانب دیکھا۔

وہ اپنے "آبجیکشن" کی وضاحت کرتے ہوئے بولا۔"یور آنر! میرے فاضل دوست نے قبل از وقت دلائل کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ابھی استغاثہ کے گواہوں کے بیانات کا سلسلہ مکمل نہیں ہوا۔"

جج نے استغاثہ کی جانب سے دائر گواہوں کی فہرست پر نگاہ ڈالی اور خود کلامی کے انداز میں بولا۔"بشارت مرزا کی گواہی ابھی باقی ہے......" پھر اس نے گردن اٹھا کر وکیل استغاثہ کی جانب دیکھا اور استفسار کیا۔

"وکیل صاحب! آپ اپنے گواہ بشارت مرزا کو کب پیش کر رہے ہیں؟"

"آئندہ پیشی پر جناب عالی!" وکیل استغاثہ نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" جج نے اثبات میں گردن ہلائی اور میری جانب متوجہ ہوتے ہوئے پوچھا۔"بیگ صاحب! آپ ڈیفنس میں کتنے گواہ پیش کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟"

"میں سمجھتا ہوں ایک ہی گواہ سے کام چل جائے گا۔" میں نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"اوکے......" جج نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"استغاثہ اور ڈیفنس آئندہ پیشی پر ان مذکورہ گواہوں کو عدالت میں پیش کر دے تاکہ اس کیس کا فیصلہ جلد از جلد سنایا جا سکے۔"

اس کے ساتھ ہی عدالت کا مقررہ وقت اختتام پذیر ہو گیا۔جج نے پندرہ روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کر دی۔

✧✧✧

آئندہ پیشی پر میں نے صفائی کے گواہ اور ملزم کے دوست عارف کو پہلے بھگتانے کی درخواست کی جسے عدالت نے فوراً قبول کر لیا۔میں نے یہ مؤقف اختیار کیا تھا کہ گواہ کا آج بروقت اپنی نوکری پر پہنچنا ضروری ہے لہٰذا اس کا بیان پہلے ریکارڈ کر لیا جائے۔عدالت نے اس بات کی بخوبی اجازت دے دی تھی۔

عارف وہی نوجوان تھا' ملزم جس کے ساتھ وقوعہ کی رات ایک انگلش فلم کا آخری شو دیکھنے گیا تھا۔پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق مقتولہ نادرہ کی موت وقوعہ کی رات دس اور بارہ کے درمیان واقع ہوئی تھی۔یہ وہی وقت تھا جب ملزم' عارف کے ساتھ ایک مقامی پلے ہاؤس میں بیٹھا فلم دیکھ رہا تھا لہٰذا اس کے نادرہ کے قتل میں ملوث ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

عارف سچ بولنے کا حلف اٹھانے کے بعد اپنا بیان ریکارڈ کرا چکا تو میں ضروری جرح کے لیے وٹنس باکس کے قریب چلا گیا۔میں نے گواہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دوستانہ لہجے میں سوال کیا۔

"عارف صاحب! جس رات مقتولہ نادرہ کو موت کے گھاٹ اتارا گیا وہ رات آپ کی یادداشت میں محفوظ تو ہو گی؟"

"جی ہاں' مجھے سب یاد ہے۔" اس نے اثبات میں جواب دیا۔

"وقوعہ کی رات ملزم کاشف سے آپ کی ملاقات کتنے بجے ہوئی تھی؟"

"لگ بھگ سوا نو بجے رات۔"

"آپ اس سے ملنے گئے تھے یا یہ آپ کے پاس آیا تھا۔"

"یہ ہمارے پاس آیا تھا۔"

"ہمارے پاس......" میں نے چونکے ہوئے لہجے میں جواباً پوچھا۔"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ......" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔"میں اس وقت اپنے دوستوں وسیم اور آفتاب کے ساتھ اپنی گلی کے نکڑ پر کھڑا تھا۔کاشف ہمارے پاس آیا اور ہمارے درمیان ہلکی پھلکی گفتگو ہونے لگی۔یہ مجھے خاصا اداس اور الجھا ہوا نظر آیا۔میں بھی اس دن کافی بور ہو رہا تھا۔میں نے کاشف کی اداسی اور اپنی بوریت دور کرنے کے لیے اس کے سامنے پکچر کا منصوبہ رکھا۔یہ فوراً تیار ہو گیا پھر ہم وسیم اور آفتاب کو وہیں چھوڑ کر پکچر دیکھنے چلے گئے تھے۔"

"اس رات تم لوگوں نے کون سی پکچر دیکھی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"وہ ایک انگلش پکچر تھی۔" گواہ نے بتایا۔"بروس لی کی...... مار دھاڑ سے بھرپور...... فلم کا نام تھا۔دے آف دی ڈریگن......"

"اوکے......" میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے استفسار کیا۔"وقوعہ کی رات تم لوگ

کتنے بجے پکچر ہاؤس پہنچے تھے؟''

''میرا خیال ہے اس وقت رات کے پونے دس بجے ہوں گے۔'' اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''کیونکہ جب ہم ٹکٹ لے کر ہال کے اندر داخل ہوئے تو اسکرین آن ہو چکا تھا اور آنے والی فلموں کے ٹریلر دکھائے جا رہے تھے۔''

''تم لوگ فلم دیکھ کر کتنے بجے پکچر ہاؤس سے باہر نکلے تھے؟''

''بارہ بجنے میں دس منٹ باقی تھے......''

''تم لوگ اس رات گھر کتنے بجے پہنچے تھے؟''

''کم و بیش ساڑھے بارہ بجے رات۔''

''ذرا سوچ کر بتائیں عارف صاحب!'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے استفسار کیا۔ ''وقوعہ کی رات ملزم کاشف سوا نو بجے سے لے کر ساڑھے بارہ بجے تک آپ کے ساتھ رہا تھا۔ کیا اس دوران تھوڑی دیر کے لیے بھی آپ کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہوا تھا؟''

''جی ہاں' میں اس حقیقت کے بیان کے لیے بڑی سے بڑی قسم کھانے کو تیار ہوں۔'' وہ پُراعتماد لہجے میں بولا۔

''آخری سوال......'' میں نے صفائی کے گواہ عارف کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''وقوعہ کی رات ملزم کاشف نے لگ بھگ تین گھنٹے آپ کے ساتھ گزارے تھے۔ آپ کو اچھی طرح باور ہونا چاہیے کہ مذکورہ رات آپ کے دوست اور اس کیس کے ملزم کاشف محمود نے کس قسم کا لباس پہنا ہوا تھا؟''

''جی ہاں...... اچھی طرح یاد ہے۔'' اس نے بڑے وثوق سے اثبات میں گردن ہلائی۔

''معزز عدالت کے سامنے اس لباس کی تفصیل بیان کریں؟'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کاشف نے اس رات سیاہ پینٹ اور چیک دار شرٹ پہن رکھی تھی۔'' گواہ نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔ ''شرٹ والے چیک کی دھاریاں سبز اور جامنی رنگ کی تھیں۔''

''آر یو شیور......؟ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''یس!'' وہ دوٹوک انداز میں بولا۔ ''آئی ایم شیور......''

میں نے روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے کہا۔

''جنابِ عالی! صفائی کا گواہ اس امر کا دعویدار ہے کہ وقوعہ کی رات ملزم کاشف دس اور بارہ بجے کے دوران جائے وقوعہ سے کافی دور ایک مقامی پکچر ہاؤس میں سو فیصد اس کے ساتھ تھا لہٰذا اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ کسی بھی زاویے سے مقتولہ نادرہ کے قتل میں ملوث رہا ہو۔'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''دیٹس آل یور آنر......''

صفائی کے گواہ عارف کو عدالت سے جانے کی اجازت مل گئی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وٹنس باکس میں استغاثہ کا گواہ بشارت مرزا آ کر کھڑا ہو گیا۔

بشارت مرزا کی عمر پینتیس کے اریب قریب تھی۔ وہ پستہ قامت کا مالک ایک فربہ انداز شخص ہے۔ سر کے بال کھچڑی اور توند باہر کو نکلی ہوئی۔ پیشے کے اعتبار سے جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے وہ ایک پراپرٹی ایجنٹ تھا۔ اس کی پراپرٹی کی دکان لانڈھی کے علاقے میں واقع تھی جبکہ رہائش زیرِ تعمیر عمارت کے پچھواڑے تھی۔ اس کے مکان کی پشت زیرِ تعمیر عمارت کے پچھواڑے کے ساتھ جڑی ہوئی تھی۔ بشارت مرزا اس مکان میں اکیلا ہی رہتا تھا۔ اس کی فیملی اندرونِ سندھ کے علاقے میرپورخاص میں تھی۔

استغاثہ کے آخری اور سب سے اہم گواہ بشارت مرزا نے اپنا حلفیہ بیان ریکارڈ کرا دیا تو جرح کی غرض سے وکیلِ استغاثہ نے اسے گھیر لیا۔ یہاں ایک بات کا ذکر کرتا چلوں کہ ملزم کے ایک خیرخواہ معروف اور جید صحافی خورشید عباسی نے اس کیس کے سلسلے میں مجھ سے گراں قدر تعاون کیا تھا اور کیس کے جن مختلف کرداروں کے حوالے سے اس نے مجھے معلومات فراہم کی تھیں ان میں سرفہرست استغاثہ کا گواہ بشارت مرزا ہی تھا۔

''بشارت صاحب!'' وکیلِ استغاثہ نے جرح کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔ ''کیا یہ درست ہے کہ ملزم کو آپ پہلے سے جانتے تھے؟''

''جی ہاں' میں تو اسے اکثر ادھر محلے میں دیکھا کرتا تھا۔'' گواہ نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''لیکن کبھی میرے اس کے ساتھ مراسم وغیرہ نہیں رہے۔''

”یہاں مراسم وغیرہ کا کوئی تذکرہ بھی نہیں۔“ وکیل استغاثہ نے سرسری انداز میں کہا۔ ”میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ جب آپ نے وقوعہ کی رات ملزم کو جائے واردات سے جاتے ہوئے دیکھا تو آپ کو پہچاننے میں کوئی دشواری یا مغالطہ تو نہیں ہوا تھا؟“

”مغالطے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا جناب۔“ وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ ”میں نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔“

”بشارت صاحب! معزز عدالت یہ جاننا چاہتی ہے کہ جب آپ نے وقوعہ کی رات ملزم کو زیرتعمیر عمارت سے نکلتے دیکھا اس وقت رات کا کیا بجا تھا؟“ وکیل استغاثہ نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے سوال کیا۔

”میرا خیال ہے اس وقت رات کے ساڑھے دس یا گیارہ بجے کا وقت تھا۔“ گواہ نے جواب دیا۔

”زیرتعمیر عمارت سے نکلتے ہوئے ملزم کی کیفیت کیا تھی......؟“

”یہ بہت گھبرایا ہوا نظر آتا تھا۔“ گواہ نے ملزم کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔ ”چہرے پر پریشانی کے تاثرات تھے اور سر کے بال بری طرح بکھرے ہوئے تھے۔ یہ ایسی افراتفری کے عالم میں زیرتعمیر عمارت سے نکلا تھا جیسے اسے کہیں جانے کی جلدی ہو۔“

اس دوران میں میرا مؤکل اور اس کیس کا ملزم کاشف چپ چاپ ایکوزڈ باکس میں کھڑا تھا۔ کسی بھی کیس کی سماعت کے وقت ملزم کی کیفیت بڑی حسرت ناک ہوتی ہے۔ اس کا جی تو بہت کچھ کہنے کو مچل رہا ہوتا ہے مگر اپنے خلاف ہر تلخ و ترش بات سن کر اسے خاموش رہنا پڑتا ہے۔ یہ دراصل اس کے صبر کا امتحان ہوتا ہے۔ عدالت کی جانب سے اسے ازخود کچھ بھی بولنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ عام زندگی میں انسان اپنے خلاف جھوٹ سن کر چند سیکنڈ کے لیے بھی خاموش نہیں رہ سکتا' لیکن کٹہرے میں کھڑے ملزم کو سننا پڑتا ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ میری ہدایت کے عین مطابق' کاشف بڑے عزم کے ساتھ باد مخالف کے سامنے ثابت قدم کھڑا تھا۔

وکیل استغاثہ نے مزید دو چار سوالات کے بعد جرح ختم کی تو جج کی اجازت پا کر میں نے بشارت مرزا کو گھیر لیا۔ میں نے ہلکے پھلکے انداز میں جرح کا آغاز کیا اور اسے ذرا سا بھی محسوس نہیں ہونے دیا کہ آگے چل کر میں اسے دھوبی سوڈا سے دھونے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

”بشارت مرزا صاحب!“ میں نے اسے دوستانہ انداز میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”کیا میں آپ کو مرزا صاحب کہہ کر مخاطب کر سکتا ہوں' اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو......؟“

”میں بھلا کیوں اعتراض کروں گا وکیل صاحب!“ وہ سادہ لہجے میں بولا۔ ”اکثر لوگ مجھے مرزا صاحب ہی کہتے ہیں۔“

”مرزا صاحب! ادھر میرپورخاص کا کیا حال احوال ہے؟“

میرے سوال پر وہ چونک اٹھا۔ ”کیا مطلب جناب؟“

”مطلب صاف اور واضح ہے۔“ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میری معلومات کے مطابق آپ کراچی میں بالکل اکیلے رہتے ہیں۔ آپ کی فیملی ادھر میرپورخاص میں ہے۔“

”جی...... جی ہاں۔“ وہ سنبھلے ہوئے لہجے میں بولا۔

”وہ لوگ ٹھیک ٹھاک ہیں۔“

”آپ کتنا عرصہ پہلے میرپورخاص اپنی فیملی سے ملنے گئے تھے؟“

”کوئی دو ماہ پہلے......“ اس نے جواب دیا اور الجھن زدہ انداز میں دیکھنے لگا۔

میں نے پوچھا۔ ”اگر مائنڈ نہ کریں تو اپنی بیوی اور بچوں کے نام بتا دیں؟“

”میری بیوی کا نام عروسہ اور بچوں کے نام شفقت اور صبا ہیں؟“ اس نے تعامل کرتے ہوئے جواب دیا۔

”ہیں...... یا...... تھے؟“ میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے سوال کیا۔

”کک...... کیا...... مطلب......“ وہ بوکھلا گیا۔

”آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟“

”بچے تو ہر حال میں باپ ہی کے رہتے ہیں۔“ میں نے خورشید عباسی سے حاصل ہونے والی معلومات کی روشنی میں کہا۔ ”چاہے وہ ماں کے پاس پروان چڑھیں یا باپ کی نگرانی میں پرورش پائیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ عروسہ پچھلے ایک سال سے آپ کی بیوی نہیں رہی۔“

”یہ...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں......؟“ وہ جھرجھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”میں سچ کہہ رہا ہوں۔“ میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"ایک سال پہلے عروسہ نے آپ سے طلاق لے لی تھی...... آپ کی بدکرداری کے سبب......"

"آبجیکشن یور آنر!" وکیل استغاثہ نے احتجاجی لہجے میں کہا۔" جناب عالی! اس وقت عدالت میں نادرہ مرڈر کیس زیر سماعت ہے اور میرے فاضل دوست استغاثہ کے معزز گواہ کے خانگی حالات کا ذکر چھیڑ کر غیر متعلقہ بحث میں عدالت کا قیمتی وقت برباد کر رہے ہیں...... یہ گواہ کی عزت کو سر عدالت اچھالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے جناب عالی! میں نے وکیل استغاثہ کے سوال کے جواب میں جج سے کہا۔" میں نے ایک تلخ حقیقت کی تصدیق چاہی ہے۔ اگر استغاثہ کا گواہ میرے سوال کا جواب نہیں دینا چاہتا تو میں اصرار نہیں کروں گا کیونکہ سبزی منڈی میر پور خاص والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ عروسہ نے کن وجوہات کی بنا پر بشارت مرزا سے طلاق لی تھی......"

جج نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں مجھ سے کہا۔" بیگ صاحب! آپ گواہ کے ماضی کو ایک طرف رکھ کر زیر تعمیر عمارت کیس کے حوالے سے گواہ پر جرح کریں۔"

میں نے جج کی تازہ ترین ہدایت کے مطابق استغاثہ کے گواہ بشارت مرزا سے پوچھا۔" مرزا صاحب! آپ کا مکان زیر تعمیر عمارت کے پچھواڑے واقع ہے۔ جس وقت آپ نے ملزم کو زیر تعمیر عمارت سے نکلتے دیکھا' آپ کہاں تھے؟"

"میں اپنے مکان کی چھت پر ٹہل رہا تھا۔" گواہ نے جواب دیا۔

"چھت پر ٹہل رہے تھے...... خیریت؟"

"اس رات بہت زیادہ گرمی اور حبس تھا۔" اس نے بتایا۔" مجھے نیند نہیں آ رہی تھی لہٰذا میں تازہ ہوا کی تلاش میں چھت پر چڑھ گیا تھا......"

"آپ نے تھوڑی دیر پہلے وکیل استغاثہ کے ایک سوال کے جواب میں بتایا ہے کہ جب آپ نے ملزم کو زیر تعمیر عمارت سے نکلتے دیکھا' اس وقت رات کے ساڑھے دس یا گیارہ بجے تھے......؟"

"جی ہاں...... میں نے یہی بتایا ہے۔" وہ تھوک نگل کر اپنے حلق کو تر کرتے ہوئے بولا۔

"لیکن اس وقت تو ملزم اپنے ایک دوست عارف کے ساتھ مقامی سینما میں بیٹھا ایک

…ن پکچر سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔" میں نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔" اور مذکورہ …ہاؤس جائے وقوعہ سے کافی فاصلے پر واقع ہے......" میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"مرزا صاحب! آپ نے وقوعہ کی رات زیر تعمیر عمارت میں سے کسی اور کو تو نکلتے ہوئے نہیں دیکھا تھا......؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" وہ بڑے قطعی لہجے میں بولا۔" میں اس کو پہچاننے میں غلطی کر ہی نہیں سکتا۔"

"تو آپ کا مطلب یہ ہے کہ ملزم کے دوست عارف نے غلط بیانی سے کام لیا ہے......؟"

"جی...... بالکل...... ظاہری بات ہے......"

"لیکن مرزا صاحب!" میں نے غیر محسوس انداز میں اسے چیلنج کرتے ہوئے کہا۔" عارف کے علاوہ وسیم اور آفتاب نامی دو ایسے افراد بھی اس دنیا میں موجود ہیں اور ضرورت پڑنے پر عدالت میں گواہی دینے بھی آ سکتے ہیں جنہوں نے وقوعہ کی رات سوا نو سے ساڑھے نو بجے کے درمیان ملزم سے گپ شپ کی تھی اور ملزم کو عارف کے ساتھ پکچر ہاؤس کی جانب روانہ ہوتے دیکھا تھا......؟"

"یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔" وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔" عارف' وسیم اور آفتاب چونکہ ملزم کے گہرے دوست ہیں اس لیے وہ اسے بے گناہ ثابت کرنے کی خاطر کوئی بھی جھوٹ بول سکتے ہیں۔"

"لیکن آپ کی نظر میں ملزم بے گناہ نہیں۔" میں نے اسے پھانسنے کے لیے جال پھینکا۔" آپ کے خیال میں نادرہ کو بے آبرو کر کے اسی شخص نے موت کے گھاٹ اتارا ہے؟"

"جی ہاں...... یہی حقیقت ہے۔" وہ بے ساختہ بولا۔

"کیا آپ نے ملزم کو مقتولہ کی آبروریزی کرتے ہوئے یا اسے قتل کرتے ہوئے دیکھا ہے؟" میں نے درشت لہجے میں استفسار کیا......"

"نن...... نہیں......" وہ گڑبڑا کر رہ گیا۔" مم...... میں نے...... ایسا کب کہا ہے......"

"ابھی ...... چند سیکنڈ پہلے......" میں نے جارحانہ انداز میں کہا۔ "آپ نے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ ملزم نے مقتولہ نادرہ کو بے آبرو کر کے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ آپ کے بیان سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اس دہری سنگین واردات کے یا تو چشم دید گواہ ہیں یا پھر اس سلسلے میں آپ کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت ہے......"

"ایسی کوئی بات نہیں وکیل صاحب!" وہ کنی کاٹتے ہوئے بولا۔ "میں نے بس اس رات ملزم کو زیرِ تعمیر عمارت سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"آپ کے بیان کے مطابق ملزم جب وقوعہ کی رات زیرِ تعمیر عمارت میں سے نکلا تو بہت گھبرایا ہوا تھا۔" میں نے آہستہ آہستہ پھندا کستے ہوئے کہا۔ "اس کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات تھے اور سر کے بال بری طرح بکھرے ہوئے تھے۔ وہ افراتفری کے عالم میں تھا جیسے اسے کہیں جانے کی بہت جلدی ہو...... میں غلط تو نہیں کہہ رہا......؟"

"نہیں جناب! آپ بالکل درست فرما رہے ہیں۔" وہ تائیدی انداز میں بولا۔ "ملزم کی یہی کیفیت تھی۔"

"ملزم کو دیکھ کر فوری طور پر آپ کے ذہن میں کیا خیال آیا تھا؟"

"یہی کہ اس نے...... زیرِ تعمیر عمارت میں کوئی گڑبڑ کی ہوگی۔" وہ جواب دیتے ہوئے بولا۔ "جبھی وہاں سے جلدی میں فرار ہو رہا تھا۔"

"ملزم کے جانے کے بعد آپ نے زیرِ تعمیر عمارت میں جا کر صورتِ حال جاننے کی کوشش کی تھی؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

"نن...... نہیں......" اس نے الجھن زدہ لہجے میں کہا۔

"کیوں...... ؟" میں نے اس پر چڑھائی کر دی۔ "یہ تو انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ جس انداز میں ملزم وہاں سے نکلا تھا اس سے آپ کے اندر بے پناہ تجسس پیدا ہو جانا چاہیے تھا۔ انسانی فطرت سے مجبور ہو کر یا تو آپ کو زیرِ تعمیر عمارت کے اندر جا کر صورتِ حال کا جائزہ لینا چاہیے تھا یا کسی اور شخص کو اس واقعے سے آگاہ کرنا چاہتے تھا۔ آپ کو تو ویسے بھی وقوعہ کی رات نیند نہیں آ رہی تھی پھر آپ نے ایسا کیوں نہیں کیا؟"

"وہ جناب! بات دراصل یہ ہے کہ......" وہ برا سا منہ بنا کر وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "مجھے پرائے پھڈوں میں ٹانگ پھنسانے کا بالکل شوق نہیں۔ یہ تو پولیس نے پوچھ گچھ کی

...مجھے زبان کھولنا پڑی۔"

"بہت اچھی بات ہے۔" میں نے اثبات میں گردن ہلائی اور بڑے ڈرامائی انداز میں کہا۔ "آپ سے آخری سوال مرزا صاحب!"

وہ چونک کر ہوشیاری سے سوالیہ انداز میں مجھے تکنے لگا۔ میں نے سنسنی خیز انداز میں کہا۔

"مرزا صاحب! وقوعہ کی رات جب آپ گرمی، حبس اور بے خوابی کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنے گھر کی چھت پر ٹہل رہے تھے اور آپ نے اپنے مکان کے پچھواڑے واقع زیرِ تعمیر عمارت کے اندر سے ملزم کو کافی افراتفری کے عالم میں نکلتے ہوئے دیکھا تو اس وقت ملزم کے بدن پر کون سا لباس تھا؟"

"مم...... میرا خیال ہے......" وہ گڑبڑائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "اس نے سفید شلوار قمیض پہن رکھا تھا۔"

"تو یہ آپ کا خیال ہے...... یقین نہیں؟" میں نے جارحانہ انداز میں کہا۔

اسی لمحے حاضرینِ عدالت میں چہ مگوئیاں ہونے لگیں، بعض سامعین اور ناظرین کی ہنسی بھی چھوٹ گئی کیونکہ تھوڑی دیر پہلے صفائی کا گواہ عارف ملزم کے لباس کی تشریح کر کے جا چکا تھا۔ حاضرینِ عدالت کے طرزِ عمل نے گواہ کو بوکھلاہٹ میں مبتلا کر دیا۔ وہ پریشان ہو کر وکیل استغاثہ کی جانب دیکھنے لگا۔ میں نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

"ادھر نہیں، ادھر دیکھو۔"

"وہ گھبرا کر میری جانب متوجہ ہو گیا۔ میں نے آپ سے تم پر آتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ تم نے وقوعہ کی رات ملزم کو سفید شلوار قمیض میں ملبوس زیرِ تعمیر عمارت سے افراتفری کے عالم میں نکلتے دیکھا تھا......؟"

"جج...... جی...... جی ہاں۔" وہ پیشانی کا پسینا پونچھتے ہوئے کمزور سی آواز میں بولا۔

"لیکن ملزم کا تو دعویٰ ہے کہ وقوعہ کی رات میں نے نیلے رنگ کا شلوار قمیض پہنا ہوا تھا۔" میں نے کہا۔ "اور صفائی کے گواہ عارف نے ملزم کے بیان کی تصدیق بھی کی ہے۔"

"یہ...... دونوں...... جھوٹ بولتے ہیں۔" وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولا۔

"سائنسی اور میڈیکل ریسرچ کے مطابق جب کوئی شخص دروغ گوئی سے کام لے رہا

ہوتا ہے تو اس کے منہ کے اندر پایا جانے والا سلائیوا (لعاب دہن) خشک ہو جاتا ہے اور
اسے اپنا حلق سوکھتا ہوا محسوس ہوتا ہے جیسے کہ اس وقت آپ کے ساتھ ہو رہا ہے......"میں
نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے خاصے جارحانہ انداز میں کہا۔"جبکہ تھوڑی دیر پہلے
صفائی کے گواہ عارف نے بڑی رسان سے معزز عدالت کو بتایا ہے کہ وقوعہ کی رات ملزم
کاشف محمود سیاہ پتلون اور چیک دار شرٹ میں ملبوس تھا......"

"لل...... لیکن آپ نے تو...... ابھی بتایا ہے کہ...... ملزم نے نیلے رنگ کا شلوار
سوٹ......" وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر ہونقوں کی طرح مجھے تکنے لگا۔

"میں نے جو بھی کہنا تھا وہ کہہ دیا۔"میں نے سنسناتے ہوئے انداز میں کہا۔"اب
آپ معزز عدالت کو بتائیں گے کہ وقوعہ کی رات آپ نے ملزم کو کس لباس میں زیر تعمیر
عمارت سے نکلتے دیکھا تھا کیونکہ لباس کے حوالے سے آپ کی آنکھیں دھوکا کھا ہی نہیں
سکتیں...... آپ نے تو اس رات اپنے مکان کی چھت پر کھڑے کھڑے ملزم کے چہرے پر
سجے پریشانی کے تاثرات اور سر کے بکھرے ہوئے بالوں کو بھی بڑی وضاحت کے ساتھ دیکھ
لیا تھا......"

وہ اپنی گردن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔
"پپ...... پانی......"

"پانی ملے گا مگر...... میرے سوال کے جواب کے بعد......"

"مجھے...... سوچنے دیں۔" وہ سراسیمہ نظر سے چاروں جانب دیکھتے ہوئے
بولا۔"مم...... میں ابھی بتاتا ہوں......"

"دیٹس آل یور آنر!"میں نے جج کی جانب دیکھتے ہوئے فیصلہ کن انداز میں
کہا۔"استغاثہ کے گواہ بشارت مرزا کی دروغ گوئی روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی ہے۔معزز
عدالت سے میری درخواست ہے کہ مرزا صاحب کو تفتیش کی غرض سے اگر حوالہ پولیس کیا
جائے تو نہایت ہی کارآمد معلومات حاصل ہو سکتی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ ان کارآمد معلومات
کی روشنی میں نادرہ کے اصل قاتل کا چہرہ بھی چمک اٹھے گا......"

پولیس کے حوالے کرنے کا سن کر بشارت مرزا بری طرح ہراساں ہوگیا۔وہ کٹہرے
سے باہر نکلتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔

"مم...... میں نے نادرہ کو...... قتل نہیں کیا...... مجھے جانے دیں...... میں خود کو پولیس
کے حوالے نہیں کروں گا...... میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے...... میں جا رہا ہوں۔"

جج نے بدلتی ہوئی صورت حال کے پیش نظر حکم دیا کہ استغاثہ کے گواہ بشارت مرزا
کو گرفتار کیا جائے۔

جج کا حکم سن کر ایک جانب پولیس حرکت میں آئی تو دوسری طرف پٹے والوں نے آنا
فانا عدالت کا دروازہ بند کر دیا۔اگلے ہی لمحے پولیس نے فوری کارروائی کر کے بشارت
کو گرفتار کر لیا۔

✧✧✧

جب کوئی شخص اپنے جرم کے ٹھوس شواہد کے ساتھ پولیس کے ہتھے چڑھ جاتا ہے تو پھر
اس کی زبان کھلوانے کے لیے پولیس کو زیادہ محنت نہیں کرنا پڑتی۔بشارت نے بھی نادرہ کے
قتل کا اقبال کر لیا تھا۔

واقعات کے مطابق بشارت مرزا کو اس راز سے آگاہی ہو گئی تھی کہ مقتولہ اور ملزم
زیر تعمیر عمارت میں چھپ چھپ کر ملاقاتیں کیا کرتے تھے۔اس نے اپنے گھر کی عقبی دیوار کا
ایک بلاک توڑ کر چھوٹا سا روزن بنا لیا تھا جہاں کان لگا کر وہ ان کی محبت بھری باتیں سنا کرتا
تھا۔وقوعہ کی رات مقتولہ اور ملزم کی گفتگو نے بشارت مرزا کو چونکا دیا۔اسے یہ سمجھنے میں دیر نہ
لگی کہ مقتولہ ملزم کے ساتھ گھر سے بھاگ جانے پر اصرار کر رہی تھی' لیکن ملزم اسے سمجھانے
کی کوشش میں لگا ہوا تھا' بالآخر ان کے بیچ ہلکی سی تلخ کلامی بھی ہوئی اور ملزم' مقتولہ کو زیر تعمیر
عمارت میں چھوڑ کر چلا گیا۔مقتولہ اسے بزدلی کے طعنے دیتے ہوئے وہیں بیٹھ کر رونے لگی۔

اسی لمحے بشارت مرزا پر شیطان سوار ہو گیا۔اس سے پہلے کہ مقتولہ زیر تعمیر عمارت سے
نکل کر اپنے گھر کا رخ کرتی' وہ اس کے سر پر پہنچ گیا۔اپنے گھر کے اندر رہتے ہوئے مرزا
نے نہ تو ملزم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور نہ ہی اس کے لباس کے بارے میں کچھ جانتا تھا
لہٰذا چھت پر سے ملزم کو دیکھنے اور اس کی کیفیت اور لباس کے بارے میں اس نے جو کچھ بھی
بیان کیا تھا وہ جھوٹ کا پلندا تھا اور یہ جھوٹ اس نے اپنی بلا ملزم کے سر ڈالنے کے لیے بولا
تھا۔

جب بشارت مرزا مقتولہ کے پاس پہنچا تو اس کی خواہش اور حواس مکمل طور پر شیطان

کے قبضے میں تھے۔ مقتولہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے جانے ہی والی تھی کہ بشارت نے ا...
اپنی گرفت میں جکڑ لیا۔ مقتولہ نے چیخنے چلانے اور بشارت کی گرفت سے نکلنے کی بہت کوشش
کی لیکن بشارت کے اندر جاگتے چنگھاڑتے شیطان نے اس کی پیش نہ چلنے دی۔ بشارت نے
ایک ہاتھ کو بڑی مضبوطی کے ساتھ اس کے منہ اور ناک پر جما کر رکھا تھا تاکہ اس کی آواز اس
عمارت سے باہر نہ نکل سکے' دوسرے ہاتھ سے وہ مقتولہ کو زیر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس
چھینا جھپٹی میں مقتولہ کا لباس جگہ جگہ سے پھٹ گیا اور اسے چوٹیں بھی آئیں۔ سانس کی
آمدوشد معطل ہونے کے باعث مقتولہ بے دم سی ہو کر ڈھے گئی۔ اس کے بعد بشارت مرزا کو
اپنے شیطانی عزائم کی تکمیل میں کوئی دشواری محسوس نہیں ہوئی۔

جب بشارت مرزا کے حواس ٹھکانے پر آئے تو وہ پکڑے جانے کے ڈر سے یک دم
بل کر رہ گیا۔ مقتولہ اپنے ساتھ ہونے والے ظلم کے بارے میں سب کو بتاتی پھر اس کا بچنا
ممکن نہ رہتا۔ پکڑے جانے کے خوف سے اس نے اضطراری انداز میں' گلا گھونٹ کر مقتولہ
نادرہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

عدالت نے آئندہ پیشی پر میرے مؤکل کو باعزت بری کر دیا۔ بشارت مرزا کے اقبال
جرم کے بعد عدالت کے لیے فیصلہ سنانا بہت آسان ہو گیا تھا۔

نادرہ ایک خودسر اور منہ زور لڑکی تھی۔ اگر اس نے کاشف کی بات مان لی ہوتی تو ایسی
عبرت ناک موت اس کے حصے میں نہ آتی' لیکن وہ کیا کہتے ہیں کہ مقدر میں جو دکھ اور
پریشانی لکھی ہو وہ بالآخر مل کر رہتی ہے......"

✧✧✧

...نی لاحاصل

موسم نے اچانک ہی کروٹ لی تھی۔ اس کے ساتھ ہی معمولات زندگی میں بڑا خوشگوار
...اؤ دیکھنے کو ملا تھا۔ راتوں رات ہی گرم کپڑے نکل آئے تھے۔ سوئیٹرز' جیکٹس' ٹوپیاں'
...تانے اور دیگر ملبوسات کی چہل پہل نظر آ رہی تھی۔ کراچی میں موسم سرما نہایت ہی مختصر
...ت کے لیے پڑاؤ ڈالتا ہے' اسی لیے اس شہر کے باسی گرم ملبوسات کے شوق کو پورا کرنے
میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں مصروف دکھائی دیتے ہیں۔

ایسی ہی ایک ٹھنڈی ٹھار سہ پہر میں آفس پہنچا تو لابی میں تین چار افراد میرے لیے
انتظار میں بیٹھے تھے۔ میں سر کی خفیف سی جنبش سے ان کے سلام کا جواب دیتے ہوئے اپنے
چیمبر کی جانب بڑھ گیا۔

میں نے اپنے مخصوص کمرے میں قدم رکھا تو یخ بستگی کا احساس ہوا۔ خوشگوار ٹھنڈک
نے میرے جسم کے کھلے حصوں پر خنک بوسے دے ڈالے تھے۔ بے اختیار میری نگاہ
ایئرکنڈیشنر کی جانب اٹھ گئی۔ اے سی آف تھا۔ میں اپنی سیٹ پر آ بیٹھا۔ اگلے ہی لمحے انٹرکام
کی گھنٹی بج اٹھی۔

میں نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ دوسری جانب میری سیکریٹری ناہید
تھی۔ میرے ''ہیلو'' کے جواب میں اس نے خوش اخلاقی سے استفسار کیا۔

''سر! فیصل صاحب ایک گھنٹے سے آپ کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ انہیں اندر بھیج
دوں......؟''

''ضرور بھیج دو۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔

''اللہ کی بندی' اس سے پہلے یہ بتاؤ' میرے آفس کے سٹاف میں سب سے زیادہ گرمی

کس کو لگتی ہے؟''

''اوہ......'' ناہید کی متاسفانہ آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔''شوکت نے غلطی سے
کے کمرے کا اے سی آن کر دیا تھا۔ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی میں نے بند کرایا ہے......''

ناہید کو میرے پاس کام کرتے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا' لیکن بہت کم وقت
اس نے آفس کے اور میرے معاملات کو سنبھال لیا تھا۔وہ نہایت ہی سمجھدار اور موقع شن
لڑکی تھی۔اس مختصر سی مدت میں' میں اس کی ذہانت اور معاملہ فہمی کا قائل ہو گیا تھا۔ابھی
نے اس سے صرف اتنا پوچھا تھا کہ...... سب سے زیادہ گرمی کس کو لگتی ہے اور ناہید
معاملے کی تہ تک پہنچ گئی تھی۔

شوکت علی کا تعلق ضلع ملتان سے تھا۔اسے بھی میرے پاس چند ماہ ہی ہوئے تھے۔
گھر سے بھاگ کر کراچی آیا تھا۔میں نے ملتان سے اس کے گھر والوں کو کراچی بلا کر
کے درمیان پائی جانے والی ناراضی دور کرا دی تھی اور اب سب کچھ ٹھیک ٹھاک چل
تھا۔یہ ایک نہایت ہی دلچسپ اور سبق آموز قصہ ہے جس کا ذکر پھر کسی موقع پر کروں گا۔

یہ ٹھیک ہے کہ آفس بوائے شوکت علی کو زیادہ گرمی لگتی تھی بہ الفاظ دیگر' سردی بہت ک
محسوس ہوتی تھی تاہم میرے چیمبر کا اے سی آن ہو جانے میں اس کی غلطی سے زیادہ معمول
دخل تھا۔وہ روزانہ یہ کام کرتا تھا' چنانچہ عادتاً آج بھی اس نے معمول کے مطابق اے سی آن
کر دیا ہوگا۔دو روز پہلے تک یہ اے سی بٹن باقاعدگی کے ساتھ چلایا جا رہا تھا۔

فیصل نامی اس کلائنٹ کی عمر پینتالیس کے قریب رہی ہوگی۔وہ متناسب بدن کا مالک
ایک دراز قامت شخص تھا۔رنگ گندمی اور آنکھوں سے سادگی کا اظہار ہوتا تھا۔فیصل نے شرعی
ڈاڑھی رکھی ہوئی تھی۔اس وقت وہ پتلون اور شرٹ میں ملبوس تھا۔شرٹ کے اوپر اس نے گرم
جیکٹ پہن رکھی تھی۔وہ خاصا الجھا ہوا اور پریشان نظر آتا تھا۔

میں نے پیشہ ورانہ مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور اپنی میز کے سامنے رکھی
کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔''تشریف رکھیے......''

اس نے تشریف رکھ دی۔رسمی علیک سلیک کے بعد میں نے اس کی آمد کی غرض و غایت
کے بارے میں دریافت کیا تو وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔

''وکیل صاحب! میں بہت پریشان ہوں......''

''وہ تو آپ شکل ہی سے لگ رہے ہیں۔'' میں نے معتدل انداز میں کہا۔''میرے
اس آنے والے افراد کو کوئی نہ کوئی مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔بہرحال......'' میں نے لمحاتی توقف
ے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''فرمائیں...... میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

''بٹ صاحب نے آپ کی بہت تعریف کی تھی۔'' وہ بہ دستور سنجیدہ لہجے میں بولا۔''میں
پنے مسئلے کے سلسلے میں پہلے بھی دو تین وکیلوں کو آزما چکا ہوں' لیکن یہ معاملہ جہاں سے چلا
ھا ابھی تک وہیں کھڑا ہے......''

''آپ کن بٹ صاحب کا ذکر کر رہے ہیں؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''یونس بٹ صاحب۔'' اس نے جواب دیا۔

یونس بٹ کا تعلق شوبزنس سے تھا۔میرے اس کے ساتھ دوستانہ مراسم تھے۔میں نے
اثبات میں گردن ہلائی اور کہا۔

''ٹھیک ہے فیصل صاحب! اب ذرا آپ مجھے اپنے اس معاملے کے بارے میں
بتا دیں جو ابھی تک ایک ہی جگہ پر کھڑا ہے اور اس معاملے کو کسی کنارے لگانے کی غرض سے
آپ میرے پاس آئے ہیں......؟''

''مجھے میری بیٹی چاہیے......'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''میں سمجھا نہیں۔'' میں نے الجھن زدہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔''میرا مطلب ہے'
آپ کی بیٹی کہاں چلی گئی ہے؟''

''عائشہ اپنی ماں کے پاس ہے۔''

''عائشہ یقیناً آپ کی بیٹی کا نام ہے؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

''وہ اگر اپنی ماں کے پاس ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا' وہ آپ کی بیوی کے پاس
ہے......؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ سپاٹ آواز میں بولا۔''جی ہاں...... فی الحال اس کا یہی مطلب ہے۔''

''اور...... آپ کی بیوی کہاں ہے؟'' میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''وہ اپنی ماں کے پاس ہے۔'' وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔

"ہوں......" میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے انداز میں کہا اور کاغذ قلم سنبھالتے ہوئے اضافہ کیا۔ "تو یہ گھریلو ناچاقی کا معاملہ ہے......؟"

"آپ کا اندازہ درست ہے وکیل صاحب۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ "لیکن میں 'ہے' کی جگہ 'تھا' استعمال کرنا چاہوں گا۔"

"گویا گھریلو ناچاقی سے معاملہ بہت آگے بڑھ چکا ہے؟"

"جی ہاں...... ایسی ہی صورت حال ہے۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔

میں نے کاغذ پر قلم گھسیٹتے ہوئے پوچھا۔ "آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"اپنی دو سالہ بیٹی عائشہ......" وہ دوٹوک انداز میں بولا۔

"صرف بیٹی یا...... بیٹی اپنی ماں سمیت؟"

"صرف بیٹی!" وہ پوری قطعیت سے بولا۔

"اوکے......" میں نے ایک گہری سانس خارج کی اور کہا۔ "فیصل صاحب! آپ مجھے ان حالات سے آگاہ کریں جو آپ کی بیوی اور بیٹی کو آپ سے دور لے گئے ہیں۔ میں جب تک آپ کی کہانی نہ سن لوں، حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"ٹھیک ہے جناب!" اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ آئندہ تیس منٹ میں فیصل نامی اس شخص نے مجھے اپنے پیش آمد حالات وواقعات کے بارے میں جو کچھ بتایا، میں اس میں سے غیر متعلق اور غیر ضروری باتوں کو حذف کر کے خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں تاکہ عدالتی کارروائی کے آغاز سے قبل آپ بھی اس کیس کے پس منظر سے اچھی طرح واقف ہو جائیں۔

✧✧✧

فیصل ایک تعلیم یافتہ اور صاحب حیثیت شخص تھا۔ وہ ایک بینک میں باعزت پوسٹ پر کام کر رہا تھا اور اپنے سٹاف کے درمیان آفیسر کہلاتا تھا۔ اس کا عہدہ منیجر کے بہت قریب تھا۔ وہ گلشن اقبال میں اپنی فیملی کے ساتھ زندگی گزار رہا تھا۔ دو کشتیوں کا مسافر ہمیشہ پریشان اور مسائل زدہ رہتا ہے، سو فیصل بھی ایک ایسے ہی گمبھیر مسئلے سے دوچار تھا۔

جب یہ کیس مجھ تک پہنچا اس وقت فیصل کی شادی کو لگ بھگ پندرہ سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ وہ اپنی بیوی فرزانہ سے بے انداز محبت کرتا تھا۔ فرزانہ بھی اسے بہت چاہتی تھی۔ اس

مر سی فیصل کو کسی بھی نوعیت کی مالی تنگی کا سامنا نہیں تھا۔ بس ان کی زندگی میں ایک ہی لی ایک ہی غم تھا...... اولاد سے محرومی کا روگ۔ شادی کو ایک طویل عرصہ گزر جانے کے ا جود بھی فرزانہ کی گود ہری نہیں ہو سکی تھی۔ چونکہ کسی قسم کی معاشی پریشانی نہیں تھی لہٰذا علاج مالجہ کے ذیل میں انہوں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ مختلف ڈاکٹروں کے کلینکس اور پتالوں کے چکر کاٹنے کے بعد وہ صبر شکر کر کے بیٹھ گئے تھے۔ ڈاکٹروں کا متفقہ فتویٰ یہی تھا کہ دونوں میاں بیوی میں کسی طرح کا کوئی میڈیکل نقص نہیں، بس قدرت ہی کی طرف سے دیر تھی۔ وہ مشیت خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کر کے خاموش ہو بیٹھے تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے ہی کو اپنا سب کچھ سمجھ لیا تھا۔ باہمی انسیت نے دونوں کو ایک مضبوط رشتے میں باندھ رکھا تھا۔

سب کچھ ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا کہ کم وبیش چار سال پہلے ان کی زندگی میں ایک بھونچال سا آ گیا۔ اس بھونچال کا نام...... سفینہ تھا۔

سفینہ ایک ایسے آفس میں کام کرتی تھی جہاں بینک کے کام سے فیصل کا اکثر آنا جانا رہتا تھا۔ سفینہ دل کش نقوش کی مالک اور قبول صورت لڑکی تھی۔ وہ خوب صورتی میں فرزانہ کی پاسنگ بھی نہیں تھی، مگر اس کا کیا کیجیے کہ فیصل بہت تیزی سے اس کے قریب ہوتا چلا گیا۔ کچھ ہی عرصے کے بعد دونوں کو بڑی شدت کے ساتھ یہ محسوس ہونے لگا کہ وہ ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ لڑکی اور لڑکا یا مرد اور عورت جب ایک دوسرے کی الفت میں بتلا ہو جاتے ہیں تو اگلا مرحلہ یقیناً شادی کا ہوتا ہے۔ یہ بھی قربت اور تعلقات کے حوالے سے اسی خطرناک زون میں داخل ہونے والے تھے۔

فیصل اپنی خواہش اور سفینہ کی مرضی سے بہ خوبی آگاہ تھا۔ ایک روز جب وہ پرسکون ماحول میں بیٹھے راز و نیاز کر رہے تھے کہ فیصل نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"سفینہ! میں شدت سے اپنی زندگی میں تمہاری کمی محسوس کرنے لگا ہوں۔"

"کمی......" سفینہ نے حیرت بھری نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ "میں تو تمہارے آس پاس ہی رہتی ہوں پھر کمی کا ایسا احساس کیوں؟"

"میں نے زندگی میں تمہاری کمی کی بات کی ہے۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "یہ ٹھیک ہے کہ تم میرے بہت قریب ہو لیکن معاشرتی طور پر تم میری زندگی کا حصہ نہیں ہو......"

''تو بنا لونا' مجھے اپنی زندگی کا حصہ!'' سفینہ اٹھلا کر بولی۔ ''تمہیں روکا کس نے ہے۔ مجھے تو کوئی اعتراض نہیں۔ جب مجھے کوئی اعتراض نہیں تو میرے گھر والوں کو بھی اس نیک کام سے مسئلہ نہیں ہوگا۔''

''سارا مسئلہ تو میری جانب ہے......'' وہ ایک ٹھنڈی سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔

''کیسا مسئلہ فیصل؟'' سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی اس نے پوچھ لیا۔

فیصل نے گہری نظر سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''تم تو جانتی ہو سفینہ۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

''میں شادی شدہ ہوں۔''

''ہاں جانتی ہوں......'' وہ سوالیہ نظر سے اسے دیکھنے لگی۔

''جانتی ہو پھر بھی سمجھ نہیں پا رہی ہو؟''

''اس میں نہ سمجھنے والی کون سی بات ہے۔'' وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔ ''اگر تم شادی شدہ ہو تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ یہ بات میں پہلے بھی تمہیں بتا چکی ہوں۔ میں فرزانہ کے ہوتے ہوئے بھی تمہاری زندگی میں آنے کو تیار ہوں۔''

''لیکن...... شاید فرزانہ اس بات کے لیے آمادہ نہیں ہوگی۔'' فیصل کی آنکھوں میں پریشانی جھلکنے لگی۔

''اس سلسلے میں' میں کچھ نہیں کر سکتی فیصل۔'' سفینہ صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی۔ ''اپنی سائڈ کو تمہیں خود ہی دیکھنا ہوگا......''

فیصل نے امداد طلب نظر سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''مگر تم مجھے کوئی اچھا سا مشورہ بھی تو دے سکتی ہو......؟''

''ہاں...... کیوں نہیں......'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔

''تو پھر دو......؟''

فیصل کی درخواست پر سفینہ نے اسے ایک دو قیمتی مشوروں سے نواز دیا۔ دونوں میں بہت اچھی ذہنی ہم آہنگی اور طبعی میلان پیدا ہو چکا تھا لہٰذا اس کا مشورہ فیصل کو بہت پسند آیا۔

آئندہ روز سے فیصل نے سفینہ کے مشورے پر عمل شروع کر دیا۔ اس بات میں کسی شک وشبہے کی گنجائش نہیں کہ فرزانہ کے لیے فیصل کی محبت میں کسی قسم کا کوئی کھوٹ نہیں تھا۔ وہ

خلوص نیت سے اسے چاہتا تھا' لیکن سفینہ کی طلب بھی اس کے دل و دماغ پر اپنا تسلط جما چکی تھی اور وہ جلد از جلد اسے اپنی بیوی کی حیثیت سے گھر کی چاردیواری کے اندر دیکھنا چاہتا تھا۔ پچھلے دنوں سے' جب سے وہ سفینہ کے بہت قریب ہوا تھا' اس کی اٹھک بیٹھک اور تال میل میں بہت زیادہ بدلاؤ آ گیا تھا۔ وہ ہر وقت آسودہ اور خوش باش دکھائی دیتا تھا۔ فرزانہ نے اس کے اندر پیدا ہونے والی تبدیلی کو فوری طور پر محسوس کر لیا تھا' لیکن جب اس نے سفینہ کی ہدایت کے مطابق گھر میں اداکاری شروع کی تو فرزانہ چونکے بغیر نہ رہ سکی۔ ایک رات اس نے اپنی الجھن کا اظہار بھی کر دیا۔

وہ رات کو سونے کے لیے لیٹنے لگے تو فرزانہ نے پوچھا۔ ''فیصل! آپ کسی وجہ سے پریشان ہیں؟''

''نن...... نہیں۔'' وہ بدکے ہوئے انداز میں بولا۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں۔''

''آفس میں کوئی گڑبڑ ہے کیا؟''

''میرے بینک کا کوئی بھی معاملہ تم سے چھپا ہوا نہیں فرزانہ......''

''جبھی تو میں بھی الجھ رہی ہوں۔'' وہ بدستور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ ''جب بینک میں سب کچھ ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے تو پھر آپ کو کیا ہو گیا ہے......''

''مجھے کیا ہو گیا ہے؟'' فیصل نے اسی کے کہے ہوئے الفاظ دہرائے۔

''آپ پچھلے کچھ عرصے سے بہت خوش اور پُرسکون نظر آ رہے تھے۔'' فرزانہ نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''آپ کو خوش دیکھ کر مجھے جو سکون ملتا ہے' اسے بیان نہیں کر سکتی لیکن......''

فرزانہ نے جملہ ادھورا چھوڑا تو فیصل نے اضطراری لہجے میں پوچھ لیا۔ ''لیکن کیا......؟''

لیکن دو تین روز سے آپ بہت اداس اور بجھے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''پتا نہیں' آپ کی خوشی کو کس کی نظر لگ گئی ہے......''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے اللہ کی بندی!'' وہ معتدل انداز میں بولا۔ ''تمہیں وہم ہو گیا ہے۔''

''نہیں' میں نہ وہمی ہوں اور نہ ہی مجھے کسی قسم کی کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔ ''آپ بتانا نہ چاہیں تو الگ بات ہے' لیکن میں یہ ماننے کو تیار

نہیں کہ آپ کے ساتھ کچھ ہوا نہ ہو......"

"وہ دراصل بات یہ ہے کہ......"

"کیا بات ہے فیصل؟" اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی فرزانہ بول اٹھی۔ "آپ بتائیں مجھے، میں آپ کی شریک حیات ہوں۔"

"اسی لیے تو......" فیصل جز بز ہوتے ہوئے بولا۔

"کیا اسی لیے تو؟" فرزانہ کی حیرت دوچند ہو گئی۔

"میں تمہیں دکھی نہیں کرنا چاہتا فرزانہ......"

"اور میں آپ کو پریشان نہیں دیکھ سکتی۔" گہری سنجیدگی سے بولی۔ "اس لیے بتائیں، آخر معاملہ کیا ہے؟"

"وہ فرزانہ......" اتنا کہہ کر فیصل نے توقف کیا پھر ایک بوجھل سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ "مجھے کچھ دنوں سے بڑی شدت سے اپنی محرومی ستانے لگی ہے......"

"کون سی محرومی؟" فرزانہ الجھن زدہ انداز میں اسے تکنے لگی۔

"ایک ہی تو محرومی ہے زندگی میں۔" وہ بے حد اداس ہو گیا۔ "ہم دونوں کی اکلوتی محرومی۔"

"اوہ......" فرزانہ ایک مضمحل سانس چھوڑتے ہوئے بولی۔ "فیصل، اولاد کی محرومی تو ہماری زندگی کا ایک ایسا خلا ہے جسے بھرنا میرے بس میں ہے اور نہ ہی تمہارے بس میں......"

"لیکن ہم اس خلا کو بھرنے کی کوشش تو کر سکتے ہیں......"

"کیسی کوشش؟" فرزانہ نے متذبذب انداز میں استفسار کیا۔ "جو کچھ ہمارے بس میں تھا، وہ سب تو کر چکے۔ علاج معالجہ، دم درود، ٹونکے اور ہر وہ ترکیب، جو کسی کی بھی آزمودہ کار تھی۔ ہر طرف سے ناکام ہونے کے بعد ہی تو ہم چپ سادھ کر بیٹھ گئے ہیں۔ جب اللہ ہی کو منظور نہیں تو ہم بھلا کیا کر سکتے ہیں۔"

"میں تمہاری ہر بات سے اتفاق کرتا ہوں فرزانہ۔" وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "لیکن میں سمجھتا ہوں، ہم نے ابھی تک ایک آپشن کو تو ٹچ ہی نہیں کیا۔"

"کون سا آپشن؟" فرزانہ کی حیرت میں الجھن بھی شامل ہو گئی۔

"تم یہ تو مانتی ہو نا کہ رزق بیوی کے نصیب سے اور اولاد شوہر کے نصیب سے عطا ہوتی ہے۔" وہ گمبھیر انداز میں مستفسر ہوا۔

"ہاں...... میں نے ایسا سن تو رکھا ہے۔" وہ تائیدی انداز میں بولی۔

"تم بہت خوش نصیب ہو فرزانہ۔" وہ بڑی لگاوٹ سے بولا۔ "جب سے تم میری زندگی میں آئی ہو، میں مسلسل ترقی کی منزل کی جانب گامزن ہوں۔ تم سے شادی کے بعد میری آمدنی میں قابل فخر اضافہ ہوا ہے لیکن میں......" لمحاتی توقف کر کے اس نے دزدیدہ انداز میں فرزانہ کی طرف دیکھا اور اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"لیکن...... میں ایسا بد نصیب ہوں کہ تمہیں کوئی اولاد نہ دے سکا۔"

"آپ کن فضول باتوں کو لے کر بیٹھ گئے ہیں۔" فرزانہ موضوع کو تبدیل کرتے ہوئے بولی۔ "جب اللہ کی ہی مرضی نہیں ہے تو آپ کیوں خود کو الزام دے رہے ہیں۔ یہ معاملات آپ کے اختیار میں تھوڑی ہیں۔"

"لیکن میں ایک آپشن کو استعمال کر کے اپنی قسمت کو نئے سرے سے آزمانا چاہتا ہوں۔" وہ نگاہ چراتے ہوئے بولا۔ "اگر تم میرا ساتھ دو تو......"

"آپ نے پہلے بھی کسی آپشن کا ذکر کیا ہے۔" وہ ٹھہرے ہوئے انداز میں بولی۔ "کھل کر بتائیں، آپ کے ذہن میں کیا ہے؟"

"وعدہ کرو، میرا ساتھ دو گی......؟"

"میں پچھلے گیارہ سال سے زندگی کے ہر معاملے میں آپ کا ساتھ دے رہی ہوں۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔

"بتائیں، کیا کرنا ہے۔ میں آپ کی خوشی کی خاطر سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔"

"میں دوسری شادی کرنا چاہتا ہوں......" فیصل نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"کک...... کیا......؟" فرزانہ کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔

"ہاں فرزانہ......" وہ سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے بولا۔ "اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں اولاد کی خاطر دوسری شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"اور میں......؟" فرزانہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "میں کہاں جاؤں گی

فیصل......؟"

"تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔" وہ جلدی سے بولا۔ "فرزانہ تم تو میری زندگی کا اٹوٹ انگ ہو۔ تمہارے بغیر تو میں جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ تم ہر صورت میں میرے ساتھ رہو گی...... ہر حال میں۔"

"اور وہ......؟" فرزانہ نے شاکی نظر سے اسے دیکھا۔

"میں اسے بھی اسی گھر میں رکھنا چاہتا ہوں۔" وہ ٹھہرے ہوئے انداز میں بولا۔ "تم دونوں گہری سہیلیوں کی طرح ایک ہی چھت کے نیچے رہو گی۔ میں خود کو تقسیم کرنے کے حق میں نہیں ہوں......"

"فیصل!" فرزانہ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ "کوئی بھی عورت اپنی سوتن لانے کے لیے ہنسی خوشی شوہر کو اجازت نہیں دیتی لیکن میں......" اس کی آواز میں نمی اتر آئی۔ "میں...... آپ کی خوشی کو تکمیل تک پہنچانے کے لیے یہ کٹھن کام کرنے کو تیار ہوں۔" وہ تھوڑی دیر کے لیے رکی، دوپٹے کے پلو سے آنکھوں میں اتر آنے والے آنسوؤں کو صاف کیا پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں اضافہ کرتے ہوئے بولی۔

"فیصل! میں نے آپ سے سچی محبت کی ہے اس لیے آپ کی چھوٹی سے چھوٹی خوشی بھی مجھے دنیا کی ہر شے سے زیادہ عزیز ہے جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ میں نے آپ کو دوسری شادی کی اجازت دیتے ہوئے "کٹھن کام" کے الفاظ استعمال کیے ہیں "زہر پینے" کے نہیں......"

"فرزانہ! تم عظیم عورت ہو۔" وہ ستائشی نظر سے اپنی بیوی کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "اولاد سے محرومی اپنی جگہ ایک ٹھوس حقیقت ہے اور ہم اس محرومی کے ساتھ گزشتہ گیارہ سال سے جی ہی رہے تھے۔ میرے ذہن میں کبھی بھولے سے بھی دوسری شادی کا خیال نہیں آیا لیکن ابو کی خواہش نے مجھے مجبور کر دیا ہے۔"

"ابو کی خواہش؟" فرزانہ نے حیرت بھری نظر سے اسے دیکھا۔

فیصل نے اثبات میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔

"تو...... کیا آپ...... انکل کی خواہش پر...... دوسری شادی کر رہے ہیں؟" فرزانہ کی آنکھوں میں حد درجہ تعجب تھا "اور...... آپ نے اولاد والی بات کی ہے......؟"

"وہ بات بھی درست ہے۔" فیصل نے گہری سنجیدگی سے بتایا۔ "تم تو جانتی ہونا ابو کی [illegible]تنی خراب ہے؟"

"ہاں ہاں......" وہ جلدی سے بولی۔ "اللہ انکل کو شفا دے......"

"یہ بات تم بھی جانتی ہو، میں بھی جانتا ہوں اور باقی سب لوگ بھی جانتے ہیں کہ ابو اپنی زندگی کے نازک ترین لمحات سے گزر رہے ہیں۔" فیصل نے اذیت میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ان کی صحت کے حوالے سے کوئی بھی حتمی اور حوصلہ افزا بات نہیں کی جا سکتی۔ یہ انہی کا اصرار بلکہ حکم ہے کہ مجھے اولاد کے لیے ان کی زندگی میں ہی دوسری شادی کر لینا چاہیے......"

"اوہ......" فرزانہ نے متاسفانہ انداز میں کہا۔ "تو یہ بات ہے۔"

فیصل اپنائیت بھرے انداز میں اسے اپنی منصوبہ بندی کے بارے میں بتانے لگا۔ ساری بات سننے کے بعد فرزانہ نے چونکتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"سفینہ کو آپ کب سے جانتے ہیں؟"

"لگ بھگ ایک سال سے......"

"تو آپ دونوں کے بیچ یہ معاملہ ایک سال سے چل رہا تھا؟"

"کون سا معاملہ؟" فیصل نے چونکے ہوئے انداز میں پوچھا۔

فرزانہ نے تیکھے انداز میں جواب دیا۔ "یہی باہمی پسندیدگی والا معاملہ...... اور کون سا؟"

"ایسی کوئی بات نہیں فرزانہ۔" وہ جلدی سے وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "یہ ٹھیک ہے کہ میرا اکثر سفینہ والے آفس میں جانا ہوتا ہے، لیکن اس سے شادی کا خیال پچھلے چند روز سے میرے ذہن میں آیا ہے...... ابو کی خواہش کے بعد سے۔"

"کیا ضروری بات ہے سفینہ آپ سے شادی کے لیے تیار بھی ہو جائے۔" فرزانہ نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "کیا اس سلسلے میں آپ نے اس سے بات کی ہے؟"

فیصل نے بتایا۔ "وہ تیار ہے......"

"اس کا مطلب ہے، سارے معاملات طے پا چکے ہیں......" فرزانہ نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔

"مجھے سب سے آخر میں انفارم کیا جا رہا ہے۔"

فرزانہ کے الفاظ میں چھپی ہوئی شکایت کو فیصل نے فوراً محسوس کر لیا۔ "ایسی بات نہیں ہے فرزانہ۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "میں نے ابو کی خواہش سے مجبور ہو کر سفینہ کو اس سلسلے میں ٹٹولنے کی کوشش کی تو پتا چلا وہ مجھے پسند کرتی ہے اور میرے شادی شدہ ہونے کے باوجود بھی وہ مجھ سے شادی کو تیار ہے۔"

فرزانہ کے اندر کوئی نازک سی شے بے آواز چھناکے کے ساتھ ٹوٹ کر کرچیوں کی شکل میں بکھر کر رہ گئی۔ اگلے ہی لمحے وہ نکیلی اور کٹیلی کرچیاں اس کے دل وجگر کو خون کرنے لگیں۔ اس بے نام اذیت کے آثار اس کے چہرے پر ابھر آئے تھے۔

یہ درست ہے کہ فرزانہ فیصل کو بے پناہ چاہتی تھی اور اس کی خاطر ایک لمحے میں جان دینے کو تیار بھی ہو جاتی لیکن...... جان دینے اور جان کو ہلکان کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ فیصل کے یہ الفاظ اس کے لیے سوہان روح تھے کہ سفینہ فیصل کو پسند کرتی تھی۔ فرزانہ تو فیصل کو اپنی پراپرٹی سمجھتی تھی جس کی وہ بلاشرکت غیرے مالک ومختار تھی۔ فیصل کو کوئی اور بھی پسند کرے اور...... نہ صرف پسند کرے بلکہ اس کی بیوی بن کر گھر میں بھی آ جائے' اس کو برداشت کرنا آسان نہیں تھا۔ پتا پانی اور دل پارہ پارہ ہو کر رہ جاتا ہے۔

محبت' محبت کرنے والوں کا امتحان لیتی ہے اور قربانی دیئے بغیر اس امتحان میں سرخ روئی ممکن نہیں۔ فرزانہ کے اندر قربانی کا جذبہ تو تھا اور وہ فیصل کی خوشی کی خاطر سفینہ کو اپنی سوتن کی شکل میں قبول کرنے کو بھی تیار ہو گئی تھی' مگر ایک انسان ہونے کے ناتے وہ انسانی فطرت اور جبلت کے بھی طابع تھی' لیکن اس کے گوشت وپوست کے وجود میں شکست وریخت کا عمل بھی اس معاملے کا لازمی جز تھا جس سے وہ دامن بچا سکتی تھی اور نہ ہی آنکھیں چرانا اس کے بس میں تھا......

ایک ماہ کے بعد سفینہ فیصل کی دوسری بیوی کی حیثیت سے اس کے گھر میں آ گئی۔ اس سے اگلے ماہ فیصل کے والد منصور علی کا انتقال ہو گیا۔ بیٹے نے ایک علیل باپ کی خواہش کو کسی حد تک پورا کر دیا تھا۔ اس خواہش کا باقی حصہ سفینہ کو پورا کرنا تھا' فیصل کی اولاد کی صورت میں' جب ہی منصور علی کی روح کو قرار حاصل ہو سکتا تھا۔

اس شادی کے موقع پر سفینہ کی والدہ سلطانہ نے اپنی بیٹی کے تحفظ کی خاطر: "ام

صل سے کئی ایک کڑی شرائط پوری کرنے کا معاہدہ بھی کرایا تھا۔ مثلاً یہ کہ فیصل سفینہ کو ھی یہ احساس نہیں ہونے دے گا کہ وہ محض اولاد پیدا کرنے کے لیے اسے اپنے نکاح میں ہے۔ فرزانہ کو بھی سفینہ کے ساتھ برابری کا برتاؤ کرنا ہوگا۔ فیصل اپنی دونوں بیویوں کے ان انصاف کے تمام تر تقاضے پورے کرنے کا پابند ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ......

اس تحریری معاہدے میں کوئی بھی ایسی بات درج نہیں تھی جو فیصل کے لیے کوئی اری پیدا کرتی ہو۔ وہ معقول سوچ رکھنے کے بعد ایک انصاف پسند اور صلح جو انسان تھا لہٰذا ینہ کی آمد کے بعد گھر میں کسی قسم کے فتنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ اس سلسلے میں فرزانہ بھی صل کے ساتھ اپنی بساط سے بڑھ کر تعاون کر رہی تھی۔ اس نے کسی بھی مرحلے پر سفینہ کو سوس نہیں ہونے دیا کہ وہ اس کے سوتن بن کر گھر میں آئی ہے۔ وہ سفینہ کے ساتھ ایک ہیلی ایک بہن جیسا برتاؤ کر رہی تھی۔ دونوں بیویوں کو ایک چھت کے نیچے خوش وخرم زندگی گزارتے دیکھ کر لوگ فیصل کی قسمت پر رشک کرتے تھے۔ بعض کو تو اس آنکھوں دیکھی حقیقت پر یقین ہی نہیں آتا تھا۔ یہ گویا ایک نیام میں دو تلواریں رکھنے والا معاملہ تھا۔

لوگ فیصل اور اس کی دونوں بیویوں کے بارے میں چاہے کچھ بھی سوچیں' مگر حقیقت وہی تھی جو نظر آتی تھی۔ اس میں کسی مبالغہ آرائی اور ریاکاری کی آمیزش نہیں تھی۔

ایک سال پر لگا کر گزر گیا۔ سفینہ اور فرزانہ نے مثالی اتفاق کا مظاہرہ کر کے دنیا والوں کو حیران کر دیا تھا۔ گھر کے کاموں کو انہوں نے اس طرح بانٹ لیا تھا کہ کہیں کوئی بدنظمی یا کمی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ وہ اپنی اپنی باری پر فیصل کی خدمت میں بھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتی تھیں۔ فیصل کے حصول کے لیے انہوں نے اپنے لیے ہفتے کے تین' تین دن مقرر کر لیے تھے۔ ہفتے کا ساتواں دن یعنی اتوار وہ تینوں ایک ساتھ' ایک کمرے میں گزارتے تھے۔ ان لمحات میں فیصل ایک بیوی کا نہیں بلکہ بہ یک وقت دونوں کا ہوتا تھا۔ جیسے بہار کا موسم پورا سال نہیں رہتا۔ اس کے بعد خزاں کی آمد بھی لازمی عمل ہے' بالکل اسی طرح انسان کی زندگی میں دکھ سکھ بھی آتے رہتے ہیں۔ یہ ایک فطری عمل ہے۔ اسے چاہے کچھ بھی نام دے دیں' کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اکثر لوگ برے وقت کو "خوشیوں کو کسی کی نظر لگ جانا" سے تعبیر کرتے ہیں اور اچھے وقت کو "قدرت کی مہربانی" کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں۔ جو کوئی جیسا بھی سوچتا ہے' یہ اس کا حق ہے۔

ان تین افراد کی ’’ہیپی فیملی‘‘ میں اس وقت انتشار نے آنکھ کھولی جب سفینہ نے فیصل کو
خوش خبری سنائی کہ وہ باپ بننے والا ہے۔اس خبر نے فیصل کو نہال کر دیا تھا۔اگرچہ فرزانہ اس
اطلاع پر اندر سے بجھ سی گئی تھی تاہم اس نے اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فیصل اور سفینہ
کی خوشی کو نہ صرف یہ کہ دل وجان سے قبول کیا تھا بلکہ اس خوشی میں وہ قدم قدم پر ان کے
شانہ بہ شانہ کھڑی بھی نظر آتی تھی۔ہر انسان اپنی فطرت اور بشری تقاضوں کے سامنے
بے بس ہے۔سفینہ کے ماں بننے کے امکان نے اگر فرزانہ کو اندر سے ملول اور آزردہ کر دیا
تھا تو اس میں فرزانہ کی کسی بدنیتی کو دخل نہیں تھا۔وہ اپنی فطری محرومی اور بشری کمزوری کے
سامنے مجبور تھی۔

سفینہ نے شادی کے بعد جاب کو خیر باد نہیں کہا تھا' لیکن اب فیصل نے اصرار کیا کہ
بچے کی ولادت تک وہ اسے آفس نہیں جانے دے گا۔سفینہ جاب چھوڑ دے یا طویل رخصت
لے لے بہر حال' وہ اسے جاب پر نہیں بھیجے گا۔فیصل کی زندگی میں جتنی بڑی خوشی نے قدم رکھا
تھا وہ اس کے استقبال اور تحفظ کی خاطر سفینہ کو زیادہ سے زیادہ آرام پہنچانا چاہتا تھا۔سفینہ
نے اس کی بات مانتے ہوئے آفس سے طویل رخصت لے لی تھی۔

فرزانہ ایک گھریلو عورت تھی اور دن بھر گھر ہی میں رہا کرتی تھی۔اب سفینہ بھی دن
میں اس کے ساتھ ہوتی تھی لہٰذا انہیں پہلے سے دوگناہ وقت ایک ساتھ گزارنے کا موقع مل رہا
تھا۔دو عورتیں جب ایک ساتھ وقت گزارتی ہیں تو سمجھو ان کے بیچ باتوں کے انبار کھڑے ہو
جاتے ہیں۔کچھ ایسا ہی معاملہ ان کے درمیان بھی پیدا ہو گیا۔

سفینہ کو ایک لحاظ سے فرزانہ پر سبقت حاصل ہو گئی تھی۔جو کام پچھلے بارہ سال میں
فرزانہ نہیں کر پائی تھی وہ کارنامہ سفینہ نے اپنی ازدواجی زندگی کے پہلے ہی سال میں انجام
دے ڈالا تھا لہٰذا افتخار اور برتری کا احساس ایک فطری امر تھا اور اسی احساس نے سفینہ کو
گفتگو میں خاصا غیر محتاط بھی بنا دیا تھا۔وہ فرصت کے ان لمحات میں مزے لے لے کر فرزانہ
کو اپنی اور فیصل کی محبت کے قصے بھی سنانے لگی تھی۔انہی قصوں میں بیشتر واقعات فیصل سے
اس کی شادی سے پہلے کے بھی تھے جب فیصل اپنے بینک کے کام سے سفینہ کے آفس جایا
کرتا تھا۔

سفینہ کی اسی قصہ گوئی نے فرزانہ کو اندر سے بے چین کر دیا۔وہ ذہنی اذیت میں مبتلا ہو

گئی۔وہ فیصل کی خوشی کی خاطر اپنی اوقات اور بساط سے بڑھ کر قربانی دے رہی تھی لہٰذا
سفینہ کی ان غیر محتاط باتوں سے اسے تکلیف زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔جب اس کی برداشت
جواب دے گئی تو ایک رات اس نے فیصل سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔فیصل کی تقسیم کے
لحاظ سے وہ فرزانہ کی رات تھی۔

’’فیصل! آپ کو مجھ میں کیا کمی نظر آئی تھی؟‘‘ فرزانہ نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

’’میں سمجھا نہیں فرزانہ!‘‘ فیصل نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا

’’کیا میری وفا میں کوئی کھوٹ تھا؟‘‘

’’فرزانہ! یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو......؟‘‘

وہ اپنی ہی دھن میں بولتی چلی گئی۔’’میں نے کبھی آپ کا خیال رکھنے کی کوتاہی نہیں
برتی۔آپ کی ذرا ذرا سی خوشی اور چھوٹی سے چھوٹی خواہش کو دنیا کی ہر شے پر مقدم جانا ہے
پھر......‘‘ اس کی آواز بھرا گئی۔’’پھر آپ نے ایسا کیوں کیا فیصل......کیوں؟‘‘

’’فرزانہ!‘‘ وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔’’میں نے دوسری شادی سے پہلے ہی
تمہیں بڑے واضح الفاظ میں بتا دیا تھا کہ میں کس مقصد بلکہ کن مقاصد کی خاطر یہ قدم
اٹھانے جا رہا ہوں اور......اور یہ سب کچھ تمہاری اجازت کے بعد ہی ہوا ہے۔‘‘ وہ لمحے بھر
کے لیے متوقف ہوا پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔

’’اب......جبکہ میری زندگی میں ایک عظیم خوشی کی آمد آمد ہے تو تم میری دوسری شادی
کی فضول باتوں کو کھول کر بیٹھ گئی ہو......‘‘

’’آپ غلط سمجھ رہے ہیں فیصل!‘‘ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

فیصل کی الجھن میں حیرت بھی شامل ہو گئی۔اس نے چونکتے ہوئے لہجے میں استفسار
کیا۔’’کیا مطلب ہے تمہارا؟‘‘

’’میں آپ کی سفینہ سے شادی کی بات نہیں کر رہی ہوں۔‘‘

’’پھر......؟‘‘ فیصل کی حیرت دوچند ہو گئی۔

’’میرا مطلب اس شادی سے پہلے والے واقعات سے ہے۔‘‘ وہ بہ دستور فیصل کی
آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

’’شادی سے پہلے والے واقعات؟‘‘ وہ جھنجلا کر بولا۔’’آخر تم کہنا کیا چاہ رہی

ہو......؟''

''میں ان دنوں کا ذکر کر رہی ہوں جب آپ صرف میرے شوہر ہوا کرتے تھے۔''وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوا چٹانی لہجے میں بولی۔''آپ اپنے بینک کے کام کے سلسلے میں سفینہ کے آفس جایا کرتے تھے اور وہیں پر آپ دونوں میں انڈرسٹینڈنگ ہوئی تھی۔''

''ہاں ہاں......''وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔''یہ ساری باتیں میں تمہیں سفینہ سے شادی کرنے سے پہلے ہی بتا چکا ہوں۔''

''ساری باتیں نہیں بلکہ ادھوری باتیں۔''

''کک......کیا مطلب ہے تمہارا؟''اس کی الجھن میں اضافہ ہو گیا۔

''آپ نے انڈرسٹینڈنگ کا صرف ایک پہلو مجھے دکھایا تھا۔''وہ تلخی سے مسکراتے ہوئے بولی۔''وہ دوسرا پہلو تو سفینہ کی زبانی پتا چل رہا ہے......''

''میں کچھ سمجھا نہیں۔''وہ اکتاہٹ آمیز انداز میں بولا۔''جو بھی کہنا چاہ رہی ہو کھل کر کہو......یوں پہیلیاں نہ بجھواؤ۔''

''آپ نے سفینہ سے شادی کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے مجھے بتایا تھا کہ آپ نے انکل منصور علی کی ضد اور اپنی اولاد کی خواہش کی خاطر سفینہ کو پروپوز کیا تھا۔''وہ ٹھوس انداز میں بولی۔''اور اسی وقت آپ کو پتا چلا تھا کہ سفینہ چپکے چپکے کافی عرصے سے آپ کو پسند کر رہی تھی؟''

''ہاں ہاں۔''وہ جلدی سے بولا۔''یہی حقیقت ہے۔''

''یہ حقیقت نہیں ہے فیصل!''وہ اٹل لہجے میں بولی۔

''پھر......؟''وہ ایک لفظ سے آگے کچھ نہ بول سکا۔

''حقیقت تو اب سفینہ کی زبانی کھل کر سامنے آ رہی ہے فیصل۔''وہ مجروح لہجے میں بولی۔''اور مجھے اس بات کا سخت افسوس ہے کہ آپ مجھ سے بے وفائی کرتے رہے۔ میں اس اعتماد کے ساتھ روزانہ آپ کو گھر سے رخصت کرتی تھی کہ آپ صرف اور صرف میرے ہیں ور آپ......''بولتے بولتے فرزانہ کی آواز میں نمی اتر آئی۔''آپ میرے خلوص، میری وفا کی مانت میں خیانت کرتے رہے، میرے اعتماد کو بڑی بے دردی سے ٹھیس پہنچاتے رہے؟''

''پتا نہیں، تم کیسی باتیں کر رہی ہو فرزانہ!''وہ ہڑبڑا کر بولا۔''میری تو سمجھ میں کچھ بھی

نہیں آ رہا......''

''آپ سب سمجھ رہے ہیں فیصل!''وہ شاکی لہجے میں بولی۔''آپ کو بہ خوبی اندازہ ہے کہ میرا اشارہ کس طرف ہے۔''

وہ نگاہ چرا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا جس کا واضح مطلب یہی تھا کہ وہ اپنی چوری پکڑے جانے پر خفت محسوس کر رہا تھا۔ فرزانہ نے قدرے جارحانہ انداز میں پوچھا۔

''کیا یہ سچ ہے کہ شادی سے پہلے آپ سفینہ کے ساتھ کئی مرتبہ سی ویو کی طرف گئے ہیں......؟''

فیصل کی پیشانی پر تفکر کی سلوٹیں نمودار ہو گئیں۔

''آپ لوگ گاہے بہ گاہے ایک ساتھ تنہائی میں وقت گزارتے رہے ہو۔''فرزانہ کے لہجے میں کڑواہٹ بھی شامل ہو گئی۔''کبھی اوپن ایر پارلر میں آئسکریم کھاتے ہوئے اور کبھی کسی ریسٹورنٹ میں لنچ کرتے ہوئے اور......آپ دونوں کے بیچ یہ تعلق محض 'واقفیت' تک محدود نہیں تھا بلکہ آپ ایک دوسرے کی محبت میں گردن گردن تک دھنس چکے تھے......فیصل! آپ پر اندھا بھروسا کرتی رہی اور آپ میری محبت اور میری وفا کی توہین میں مصروف رہے......کیوں......آخر کیوں؟''

''شاید تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی......''

''نہیں فیصل!''اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی فرزانہ نے حتمی لہجے میں کہا۔''مجھے کسی قسم کی غلط فہمی نہیں ہوئی۔ یہ ساری باتیں مجھے خود سفینہ نے بتائی ہیں''امید'' کی خوشی نے اسے خاصا مغرور، بے پروا اور غیر محتاط بنا دیا ہے۔ وہ مجھ پر برتری ظاہر کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی۔ مجھے سفینہ کے اس نئے رویے کا ذرا شکوہ نہیں، مگر اس نے آپ کی ذات کے حوالے سے جو اذیت ناک انکشافات کیے ہیں انہوں نے مجھے جیتے جی مار ڈالا ہے......کاش! آپ نے یہ سب نہ کیا ہوتا۔''

اتنا کہہ کر فرزانہ خاموش ہو گئی اور آنکھوں میں اتر آنے والے آنسوؤں کو دوپٹے کے پلو سے صاف کرنے لگی۔ فیصل گومگو کی کیفیت میں مسلسل اسے تک جا رہا تھا۔ چند لمحات اسی خاموشی اور بوجھل فضا میں گزر گئے پھر فرزانہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''فیصل! اگر آپ کو میری باتوں کا یقین نہ ہو تو میں گواہی کے لیے دوسرے کمرے

سے سفینہ کو بھی بلوا سکتی ہوں لیکن میں ایسا نہیں کروں گی......''

فیصل نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ گمبھیر لہجے میں بولی۔

''میں نے آپ کی آنکھوں میں تیرتے ہوئے سوال کو پڑھ لیا ہے فیصل۔ آپ یہی جاننا چاہتے ہیں ناکہ...... میں اپنی بات کو ثابت کرنے کے لیے سفینہ کو یہاں کیوں نہیں بلوانا چاہتی......؟''

فیصل منہ سے کچھ نہیں بولا تاہم اس کی آنکھوں میں یہ سوال مجسم رہا۔ ''کیوں؟''

''میں اسے لیے سفینہ کو یہاں نہیں بلواؤں گی کہ میں نے آپ سے سچی محبت کی ہے۔''

وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''مجھے گوارا نہیں کہ میری محبت کی یوں تذلیل ہو۔ آپ نے جو کیا وہ آپ کا ظرف ہے لیکن شاید......'' بولتے بولتے وہ خیالوں میں کھو گئی۔ لمحاتی توقف کے بعد وہ خواب ناک لہجے میں بولی۔

''شاید آپ محبت کرنے والی کسی عورت کے ظرف کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ عورت زندگی میں صرف ایک بار کسی مرد سے محبت کرتی ہے۔ پھر اپنا تن' من' دھن سب اس پر نچھاور کر دیتی ہے۔''

''آئی ایم ریئلی ویری سوری فرزانہ......'' فیصل نے تہ دل سے کہا۔

''اب مجھے اور شرمندہ نہ کریں فیصل!'' فرزانہ اس کے دونوں ہاتھ تھامتے ہوئے بولی۔ ''میں اسے آپ کی پہلی اور آخری غلطی سمجھ کر بھول جاؤں گی کیونکہ مجھے یقین ہے' آپ صرف اور صرف میرے ہیں......''

فیصل کے چہرے اور آنکھوں میں محبت' عقیدت' چاہت اور شکرگزاری کے تاثرات چمکنے لگے۔ وہ پیار بھری نظر سے یک ٹک فرزانہ کو دیکھتا چلا گیا۔

سفینہ کا یہ معمول تھا کہ وہ ہر ماہ چند دن کے لیے اپنے میکے جایا کرتی تھی۔ یہ عموماً وہی دن ہوا کرتے تھے جب فیصل ایک طے شدہ پروگرام کے تحت فرزانہ کے حصے میں ہوا کرتا تھا۔ اس ماہ بھی سفینہ اپنے میکے گئی' لیکن معمول کے مطابق واپس نہیں آئی تو فیصل تشویش میں مبتلا ہو گیا۔

فیصل خود ہی سفینہ کو میکے چھوڑنے جاتا تھا اور وہاں سے واپس بھی خود ہی لایا کرتا تھا مگر اب کی بار جب وہ اپنی سسرال پہنچا تو وہاں کا موسم ہی بدلا ہوا نظر آیا۔ اس کی ساس

سلطانہ بیگم نے دوٹوک الفاظ میں کہہ دیا تھا۔

''سفینہ ایک شرط پر واپس جائے گی فیصل میاں...... اور وہ شرط ہے فرزانہ کو طلاق......''

◇◇◇

فیصل یہاں تک پہنچنے کے بعد خاموش ہوا تو میں نے چونک کر پوچھا۔ ''آپ کی ساس نے یہ کس قسم کی شرط عائد کر دی تھی؟''

''نہایت ہی بے ہودہ اور واہیات قسم کی شرط۔'' وہ زہرخند لہجے میں بولا۔ ''اس روز مجھے پتا چلا تھا کہ میری ساس کیسی احمق عورت ہے۔''

''بات کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی فیصل صاحب!'' میں نے الجھن زدہ نظر سے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ''جب آپ سفینہ کو اس کے میکے چھوڑنے گئے تھے تو کیا سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا؟''

''ایک دم ٹھیک ٹھاک وکیل صاحب!'' وہ پُروثوق انداز میں بولا۔ ''سب کچھ معمول کے عین مطابق تھا۔''

''یہاں آپ کے گھر میں فرزانہ کے ساتھ سفینہ کا کوئی جھگڑا ہوا ہو؟''

''بالکل نہیں جناب۔'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''سب امن امان تھا۔ میں نے تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سفینہ کے میکے پہنچ کر مجھے اس قسم کی صورت حال کا سامنا ہوگا۔''

''آپ نے اپنی ساس صاحبہ سے سوال نہیں کیا کہ وہ کس جرم کی سزا کے طور پر فرزانہ کو طلاق دینے کے لیے کہہ رہی ہیں؟'' میں نے فیصل سے پوچھا۔

اس نے بتایا۔ ''میں نے سوال کیا تھا......''

''پھر سلطانہ بیگم نے کیا جواب دیا؟''

''نہایت ہی نامعقول جواب۔'' وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔ ''کہنے لگیں' فیصل میاں! تمہیں دو میں سے ایک بیوی کا انتخاب کرنا ہوگا۔ اگر سفینہ کو اپنے ساتھ لے کر جانا چاہتے ہو تو فرزانہ کو طلاق دینا ہوگی۔ اس کی موجودگی میں' میں اپنی بیٹی کو تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گی۔''

''اس موقع پر آپ کی سیکنڈ وائف سفینہ نے کیا موقف اختیار کیا تھا؟''میں نے نہایت ہی اہم سوال کیا۔

''جس روز یہ ایشو اٹھا اس وقت سفینہ کی اپنی کوئی رائے دیکھنے اور سننے میں نہیں آئی تھی۔''فیصل نے بتایا۔

''لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ بھی اپنی ماں کی ہم نوا بن گئی۔اس نے بھی واضح الفاظ میں مجھ سے یہی مطالبہ کیا کہ اگر میں اسے اپنی بیوی بنا کر رکھنا چاہتا ہوں تو پھر مجھے فرزانہ کو اپنی زندگی سے نکالنا ہوگا......اور اگر میں فرزانہ کو طلاق دینے پر تیار نہیں ہوتا تو پھر اس کا خیال دل سے نکال دوں۔''

''یہ کتنا عرصہ پہلے کی بات ہے؟''

''لگ بھگ اڑھائی سال۔''فیصل نے جواب دیا۔

عائشہ کی عمر اس وقت کم وبیش دو سال ہے۔عائشہ اپنی ننھیال ہی میں پیدا ہوئی تھی۔''

''اوہ......''میں نے رف پیڈ پر قلم گھسیٹتے ہوئے سوال کیا۔''جب ماں بیٹی ایک ہی سبق دہرانے لگی تھیں تو اس موقع پر آپ نے کیا موقف اختیار کیا تھا؟''

''میں نے اپنی ساس کو سمجھانے اور اپنی بیوی کو منانے کی کوشش کی تھی......''

''تو کیا آپ کی بات ان کی سمجھ میں آ گئی تھی؟''

''وکیل صاحب!اگر میری بات ان میں سے کسی ایک کی سمجھ میں بھی آ گئی ہوتی تو آج سفینہ اور عائشہ میرے ساتھ زندگی گزار رہی ہوتیں اور مجھے عائشہ کے حصول کے لیے کسی قسم کی قانونی مدد لینے کی ضرورت پیش نہ آتی۔''

''ایک بات کہوں فیصل صاحب!''میں نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔''اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو......؟''

''نیور مائنڈ وکیل صاحب۔''وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔

''آپ جو بھی کہنا چاہتے ہیں' بے دھڑک کہہ ڈالیں......''

''آپ نے مجھے اپنی زندگی کی جتنی کہانی سنائی ہے۔''میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔''اس سے میں ایک یہ نتیجے پر پہنچا ہوں۔''

''کون سے نتیجے پر وکیل صاحب؟''

''سفینہ اور آپ کی شادی جن بھی حالات میں ہوئی ہو۔''میں نے کہا''لیکن یہ شادی ہو جانے کے بعد سفینہ اور اس کی ماں نے ایک مخصوص ذہن بنا لیا تھا۔انہیں ایک خاص وقت کا انتظار تھا......''

وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔''میرا بھی یہی خیال ہے۔''

''عورت چاہے کتنے بھی وسیع دل کی مالک ہو اور وہ کسی مرد سے کتنی بھی محبت کیوں نہ کرتی ہو......''میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔''لیکن وہ کسی شادی شدہ مرد سے شادی کا فیصلہ کرنے سے پہلے سو بار سوچتی ہے اور جب تک کوئی اہم مقصد اس کے پیش نظر نہ ہو وہ یہ خطرناک قدم نہیں اٹھاتی۔''

میں نے لمحاتی توقف کر کے فیصل کی جانب دیکھا۔وہ یک ٹک مجھے ہی دیکھ رہا تھا۔

میں نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

آپ کے کیس میں بھی کچھ ایسا ہوا ہے فیصل صاحب۔آپ کی سفینہ سے شادی ہو گئی۔جتنی وسیع القلبی سے فرزانہ نے سفینہ کو قبول کیا' ایثار کا ایسا مظاہرہ سفینہ کی طرف سے دیکھنے میں نہیں آیا۔وہ بظاہر فرزانہ کو ایک بہن اور ایک سہیلی سمجھتی رہی تاہم اس نے دل سے فرزانہ کو قبول نہیں کیا تھا۔وہ فرزانہ کی اس کمزوری سے بہ خوبی واقف تھی کہ وہ آپ کے لیے اولاد پیدا نہیں کر سکی تھی لہٰذا سفینہ بڑے صبر وسکون سے اس وقت کا انتظار کرتی رہی جب وہ امید سے ہو جائے۔آپ نے اولاد کے حصول کی خاطر دوسری شادی کی تھی چنانچہ فطری طور پر آپ کا جھکاؤ اسی بیوی کی جانب زیادہ ہوتا جو آپ کے لیے اولاد پیدا کرنے جا رہی تھی......''میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''میں سمجھتا ہوں' سفینہ اور اس کی ماں سلطانہ بیگم نے ایک گہری سازش کے تحت آپ کو پھانسا ہے۔وہ دونوں آپ کی نفسیاتی کمزوریوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔انہیں پتا ہے' آپ اپنی بچی کی خاطر سفینہ کی جانب جھکیں گے اور وہ آپ کو مجبور کرنے میں کامیاب ہو جائیں گی کہ آپ فرزانہ کو طلاق دے دیں۔کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''آپ قطعاً غلط نہیں کہہ رہے وکیل صاحب۔''وہ بڑی رسان سے بولا۔''انہوں نے اب تک میرے ساتھ وہی کیا ہے جو تجزیہ آپ نے پیش کیا ہے لیکن اللہ کے فضل وکرم سے وہ

ماں بیٹی ابھی تک مجھے شکست دینے میں کامیاب نہیں ہو سکیں اور اب تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''میں نے ایک حتمی فیصلہ کر لیا ہے۔'' وہ بڑے عزم سے بولا۔

میں نے پوچھا۔ ''کیسا فیصلہ؟''

''میں نے سفینہ پر لعنت بھیج کر اپنی بچی کو حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے وکیل صاحب!'' وہ بڑے ٹھوس انداز میں بولا۔

''فیصل صاحب! آپ نے تھوڑی دیر پہلے مجھے بتایا تھا کہ یہاں آنے سے پہلے بھی آپ دو تین وکلا سے ملاقات کر چکے ہیں' لیکن آپ ان کی کارکردگی سے مطمئن نہیں ہیں۔'' میں نے کہا۔

''جی ہاں' میں نے آپ کو بالکل ٹھیک بتایا ہے۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''دو وکلاء کا تجربہ تو انتہائی تلخ رہا ہے۔ اب تیسرے سے واسطہ ہے اور یہ کیس بھی عدالت میں ہے۔'' وہ ایک لمحے کے لیے متوقف ہوا پھر عجیب سے لہجے میں اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''وکیل صاحب! میں نے سنا ہے' ہمارے ملک کی عدالتوں میں سب کچھ ممکن ہے۔ کیا یہ بات درست ہے؟''

''میں سمجھا نہیں......'' میں نے تعجب خیز نظر سے اسے دیکھا۔

''مطلب یہ کہ یہاں پیسے کی طاقت سے سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کرنا بہت آسان ہے......'' اس نے جواب دیا۔

''بعض کیسوں میں یقیناً ایسا ہوتا ہوگا۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔ ''اگر آپ اس نیت سے میرے پاس آئے ہیں تو آپ کو سخت مایوسی ہوگی فیصل صاحب! میں ان وکیلوں میں سے نہیں ہوں جو پیسے کے زور میں لگے رہتے ہیں۔''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا بیگ صاحب!'' وہ جلدی سے بولا۔

''پھر آپ نے مجھ سے کیوں ایسا سوال کیا؟'' میں نے پوچھا۔ ''یہ بات کرتے ہوئے آپ کے ذہن میں کیا تھا؟''

''وہ دراصل بات یہ ہے کہ......'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''میں نے سن رکھا

ہے' جب تک بچے کی عمر آٹھ سال نہ ہو جائے' عدالت اسے ماں کی تحویل میں رکھنے کا حکم دیتی ہے اس لیے میں چاہ رہا تھا کہ اگر پیسہ بھی خرچ کرنا پڑے تو میں تیار ہوں۔ کوئی ایسا چمتکار دکھائیں کہ میری بیٹی عائشہ مجھے مل جائے۔''

''دیکھیں فیصل!'' میں نے گہری سنجیدگی سے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''پہلی بات تو یہ کہ آپ نے چائلڈ کسٹڈی (بچے کی تحویل) کے بارے میں جو بھی سنا ہے وہ سراسر غلط ہے آپ کی اطلاع کے لیے عرض کردوں کہ اس سلسلے میں بچے کی عمر آٹھ نہیں' سات سال مقرر ہے اور یہ کوئی فارمولا نہیں کہ عدالت اس مخصوص مدت تک بچے کو ماں کی تحویل میں دینے کا حکم دیتی ہے۔''

''پھر۔'' میں لمحے بھر کے لیے تھما تو اس نے سوال داغ دیا۔

''جب چائلڈ کسٹڈی کا کوئی کیس عدالت میں جاتا ہے تو اس کا واضح مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس بچے کے والدین میں علیحدگی ہو چکی ہے یعنی ان میں رشتہ ازدواج باقی نہیں رہا۔ ایسی صورت میں مذکورہ بچہ عدالت کی ذمے داری بن جاتا ہے اور قانون کی زبان میں ''مائنر'' کہلاتا ہے۔ عدالت ماں اور باپ کو نظرانداز کر کے صرف اور صرف مائنر کے مفادات کا تحفظ کرتی ہے۔ ماں اور باپ کے معاشی اور معاشرتی سیٹ اپ کا تقابلی جائزہ لیا جاتا ہے اور عدالت کی نظر میں صحت' تعلیم' خوراک اور اخلاقی ترتیب کے حوالے سے جہاں کا ماحول زیادہ مفید اور موزوں ہو' بچہ اسی ماحول کے حامل فرد کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ وہ فرد ماں بھی ہو سکتی ہے اور باپ بھی......''

''اور اگر بچے کی ماں اور باپ دونوں عدالت کے مقررہ معیار پر پورے نہ اترتے ہوں تو؟'' اس نے اضطراری لہجے میں سوال کیا۔

''عموماً ایسا ہوتا نہیں۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ماں اور باپ میں سے کوئی ایک بچے کے لیے نسبتاً زیادہ موزوں ثابت ہو ہی جاتا ہے اور بالفرض محال......'' میں نے ایک گہری سانس خارج کی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر ایسا ہی ہو جیسا آپ بیان فرما رہے ہیں تو پھر مذکورہ بچے کو عدالت بچوں کے کسی فلاحی مرکز کے حوالے کر دیتی ہے۔''

''اوہ......'' اس کے چہرے پر حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات چمکنے لگے۔ ''اگر

یہی صورت حال ہے تو عدالت یقیناً عائشہ کو میری کسٹڈی ہی میں دے گی۔"

"اس کا مطلب ہے' عائشہ صحت' تعلیم' خوراک اور اخلاقی تربیت کے حوالے سے آپ کے پاس زیادہ محفوظ ثابت کی جاسکتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یقیناً۔" وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ "میرے اور میری سسرال کے گھر کے ماحول میں زمین آسمان کا فرق ہے۔"

"یعنی آپ کے گھر کا ماحول ان کے گھر کے ماحول سے بہتر ہے؟"

"صرف بہتر نہیں...... بہت بہتر اور محفوظ و مضبوط۔" وہ ٹھوس انداز میں بولا۔

"عدالت میں اس امر کو ثابت بھی کرنا ہوگا۔" میں نے کہا۔

"میں بہت آسانی سے ثابت کرسکتا ہوں۔" وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ "مجھے تو ایک وکیل صاحب نے ڈرا ہی دیا تھا۔"

"کیا مطلب فیصل صاحب؟" میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں نے اس کیس کے سلسلے میں جن وکیل صاحب سے سب سے پہلے رابطہ کیا تھا انہوں نے پتا ہے' مجھ سے کیا کہا تھا......"

"بتائیں' کیا کہا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"انہوں نے پوری توجہ سے میری کہانی سنی اور میرے خاموش ہونے پر کہا تھا' آپ فکر ہی نہ کریں فیصل صاحب! اس کیس کا فیصلہ آپ ہی کے حق میں ہوگا۔ میں مطمئن ہو گیا۔ جب انہوں نے کیس تیار کرلیا اور مجھے پڑھنے کے لیے دیا کہ ایک نظر میں بھی دیکھ لوں تاکہ عدالتی کارروائی کے دوران میں کوئی الجھن پیش نہ آئے۔ میں نے وہ کیس پڑھا تو چونک اٹھا اور حیرت بھرے لہجے میں ان وکیل صاحب سے کہا۔

"وکیل صاحب! اس میں تو نوے فیصد باتیں جھوٹی لکھی ہوئی ہیں۔ ایسا تو کچھ نہیں۔"

"میاں فیصل......" انہوں نے معنی خیز انداز میں مجھے دیکھا اور کہا۔ "اگر آپ یہ کیس جیتنا چاہتے ہیں تو اپنے سچ کو عدالت سے دور ہی رکھیے گا ورنہ آپ کا پیسہ اور میری محنت ضائع ہو جائے گی۔"

"میں سمجھ گیا' ان وکیل صاحب نے کیس کی بنیاد کس نقطے پر رکھی ہوگی۔" میں نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا۔

فیصل متذبذب انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے کہا۔ "انہوں نے آپ کی بیوی سفینہ کو بدکردار اور فاحشہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی نا؟"

"جی...... جی ہاں۔" وہ جلدی سے بولا۔ "آپ کو کیسے پتا چلا بیگ صاحب؟"

"ایسے پتا چلا کہ......" میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ "چائلڈ کسٹڈی کے کیسوں میں نوے فیصد وکلاء یہی حربہ استعمال کرتے ہیں۔ وہ بچہ باپ کی تحویل میں دلوانے کے لیے اس کی ماں کو بدکردار اور فاحشہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں' لیکن یہ گھٹیا اور غیر اخلاقی ہتھکنڈا ہے۔ صحیح اور مستحسن عمل وہی ہے جو میں نے تھوڑی دیر پہلے بیان کیا ہے۔ عدالت کو کبھی کمزور اور بے وقوف نہیں سمجھنا چاہیے۔"

"میں نے ان وکیل صاحب سے جان چھڑائی اور دوسرے وکیل صاحب کی خدمات حاصل کرلیں۔" فیصل نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ وکیل صاحب بڑے غیر محسوس انداز میں فریق مخالف سے جا ملے اور کیس ہوا میں معلق ہوکر رہ گیا مجبوراً مجھے ان سے بھی جان چھڑانا پڑی اور اب میرا کیس جاوید ترمذی صاحب کے پاس ہے۔"

"اوہ' جاوید ترمذی کے پاس ہے۔" میں نے ایک گہری سانس خارج کی۔

"بیگ صاحب! میں ترمذی صاحب کی کارکردگی سے بالکل مطمئن نہیں ہوں۔" فیصل نے اکتاہٹ آمیز لہجے میں کہا۔ "اسی لیے اب میں یہ کیس آپ کے سپرد کرنا چاہتا ہوں۔"

"جاوید ترمذی صاحب وکیل کم اور سیاست دان زیادہ ہیں۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "انہیں خبروں میں رہنے کا شوق ہے۔ ایک مقامی اخبار میں وہ کالم نویسی بھی فرماتے ہیں۔ مجھے تو حیرت ہے' انہوں نے آپ کا کیس لے کیسے لیا۔ ان کی تو دیگر سیاسی مصروفیات ہی اتنی زیادہ ہیں کہ اس قسم کے چھوٹے موٹے کیسوں میں وہ ہاتھ ہی نہیں ڈالتے۔"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں بیگ صاحب۔" وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "ابھی تک تو وہ میرے کیس کے سلسلے میں ایک بار بھی عدالت میں پیش نہیں ہوئے۔ انہوں نے میرا معاملہ اپنے ایک اسسٹنٹ وکیل کے حوالے کر رکھا ہے......" وہ لمحاتی توقف کرکے اس نے ایک گہری سانس لی پھر بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

"ترمذی صاحب سے ان کے آفس ہی میں دو چار مرتبہ میری ملاقات ہوئی ہے۔ میں

نے جب بھی اپنے کیس کی جانب ان کی توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی تو بڑی سنجیدگی سے یہ کہہ دیتے ہیں...... فیصل صاحب! آپ بالکل بےفکر ہو جائیں۔آپ کا کیس میرے ذہن میں ہے۔میں بس ایک بار عدالت جاؤں گا اور ایک جملہ بولوں گا۔اسی وقت اس کیس کا فیصلہ ہو جائے گا‘ لیکن وہ ایک دن آ کر نہیں دے رہا جب وہ عدالت میں پہنچ کر وہ تاریخ ساز جملہ بولیں گے......‘‘

’’اب تک آپ کے کیس کے ساتھ جو کچھ بھی ہو چکا اسے بھول جائیں۔میں کل عدالت جا کر آپ کے کیس کی اسٹڈی کر لوں گا۔‘‘ میں نے تسلی آمیز انداز میں کہا۔’’آپ مجھے اپنے کیس کا نمبر‘ اندراج کی تاریخ‘ ماتحت عدالت اور آخری پیشی کی تاریخ نوٹ کرا دیں۔اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیں کہ آئندہ پیشی کب ہے......؟‘‘

اس نے آئندہ پانچ منٹ میں‘ میری مطلوبہ معلومات فراہم کر دیں۔میں مزید پندرہ بیس منٹ تک گھما پھرا کر اس سے مختلف سوالات کرتا رہا پھر فیس وصول کرنے کے بعد اسے رخصت کر دیا۔

✧✧✧

فیصل سے حاصل شدہ معلومات کے مطابق‘ جب سفینہ روٹھ کر میکے جا بیٹھی تھی تو اس نے اسے واپس لانے کے لیے ہر وہ جتن کر ڈالا تھا جو اس کے بس میں تھا۔سمجھانے بجھانے سے لے کر منت سماجت تک ہر حربہ آزما لیا‘ لیکن اسے ایک ذرا سی بھی کامیابی حاصل نہیں ہو سکی تھی۔سفینہ اور اس کی ماں سلطانہ بیگم ’’زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد‘‘ کی عملی تفسیر بن کر رہ گئی تھیں۔فیصل کے پاس تحریری معاہدے کی نقل موجود تھی جو سلطانہ بیگم نے سفینہ کی شادی سے قبل فیصل سے ایک اسٹامپ پیپر پر تیار کرایا تھا۔اس معاہدے کے مندرجات فیصل کے حق میں جاتے تھے‘ کیونکہ وہ اپنی بیوی کو واپس لے جانا چاہتا تھا لہٰذا اس نے یونین کونسل میں اپنا مسئلہ پیش کر دیا۔

یونین کونسلر نے فیصل کو حق بہ جانب ٹھہراتے ہوئے سفینہ کو اس کے ساتھ جانے کی ہدایت کی تھی‘ لیکن سلطانہ بیگم نے کمال ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یونین کونسل کے فیصلے کو مسترد کر دیا تھا۔یہی نہیں بلکہ اس کے ایما پر بعض غنڈا صفت لوگوں نے فیصل کو دھمکیاں دینا شروع کر دیں۔اس صورت حال نے فیصل کو بوکھلا کر رکھ دیا اور اس نے اپنے ایک مخلص

دوست سے تذکرہ کیا۔اس کا مذکورہ دوست خاصا چلتا پرزہ قسم کا بندہ تھا اور بڑی حد تک وہ فیصل کے خانگی حالات سے واقفیت بھی رکھتا تھا۔اس نے فیصل کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

’’یار! یہ بتاؤ‘ تم نے ابھی تک بھابی کو طلاق تو نہیں دی‘ نا؟‘‘

’’میری ساس کی کوشش تو یہی ہے کہ میں یا تو اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دوں یا پھر دوسری بیوی کو بھول جاؤں۔‘‘ فیصل نے اپنے دوست کے سوال کے جواب میں بتایا۔’’لیکن میں نے ابھی تک ان دونوں میں سے کوئی بھی قدم نہیں اٹھایا۔‘‘

’’گویا سفینہ بھابی ابھی تک تمہارے نکاح میں ہیں۔‘‘ دوست نے تصدیقی انداز میں استفسار کیا۔’’وہ تمہاری بیوی ہیں؟‘‘

’’بالکل...... اس میں کیا شک ہے۔‘‘ فیصل نے پورے تیقن سے جواب دیا۔

دوست ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔’’آؤ میرے ساتھ۔‘‘

’’کہاں؟‘‘ فیصل بھونچکا نظر سے اسے دیکھنے لگا۔

’’لیاقت آباد چلتے ہیں۔‘‘ دوست بڑے عزم سے بولا۔’’تمہاری سسرال میں۔‘‘

بات ختم کرتے ہی اس نے اپنے لباس میں سے ایک خطرناک گن برآمد کر لی۔فیصل نے سراسیمہ انداز میں پوچھا۔’’تم...... تمہارا ارادہ کیا ہے؟‘‘

’’تم میرے ساتھ چلو۔ہم ابھی بھابی کو لے کر آ رہے ہیں۔‘‘ دوست خطرناک انداز میں گن کی نمائش کرتے ہوئے بولا۔’’جس سالے سسر نے بھی ہمارا راستہ روکنے کی کوشش کی اس کی لاش گرا دوں گا۔‘‘

فیصل اپنے دوست کے تیور دیکھ کر سہم گیا‘ جلدی سے بولا۔’’ابھی اس قسم کی جارحانہ کارروائی کی ضرورت نہیں۔‘‘

’’لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے فیصل!‘‘ وہ سنگین لہجے میں بولا۔’’تم نے شرافت اور انسانیت کا ہر کلیہ قاعدہ استعمال کر کے دیکھ لیا نا۔یہ گھی سیدھی انگلی سے نکلنے والا نہیں ہے۔تم میرے ساتھ چلو پھر دیکھو میں کس طرح اس معاملے کو نمٹاتا ہوں۔‘‘

’’نہیں...... نہیں......‘‘ فیصل نے بڑی شدت سے نفی میں گردن ہلائی۔’’تم اپنے منصوبے کو چند روز کے لیے موقوف کر دو۔اگر تمہاری ضرورت پیش آئی تو میں تمہیں ضرور

زحمت دوں گا۔''

''چند دن......'' دوست نے الجھن زدہ لہجے میں کہا۔''چند دن میں کیا ہونے والا ہے فیصل؟''

''وہ بات دراصل یہ ہے کہ......'' فیصل وضاحت کرتے ہوئے بولا۔''ایک صاحب ہیں...... فیضان۔ وہ ہم دونوں کے مشترکہ واقف کار ہیں۔ میں نے ان کو بیچ میں ڈالا ہے۔ وہ ہماری صلح کرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مجھے امید ہے فیضان صاحب کی بات سفینہ اور سلطانہ بیگم کی سمجھ میں آ جائے گی۔''

''سب بے کار ہے فیصل۔'' دوست نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔''مجھے تمہارا یہ کام ہوتا نظر نہیں آ رہا۔ بہرحال......'' اس نے معنی خیز انداز میں کندھے اچکائے اور بے پروائی سے بولا۔

''جیسی تمہاری مرضی۔ میں کوئی زور زبردستی تھوڑی کر سکتا ہوں۔''

اپنے دوست کو تو فیصل نے کسی بھی نوعیت کی ہنگامی کارروائی سے روک دیا تھا' لیکن فیضان پر وہ اندھا اعتماد کیے ہوئے تھا۔ فیصل بنیادی طور پر ایک شریف اور صلح جو انسان تھا۔ ہر شریف آدمی عموماً بزدل واقع ہوتا ہے۔ وہ دنگا فساد اور افراتفری کے کاموں سے دامن چھڑانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی حال فیصل کا بھی تھا۔ اس نے ایک مخلص اور جذباتی دوست کا ساتھ دینے سے تو انکار کر دیا تھا تاہم وہ فیضان پر آنکھیں بند کر کے بھروسا کر رہا تھا جبکہ فیضان اس سے زیادہ مخالف پارٹی کا وفادار تھا۔ وہ فیصل کی زبان سے نکلنے والی ایک ایک بات سلطانہ بیگم تک پہنچا رہا تھا۔ جب فیضان کی اصلیت فیصل پر کھلی تو پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔ اس نے فی الفور فیضان سے قطع تعلق کر لیا۔ تاہم فیضان کی ذات سے فیصل کو جو نقصان پہنچنا تھا' وہ پہنچ چکا تھا۔ اسی فتنہ پروری کے باعث کیس عدالت تک پہنچا تھا۔

ہوا کچھ یوں کہ اس معاملے میں مسلسل ناکامیابی کے بعد فیصل نے ایک سخت قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ سفینہ کو واپس اپنے گھر لانے کے لیے عدالت سے رجوع کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ سفینہ واپس آ جاتی تو اس کے ساتھ ہی عائشہ کو بھی آنا پڑتا۔ اسٹامپ پیپر پر تحریر شدہ معاہدہ اس سلسلے میں فیصل کے لیے مددگار ثابت ہو سکتا تھا' لیکن قبل اس کے کہ فیصل اپنی سوچ کو عملی جامہ پہناتا' دوسری جانب سے پہل کر دی گئی تھی۔

فیصل نے اپنے منصوبے سے فیضان کو بھی تفصیلاً آگاہ کر دیا تھا۔ فیضان نے اس کے ارادے کی تائید بھی کی تھی' لیکن اس کے ساتھ ہی فیضان نے مخالف پارٹی کو فیصل کے منصوبے کے بارے میں بتا دیا تھا۔ اگر فیصل اپنی بیوی اور بیٹی کے حصول یا واپسی کے لیے پہلے عدالت سے رجوع کر لیتا تو یقیناً اس کا پلا بھاری رہتا' لیکن ہوا اس کے برعکس۔ فیصل اپنی سوچ کو عملی شکل دینے کی منصوبہ بندی کر ہی رہا تھا کہ سفینہ کی جانب سے خلع کے علاوہ بچی کے اخراجات وغیرہ کا بھی کیس دائر تھا۔ یہ سب کچھ تو تھا' لیکن ابھی تک تمام ترکیسز کی مد میں کوئی قابل ذکر کارروائی عمل میں نہیں لائی جا سکتی تھی اور...... اب یہ کیس میرے ہاتھ میں تھا۔

میں نے آئندہ روز عدالت جا کر اس کیس کا بغور مطالعہ کر لیا' پھر فیصل کو اپنے آفس بلا کر اس سے کچھ معلومات لیں اور نئے سرے سے اس کیس کی تیاری میں لگ گیا۔

◇◇◇

اگلی پیشی پر میں عدالت میں حاضر ہوا اور اپنا وکالت نامہ دائر کر دیا۔ جج نے زیادہ حیرت کا اظہار نہیں کیا' کیونکہ وکلاء کی تبدیلی کوئی چونکا دینے والی بات نہیں سمجھی جاتی۔ میرے وکالت نامہ دائر کرنے کا مقصد یہی تھا کہ اب اس کیس کی پیروی میں کروں گا۔

اپنی باری پر میں نے دلائل کا سلسلہ شروع کیا۔

''جناب عالی! یہ کیس حال ہی میں میرے ہاتھ آیا ہے' لیکن خوش قسمتی سے مجھے اس کی اسٹڈی کا بھرپور موقع مل گیا اور یہ جان کر مجھے سخت افسوس ہوا کہ ایک معمولی سے کیس کو اتنے عرصے تک لٹکا کر رکھا گیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں' میں تاخیر کا ذمے دار صرف اور صرف وہ وکیل ہے جو مجھ سے پہلے مسٹر فیصل کی وکالت کر رہا تھا......'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے اپنے دلائل جاری رکھے۔

''یور آنر! جیسا کہ معزز عدالت بہ خوبی جانتی ہے کہ میرے مؤکل کی سیکنڈ وائف مسماۃ سفینہ کی جانب سے خلع کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ میرے مؤکل نے مسماۃ سفینہ کو اپنے گھر میں بسانے کی ہر ممکن کوشش کر کے دیکھ لی۔ یہ معاملہ یونین کونسل سے ہوتے ہوئے عدالت تک پہنچا اور مسماۃ سفینہ کی طرف سے خلع کا مطالبہ اس امر کا غماز ہے کہ وہ کسی بھی قیمت پر اپنے شوہر یعنی میرے مؤکل کے ساتھ رہنے کو تیار نہیں۔ اپنی تمام تر کوششوں میں ناکامی کے بعد

میرا مؤکل بھی بالآخر اسی فیصلے پر پہنچا ہے کہ اگر مسماۃ سفینہ اس کی زندگی سے خارج ہونا ہی چاہتی ہے تو اب وہ بھی اسے روکنے کی تگ و دو نہیں کرے گا۔ گویا یہ کیس اپنے منطقی انجام کو پہنچتا دکھائی دیتا ہے۔ اگرچہ اس بات کا مطالبہ کرنا مسماۃ سفینہ کے وکیل کا فرض بنتا ہے کہ خلع کا دعویٰ پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے' لیکن میں اپنے کیس کو مدنظر رکھتے ہوئے صرف اتنا عرض کروں گا کہ چائلڈ کسٹڈی والا معاملہ اسی وقت اٹھایا جا سکتا ہے جب مسماۃ سفینہ اور مسمی فیصل کے بیچ پایا جانے والا تعلق کسی حتمی شکل کو اختیار کر لے لہٰذا میری معزز عدالت سے استدعا ہے کہ اس کیس کو جلد از جلد نمٹانے کی کوشش جائے۔''

خلع کا دعویٰ چونکہ سفینہ کی جانب سے فائل کیا گیا تھا' چنانچہ اس بدلتی ہوئی صورت حال میں اس کا وکیل کسی قسم کی راہ فرار اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اپنے دعوے کے حق میں دلائل دینے پر مجبور ہو گیا۔

خلع کے کیسز کم از کم ایک اور زیادہ سے زیادہ دو پیشیوں کی مار ہوتے ہیں' لیکن بدقسمتی سے اس کیس کی ابھی تک ایک بھی باقاعدہ سماعت نہیں ہوئی تھی۔ کسی نہ کسی وجہ سے معاملہ ٹل جاتا اور اگلی پیشی کے لیے تاریخ دے دی جاتی۔ آج پہلی مرتبہ ڈھنگ سے عدالتی کارروائی ہو رہی تھی۔

کوئی بھی کام جب ڈھنگ سے کیا جائے تو اس کے بڑے حوصلہ افزا نتائج برآمد ہوتے ہیں لہٰذا اس دن کی سماعت کے اختتام پر عدالت نے سفینہ کو خلع دے دی۔ گویا اب وہ قانونی طور پر فیصل کی بیوی نہیں رہی تھی۔

جج نے آئندہ پیشی کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کرنے کا اعلان کر دیا۔

''دی کوٹ از ایڈ جارنڈ......''

✧✧✧

اب یہ کیس ایک مخصوص ٹریک پر آ گیا تھا۔ فیصل کی دو سالہ بچی عائشہ اپنی ماں کی کسٹڈی میں تھی اور مجھے اسے وہاں سے نکال کر فیصل کی تحویل میں لانا تھا۔ آئندہ دو پیشیوں پر سفینہ نے دانستہ ایسا رویہ اپنایا کہ فیصل اپنی بچی کی ایک جھلک بھی نہ دیکھ سکے۔ وہ فیصل کی کمزوری سے بہ خوبی واقف تھی اور عائشہ کو وہ ایک خطرناک ہتھیار کے طور پر فیصل کے خلاف استعمال کر رہی تھی۔

اس سے بعد کی دو پیشیوں پر فیصل' عائشہ سے مختصر سی ملاقات کرنے میں کامیاب تو رہا لیکن یہ ''ملاقاتیں'' جس نوعیت کی ہوتی ہیں اور جس قسم کے ماحول میں کرائی جاتی ہیں وہ افسوسناک ہونے کے علاوہ بچے کی نفسیات کے لیے بھی انتہائی ہولناک اور تباہ کن ہے۔ ایک میلے اور گندے سے کمرے میں باپ ڈھیروں کھلونے سجائے اپنی اولاد کے ساتھ ملن کے چند گھڑیوں میں سے سکون اور خوشی کو کشید کرنے کی کوشش میں لایعنی اور عجیب و غریب حرکتیں کرتا نظر آتا ہے۔ وہ اپنی سمندر سے زیادہ گہری اور آسمان سے زیادہ وسیع و عریض محبت کو چند لمحات میں اپنے جگر گوشے پر نچھاور کرنا چاہتا ہے اور اس کی یہ کوشش دیکھنے والوں کو بڑی بھونڈی نظر آتی ہے۔ بچے کے قریب ہی ایک جانب اس کی ماں اپنے سابق شوہر سے منہ موڑے بیٹھی غم و غصے اور اکتاہٹ کی تصویر بنی دکھائی دیتی ہے۔ اس پر مستزاد خوفناک چہروں والے پولیس اہلکار جن کی نگرانی میں یہ ملاقات کرائی جا رہی ہوتی ہے۔ سب سے زیادہ متوحش اور قابل رحم وہ بچہ نظر آتا ہے۔ اس کا معصوم دماغ اور پھول سوچ یہ سمجھنے سے قاصر رہتی ہے کہ والدین کے ان اختلافات میں آخر اس کا قصور کیا ہے۔ ماں نے اس کے باپ کو اور باپ نے اس کی ماں کے کس گناہ کی پاداش میں اس سے چھین لیا ہے۔ اگر کوئی بھی صاحب دل مرد یا عورت بچے کی حالت کو آنکھوں سے دیکھ لے تو زندگی میں کبھی اپنے شریک حیات سے الگ ہونے کے بارے میں نہ سوچے۔ میں نے اہل دل والدین کی بات کی ہے' انسان نما چلتی پھرتی مشینوں کی نہیں۔

اگلی پیشی پر میں نے اس انتہائی نازک ایشو کو جج کے سامنے اٹھایا۔ ''جناب عالی!'' میں نے نہایت ہی احترام کے ساتھ کہا۔ ''ہماری عدالتوں کے لیے جو ماحول اور طریق کار سال ہا سال سے رائج ہے وہ بہت ہی شرمناک اور غیر انسانی ہے۔ اس مقصد کے لیے عدالت کے احاطے میں ایک پلے لینڈ بنایا جا سکتا ہے جہاں کے پُرسکون ماحول اور خوشگوار فضا میں یہ ملاقات یادگار کی حیثیت اختیار کر سکتی ہے۔''

جج نے میری تجویز پر کوئی تبصرہ نہیں کیا' محض سر ہلانے پر اکتفا کیا اور منتظر نگاہ سے مجھے تکنے لگا کہ میں آگے کچھ بولوں۔

میں نے کہا۔ ''یور آنر! جیسا کہ عدالت جانتی ہے میرے موکل مسٹر فیصل نے دوسری شادی ایک خاص مقصد کے تحت کی تھی۔ پہلی بیوی سے اس کی اولاد نہیں تھی۔ دوسری شادی

کے موقع پر میرے مؤکل اوراس کی سابق بیوی کی ماں سلطانہ بیگم کے درمیان باقاعدہ اسٹامپ پیپر پر ایک معاہدہ تحریر کیا گیا تھا۔اس تحریر کے اندر بھی دوسری شادی کی وجوہ کا ذکر موجود ہے......‘‘میں نے توقف کر کے وکیل مخالف کی جانب دیکھا اور سلسلہ دلائل کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

’’اس معاہدے کی کاپی کیس فائل کے اندر لگی ہوئی ہے۔میرے مؤکل نے ہر قدم پر اس معاہدے کی پاسداری کی ہے اور عدالت یہ بھی جانتی ہے کہ خلع والے معاملے سے پہلے تک میرے مؤکل کی پہلی اور آخری کوشش یہی رہی تھی کہ کسی طرح مصالحت ہو جائے۔وہ اپنی بیوی اور بچی کو کسی بھی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا تھا لیکن دوسری جانب تو نہایت ہی منصوبہ بندی کے ساتھ میرے مؤکل کو کارنر کیا جا رہا تھا۔‘‘

میں ایک مرتبہ پھر رکا‘ ایک گہری سانس خارج کی اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہنا شروع کیا۔’’یور آنر! میرے مؤکل کی سیکنڈ وائف اور اس کی والدہ سلطانہ بیگم کے دل میں پہلے ہی کھوٹ تھا۔سفینہ اس وقت تک بڑی کشادہ دلی سے مسٹر فیصل کی پہلی بیوی کو برداشت کرتی رہی جب تک وہ امید والی نہیں ہوگئی۔اس کے اندر امید کی کرن جاگتے ہی ماں بیٹی کی اصلیت کھل کر سامنے آ گئی۔سفینہ ایسی اپنے میکے آئی کہ پھر جانے کا نام ہی نہیں لیا۔اس کی والدہ سلطانہ بیگم کا ایک ہی مطالبہ رہا کہ پہلے فیصل اپنی فرسٹ وائف کو طلاق دے‘ پھر سفینہ اس کے گھر جائے گی۔فیصل کے لیے یہ فیصلہ آسان نہیں تھا۔وہ ایک معقول‘ سمجھدار اور متوازن شخص ہے۔اس نے ان ماں بیٹی کے مطالبے کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیا اور سفینہ کی واپسی کی کوششوں میں مصروف رہا تاہم یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی اور اب یہ دونوں ایک دوسرے کے کچھ نہیں لگتے۔سفینہ سے فیصل کا ہر تعلق اور رشتہ ختم ہو چکا ہے‘ لیکن عائشہ تو فیصل کی بیٹی ہے۔یہ رشتہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا لہٰذا......‘‘میں نے ڈرامائی انداز میں توقف کر کے حاضرین عدالت پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی پھر روئے سخن جج کی طرف پھیرتے ہوئے کہا۔

’’لہٰذا......معزز عدالت سے میری استدعا ہے کہ معصوم عائشہ کو میرے مؤکل فیصل کی تحویل میں دیا جائے۔دیٹس آل یور آنر......‘‘

وکیل مخالف اٹھ کر کھڑا ہوا اور استہزائیہ انداز میں مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔’’جناب عالی!

میرے فاضل دوست نے اپنی خوش کلامی کے آغاز پر بچوں کی اپنے والدین سے ملاقات کے سلسلے میں جو گراں قدر تجاویز دی ہیں ان کی اہمیت اور افادیت سے انکار ممکن نہیں لیکن موصوف شاید اس خطے اور اس قوم کے مزاج سے واقف نہیں ہیں۔ہم بہت مختلف قسم کے لوگ ہیں۔شہنشاہ‘ شاہ جہاں کی چہیتی بیوی زچگی کے دوران چل بسی تھی۔شاہ جہاں اپنی اس بیوی سے بے اندازہ اور طوفانی محبت کرتا تھا۔اس کی یاد میں شاہ جہاں نے سلطنت کا تمام تر خزانہ پانی کی طرح بہا کر تاج محل تعمیر کرایا تھا۔شاہ جہاں ہی کے زمانے میں کسی انگریز کی بیوی بھی زچگی کے دوران میں زندگی ہار گئی تھی۔وہ انگریز بھی اپنی بیوی کو بے پناہ چاہتا تھا۔اس نے بیوی کی یادگار کے طور پر کوئی تاج محل کھڑا نہیں کیا بلکہ فوری طور پر ایک میٹرنٹی ہوم قائم کر دیا تاکہ زچگی کے دوران میں عورتوں کی زندگیوں کو زیادہ سے زیادہ بچانے کی کوشش کی جا سکے......‘‘وہ اس واقعے کو سنا کر متوقف ہوا پھر اپنے بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

’’یور آنر! ہم لوگ بنیادی طور پر مردہ پرست واقع ہوئے ہیں۔زندگی میں انسانوں کو زیادہ سے زیادہ اذیت پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں اور موت کے بعد ان کے مقبرے اور مزار تعمیر کر ڈالتے ہیں۔اگر میرے فاضل دوست کی تجویز کے مطابق بچوں کے لیے کوئی ویسا پلے لینڈ بنا بھی لیا گیا تو سب جانتے ہیں اس کا مستقبل کیا ہوگا۔جس طرح میرے ہم پیشہ دوست کو یہ معلوم نہیں کہ ان کے تجویز کردہ پلے لینڈ کا کیا انجام کیا ہوگا اسی طرح وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ ایک دو سالہ بچی کو ماں سے چھین کر باپ کی تحویل میں دینا سراسر ناانصافی اور غیر انسانی عمل ہوگا......ایک معصوم بچہ اپنی ماں کے ساتھ ہی خوش رہ سکتا ہے۔‘‘

وکیل مخالف گھما پھرا کر بہت دور کی کوڑی لایا تھا۔ایک آسان سی بات کہنے کے لیے اس نے زمین و آسمان کے قلابے ملا ڈالے تھے۔میں نے اس کی اس کوشش پر مسکرا کر اس کی جانب دیکھا اور جواباً کہا۔

’’میں اپنے فاضل دوست کی تقریر دل پذیر سے بہت متاثر ہوا ہوں اور ان کے اٹھائے ہوئے اس پوائنٹ سے بھی مکمل اتفاق کرتا ہوں کہ ایک معصوم شیر خوار بچے کے لیے اس کی ماں کی آغوش سب سے محفوظ پناہ گاہ ہے‘ لیکن اگر اسی آغوش مادر میں اچانک ببول کی جھاڑی نمودار ہو جائے تو ماں پہلی فرصت میں اپنے بچے کو گود سے نکال باہر کرے گی۔ایک

ماں اپنے لختِ جگر کو ایک معمولی سا کانٹا چبھنے کی تکلیف کا تصور نہیں کر سکتی کجا یہ کہ ببول کی پوری جھاڑی......‘‘میں نے رک کر ایک جھرجھری لی پھر سلسلہ دلائل کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

’’لیکن سفینہ جیسی بعض مائیں ایسی بھی ہوتی ہیں جنہیں اپنی آغوش میں اگ آنے والی ببول کی جھاڑی کا مطلق احساس ہوتا ہے اور نہ ہی ادراک۔ وہ اپنی اندھی محبت میں بچے کو گود میں بھینچے بیٹھی رہتی ہیں اور ان کی اس حماقت نما چاہت سے معصوم بچے کا بدن لہولہان ہو جاتا ہے لہٰذا......‘‘میں نے لمحاتی توقف کے بعد یوں اضافہ کیا۔

’’لہٰذا ایسی پاگل اور عقل کی اندھی ماؤں کو اپنی من مانی کرنے کے لیے آزاد نہیں چھوڑا جا سکتا۔ پہلی فرصت میں ان کی زہریلی گود میں سے بچے کو نکال کر کسی محفوظ مقام پر منتقل کر دینا چاہیے۔‘‘

’’آپ...... آخر...... کہنا کیا چاہ رہے ہیں......؟‘‘وکیل مخالف کی بکھری ہوئی آواز ابھری۔’’سفینہ کی آغوش میں ببول کی جھاڑی کہاں سے آ گئی؟‘‘

’’یہ جھاڑی صرف انہی لوگوں کو نظر آ سکتی ہے جو دیکھنے والی آنکھ رکھتے ہوں۔‘‘میں نے وکیل مخالف کی طرف دیکھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

’’تو آپ کا خیال ہے‘ میری آنکھیں نہیں ہیں......؟‘‘وہ حیرت سے پلکیں جھپکاتے ہوئے بولا۔

’’میں نے ایسا تو کچھ نہیں کہا میرے فاضل دوست!‘‘

’’پھر......؟‘‘اس کی حیرت الجھن میں بدل گئی۔ جج نے اس موقع پر مخل ہونا ضروری جانا۔ اس نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے‘ ٹھہرے ہوئے انداز میں سوال کیا۔

’’بیگ صاحب! ببول کی جھاڑی سے آپ کی کیا مراد ہے۔ ذرا اس کی وضاحت کر دیں......؟‘‘

’’اوکے سر!‘‘میں نے سر کو تعظیمی انداز میں جنبش دی پھر نہایت ہی سنجیدگی سے بولنا شروع کیا۔

’’جناب عالی! ببول کی جھاڑی اور مسماۃ سفینہ کی آغوش کو میں نے محض سمجھانے کے لیے استعمال کیا ہے۔ جیسے اشاروں کنایوں میں سمجھانے کے لئے مختلف اشیاء سے مدد لی جاتی

بیان صد افسوس کہ میرے فاضل دوست نے میری بات کو سمجھنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی۔ اگر انہوں نے اس سلسلے میں ذرا سی بھی کوشش کی ہوتی تو ان کے ذہن میں یہ سوال ابھر ہی نہیں سکتا تھا‘ جو انہوں نے مجھ سے کیا ہے......‘‘میں سانس ہموار کرنے کے لیے متوقف ہوا پھر سلسلہ وضاحت کو دراز کرتے ہوئے کہا۔

’’یور آنر! ان تمام تر تمثیلات سے میں صرف ایک حقیقت کو سامنے لانا چاہتا ہوں کہ معصوم عائشہ کے لیے اس کی ماں کی آغوش اور اردگرد کا ماحول انتہائی مہلک اور زہریلا ہے۔ اگر وہ ننھی جان اس جان لیوا فضا میں سانس لے کر پروان چڑھتی تو اس کے ذہن اور نفسیات پر انتہائی خطرناک اور برے اثرات مرتب ہوں گے‘ آگے چل کر جن کا علاج ممکن نہیں رہے گا اسی لیے...... اسی لیے میں بہ صد اصرار معزز عدالت سے استدعا کرتا ہوں کہ ننھی عائشہ کو اس کے باپ مسٹر فیصل کی تحویل میں دیے جانے کے احکام صادر کیے جائیں۔ اس گھر میں فیصل کی پہلی بیوی فرزانہ موجود ہے۔ وہ بڑی ذمے داری اور احتیاط کے ساتھ عائشہ کو سنبھال لے گی۔‘‘

جج نے سوچتی ہوئی نظر سے مجھے دیکھا۔

اسی لمحے وکیل مخالف کی طنز میں بجھی ہوئی آواز عدالت کے کمرے میں ابھری۔’’واہ وا...... سبحان اللہ! میرے فاضل دوست نے کیا خوب تجویز پیش کی ہے۔ ایک معصوم دو سالہ بچی کو اس کی سگی ماں سے چھین کر ایک ماں کی تباہی اور بربادی کا سبب ہے۔ اس قسم کی صلاح کاہے کو سننے کو ملی ہوگی......‘‘

جج نے وکیل مخالف کے آبجیکشن کو سرے سے نظرانداز کر دیا اور بہ دستور میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے استفسار کیا۔

’’بیگ صاحب! آپ نے سفینہ کی آغوش اور اس کے گھر کے ماحول کو انتہائی مہلک اور زہریلا قرار دیا ہے۔ عدالت آپ کے بیان کی وضاحت چاہتی ہے؟‘‘

’’یور آنر!‘‘میں نے نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔’’جب والدین میں علیحدگی کا کوئی کیس عدالت میں چلتا ہے تو عدالت اور انصاف کی نظر مائنر پر فوکس ہوتی ہے۔ دونوں جانب کے بیانات اور دونوں پارٹیوں کے وکلاء دلائل کو سننے کے بعد عدالت اس پارٹی کے حق میں فیصلہ دیتی ہے جو مائنر کے لیے زیادہ مفید ہو۔ ایم آئی رائٹ؟‘‘

میں نے توقف کر کے سوالیہ نظر سے جج کی جانب دیکھا تو وہ گمبھیر آواز میں بولا۔ ''یو آر ابیسولیٹلی رائٹ......''

''تھینک یو سر!'' میں نے سر کی خفیف سی جنبش سے جج کا شکریہ ادا کیا پھر اپنی وضاحت کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''جناب عالی! جب مائنر کے مفادات کا ذکر ہوتا ہے تو اس میں مائنر کی صحت' خوراک' تعلیم' تربیت' پرورش اور نشوونما کو سرفہرست گردانا ہے یعنی مائنر کے ماں باپ میں سے جو کوئی بھی اسے یہ تمام تر چیزیں زیادہ بہتر انداز میں مہیا کر سکتا ہو فیصلہ اسی کے حق میں سنایا جاتا ہے۔ اس کے بعد گھر کا ماحول' علاقے کی فضا اور آب وہوا کا نمبر آتا ہے......'' میں نے تھوڑی دیر کو رک کر ٹٹولتی ہوئی نظر سے وکیل مخالف کی جانب دیکھا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''جناب عالی! اس بات میں کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں کہ میرے مؤکل مسٹر فیصل کی معاشی اور معاشرتی حالت مسماۃ سفینہ کی بہ نسبت دوسو گناہ بہتر اور مضبوط ہے۔ مسٹر فیصل اور ان کی مسز فرزانہ تعلیم یافتہ اور روشن خیال لوگ ہیں۔ وہ دونوں مل کر ننھی عائشہ کو بہتر خوراک' عمدہ صحت اور اعلیٰ تعلیم دے سکتے ہیں پھر مسٹر فیصل' مسماۃ سفینہ کے مقابلے میں زیادہ صاف ستھرے اور صحت افزا علاقے میں رہتے ہیں جہاں ننھی عائشہ کی زیادہ بہتر انداز میں تربیت کی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور بھی نہایت ہی اہم پہلو بھی ہے جناب عالی......'' میں ڈرامائی انداز میں بولتے بولتے تھم گیا۔

''کون سا پہلو......؟'' وکیل صاحب کی سرسراتی ہوئی آواز ابھری۔

جج نے بھی دلچسپی لیتے ہوئے اصرار کیا۔ ''بیگ صاحب! آپ کس پہلو کا تذکرہ کر رہے ہیں؟''

''جناب عالی!'' میں نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

''میں نے ابھی جس پہلو کا تذکرہ کیا ہے اس کی وضاحت کے لئے مسماۃ سفینہ کا عدالت میں موجود ہونا ضروری ہے۔ میں ان سے چند نہایت ہی اہم سوالات کرنا چاہتا ہوں۔''

اتفاق سے اس روز سفینہ عدالت نہیں آ سکی تھی۔ جج نے دیوارگیر کلاک کی جانب دیکھا۔ عدالت کا مقررہ وقت ختم ہونے میں دس منٹ باقی تھے۔ جج نے وکیل مخالف کو ہدایت

کی کہ آئندہ پیشی پر مسماۃ سفینہ کو عدالت میں پیش کیا جائے۔

وکیل مخالف نے جج کے احکامات کی تعمیل کا یقین دلایا تو جج نے اگلی پیشی کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کر دی۔

❖❖❖

منظر اسی عدالت کا تھا اور گواہوں والے کٹہرے میں عائشہ کی والدہ اور میرے مؤکل کی سابق' دوسری بیوی سفینہ کھڑی تھی۔ سفینہ ایک قبول صورت اور چالاک عورت تھی۔ اس وقت وہ انتہائی سنجیدہ اور چپ چپ نظر آ رہی تھی۔

جج سے اجازت حاصل کرنے کے بعد میں وٹنس باکس کے قریب پہنچ گیا اور سفینہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اپنی جرح کا آغاز کیا۔

''سفینہ صاحبہ! میں آپ کے ماضی بعید میں جھانکنے کی کوشش نہیں کروں گا تاہم ماضی قریب کا تذکرہ کیے بغیر حال کے بارے میں گفتگو کرنا ممکن نہیں ہو گا لہٰذا میں چند ایسے سوالات کرنے پر مجبور ہوں جو ہو سکتا ہے' آپ کو پسند نہ آئیں یا ناگوار گزریں......''

وہ منہ سے کچھ نہیں بولی' خاموش نظر سے مجھے دیکھتی چلی گئی۔

میں نے سوالات کا سلسلہ شروع کرتے ہوئے کہا۔

سفینہ صاحبہ! کیا یہ درست ہے کہ شادی سے پہلے آپ ایک ایسے ادارے میں کام کرتی تھیں جہاں کام کے سلسلے میں آپ کے سابق شوہر فیصل کا آنا جانا تھا؟''

''جی ہاں یہ درست ہے۔'' اس نے مختصر سا جواب دیا۔

''کیا یہ بھی صحیح ہے کہ پھر آپ دونوں نے ایک دوسرے کو پسند کر لیا تھا'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''آپ دونوں میں پیدا ہونے والی انڈر اسٹینڈنگ نے رنگ دکھایا اور بالآخر آپ شادی کے بندھن میں بندھ گئے تھے؟''

اس نے اثبات میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔

''جب آپ کے وجود میں امید کی کرن جاگی تو آپ کے سابق شوہر فیصل نے آپ سے عارضی طور پر وہ جاب چھڑوا دی تھی۔'' میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے طویل رخصت لے لی تھی حالانکہ شادی کے بعد آپ نے جاب کا سلسلہ جاری رکھا تھا......؟''

"جی ہاں' آپ جو بھی فرما رہے ہیں وہ سو فیصد درست ہے۔" وہ سپاٹ آواز میں بولی۔

"اور یہ بھی درست ہے کہ آپ آج کل بھی وہ جاب کر رہی ہیں۔ میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔" عائشہ کی پیدائش کے بعد کچھ عرصہ آپ نے آرام کیا تھا پھر جاب کو کنٹینیو کر لیا تھا؟"

"جی ہاں......" اس نے مختصراً بتایا۔

"گویا ایک معصوم اور دودھ پیتی بچی اپنی زندگی کے ابتدائی حصے ہی میں اپنی ماں سے بچھڑ گئی تھی۔" میں نے چبھنے والے انداز میں کہا۔" آپ سارا دن آفس میں ہوتی تھیں اور بے چاری عائشہ گھر میں آپ کے بغیر...... بلکہ یہ سلسلہ ابھی تک جاری وساری ہے...... ہیں نا؟"

"اگر میں جاب کے لیے گھر سے نکلتی ہوں تو یہ میری مجبوری ہے۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔" اور یہ غلط ہے کہ عائشہ میری غیر موجودگی میں گھر میں افراد ہوتے ہیں۔"

"میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ ننھی عائشہ کو گھر میں تنہا چھوڑ کر جاب کے لیے چلی جاتی ہیں بلکہ میرے الفاظ تھے...... آپ سارا دن آفس میں ہوتی تھیں اور بے چاری عائشہ گھر میں آپ کے بغیر......"

"ہاں...... شاید آپ نے ایسا ہی کہا تھا۔" وہ جز بز ہوتے ہوئے بولی۔

"شاید نہیں' یقیناً میں نے ایسا ہی کہا تھا۔" میں ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔" اپنے لخت جگر کو گھر میں چھوڑ کر آپ نوکری پر چلی جاتی ہیں اور گھر میں موجودہ افراد اس کا بہت خیال رکھتے ہیں' میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟"

"نہیں جناب...... یہی حقیقت ہے۔"

"کیا آپ معزز عدالت کو بتانا پسند کریں گی کہ آپ کے اور عائشہ کے سوا گھر میں اور کتنے افراد رہتے ہیں؟"

میں نے غیر [illegible] انداز میں اسے گھسیٹنا شروع کیا۔

"چار افراد......" اس نے جواب دیا۔

"یعنی آپ کی امی' آپ کے ابو' آپ کی بڑی بہن اور آپ کا بھائی؟"

"جب آپ کو سب کچھ معلوم ہے تو مجھ سے کیا پوچھ رہے ہیں؟" وہ بیزاری سے بولی۔

"سفینہ صاحبہ! میرے ذہن میں موجود معلومات کو یہ عدالت تسلیم نہیں کرتی۔" میں نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔" جب آپ یہاں موجود ہیں تو آپ کی زبانی سن کر عدالت کو زیادہ پختہ یقین آئے گا......"

وہ کچھ نہ بولی وٹنس باکس میں کھڑے کھڑے پہلو بدل کر رہ گئی۔ میں نے بہ دستور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"سفینہ صاحبہ! آپ نے تھوڑی دیر پہلے میرے ایک سوال کے جواب میں بتایا تھا کہ جاب کے لیے گھر سے نکلنا آپ کی مجبوری ہے۔ کیا یہ مجبوری انہی چار افراد کی وجہ سے ہے؟"

"میں سب سے پہلے اپنی اور عائشہ کی زندگی کے لئے گھر سے نکلتی ہوں۔" وہ گھور کے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔

"باقی سب اس کے بعد آتے ہیں۔"

"آپ کے والد تصدیق حسین کیا کام کرتے ہیں؟" میں نے اچانک پوچھ لیا۔

"وہ رنگ و روغن وغیرہ کا کام کرتے ہیں۔" اس نے بتایا۔

"لیکن اکثر ان کی صحت خراب رہتی ہے۔" میں نے کہا۔

"وہ ایک دن کام پر جاتے ہیں تو تین دن چھٹی کرتے ہیں؟"

"یہ ان کی عمر کا تقاضا ہے۔" وہ سرسری لہجے میں بولی۔

"آپ کو اپنی امی' ابو' بھائی اور بہن سے بہت محبت ہے نا؟"

"جی ہاں...... اس میں کیا شک ہے......"

"آپ کو جاب کے لیے اس لیے بھی گھر سے نکلنا پڑتا ہے کہ اس گھر کی آمدنی کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں' یہ حقیقت ہے اور...... اس میں غلط کیا ہے وہ الٹا مجھی سے سوال کر بیٹھی۔" اپنے والدین کی خدمت کرنا میرا فرض ہے۔"

"جی ہاں...... بالکل۔" میں نے جلدی سے کہا۔" مجھے آپ کے جذبے کی سچائی پر کوئی شک ہے اور نہ ہی اعتراض۔"

وہ سوالیہ نظر سے مجھے تکنے لگی۔

میں نے کہا۔"آپ کے چھوٹے بھائی نوید کو دیکھ دیکھ کر آپ کا دل کڑھتا رہتا ہے نا......؟"

"جی...... میں اس کے لیے بہت پریشان رہتی ہوں۔

"غلط صحبت انسان کو تباہ برباد کر کے رکھ دیتی ہے۔"میں نے ہمدردی بھرے انداز میں کہا۔"کتنا خوب صورت اور ہینڈسم نوجوان تھا۔"

"جی ہاں...... نشے نے نوید کو ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا کر رکھ دیا ہے۔"وہ دکھی لہجے میں بولی۔

"سفینہ صاحبہ! میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔"مجھے کہنا تو نہیں چاہیے کیونکہ یہ خالصتاً آپ کا گھریلو معاملہ ہے مگر......کیا یہ سچ ہے کہ نوید نشے کی ضرورت پوری کرنے کے لیے اکثر گھر سے مختلف اشیاء بھی چوری کرتا رہتا ہے......؟"

"جی ہاں۔"وہ جزبز ہوتے ہوئے بولی۔"بعض اوقات اس قسم کے واقعات بھی دیکھنے کو مل جاتے ہیں۔"

"سفینہ صاحبہ!"میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔"یہ درست ہے کہ میں آپ کا مخالف وکیل ہوں لیکن اس کے باوجود بھی میں آپ کی ہمت اور برداشت کی داد دیے بنا نہیں رہ سکتا......"

وہ متذبذب نظر سے مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے جو کچھ کہا تھا وہ یقیناً اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ وکیل مخالف اور حاضرین عدالت کی نظریں بھی مجھی پر لگی ہوئی تھیں۔ میں نہایت ہی غیر محسوس انداز میں جملہ اپنی منزل کی جانب گامزن تھا۔ سفینہ سوالیہ نظر سے مجھے دیکھے جا رہی تھی۔ میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور استفسارات کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"نوید کی حالت تو اپنی جگہ ایک افسوس ناک اور تکلیف دہ حقیقت ہے ہی لیکن پچھلے کچھ عرصے سے زرینہ بھی آپ کے گھر میں قیام پذیر ہے اور اب اسے زندگی بھر وہیں رہنا ہے۔"

"کیا کر سکتے ہیں وکیل صاحب۔"وہ دکھی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔"جس خدا نے ہمیں مصیبت میں ڈالا ہے وہی اس مصیبت سے نکالے گا بھی۔"

"زرینہ آپ سے کتنے سال بڑی ہے؟"میں نے جرح کے سلسلے میں یک دم تیزی

لاتے ہوئے سوال کیا۔

میری معلومات کے مطابق زرینہ سفینہ کی بڑی بہن تھی۔ وہ بے ساختہ بولی۔"باجی مجھ سے چار سال بڑی ہیں۔"

"کیا یہ سچ ہے کہ آپ کی زرینہ باجی کو ان کے ایک خطرناک مرض کے باعث طلاق ہوئی ہے؟"میں نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"باجی کی بیماری تو اپنی جگہ ایک ٹھوس حقیقت ہے اور اس کے وجود سے انکار ممکن نہیں۔"وہ اٹل انداز میں بولی۔

"لیکن میں سمجھتی ہوں باجی کی طلاق ان کے سابق شوہر کی کم ظرفی اور بے حسی کا زیادہ ہاتھ تھا۔"

"کیا مطلب......؟"میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"میرے سابق بہنوئی کے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔"وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔"اگر باجی کسی ذہنی اور نفسیاتی مرض میں مبتلا ہو ہی گئی تھی تو انہیں چاہیے تھا کہ وہ باجی کا پراپر علاج کراتے۔ اب دیکھیں ہم بھی تو انہیں مہنگے ڈاکٹروں کو دکھا ہی رہے ہیں......"

"میں نے تھوڑی دیر پہلے اسی لیے تو کہا تھا کہ آپ بہت ہمت والی ہیں۔"میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا پھر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کڑے لہجے میں پوچھا۔"سفینہ صاحبہ! کیا یہ درست ہے کہ زرینہ باجی کو آپ ہی ایک معروف نفسیاتی ہسپتال لے کر جاتی ہیں؟"

"جی ہاں یہ درست ہے۔"اس نے جواب دیا۔

"اور جب اس نفسیاتی ہسپتال میں آپ کی زرینہ باجی کو الیکٹریکل شاکس لگائے جاتے ہیں اور ان کی کیفیت کو دیکھ کر آپ کا کلیجا منہ کو آنے لگتا ہے......؟"

"ج ج...... جی...... مجھے ان کی حالت دیکھ کر بہت اذیت پہنچتی ہے۔"وہ تائیدی انداز میں بولی۔"باجی کی بے بسی پر میرا دل خون کے آنسو رونے لگتا ہے۔"

"اکثر انہیں گھر میں دماغی دورے پڑتے ہیں؟"......سفینہ نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

"اور آپ کی زرینہ باجی کی وجہ سے پورے گھر کا سکون درہم برہم ہو کر رہ جاتا

ہے......؟''میں نے جرح کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکتے ہوئے پوچھا۔

''ظاہر ہے......''اس نے مختصر الفاظ میں تصدیق کر دی۔

میں نے روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے با آواز بلند کہا۔''جناب عالی! جس مختصر سے گھر میں مسائل اور مصائب کا میلا لگا ہو وہاں دو سالہ ایک معصوم بچی کی کیا خاک تعلیم و تربیت ہو سکے گی۔ وہ اپنے ماموں کی نشے کی عادت سے کیا سیکھے گی' اپنی خالہ کو دماغی دورے کی حالت میں پا کر اس کے معصوم دماغ پر کیا اثرات مرتب ہوں گے اور...... اور جس ماں کا یہ مطالبہ ہے کہ ننھی عائشہ کو اس کی تحویل میں دیا جائے اس کے پاس تو اپنے بال سنوارنے کی فرصت نہیں' وہ اپنی بچی کا کیا خیال رکھے گی اور اس کی نگہداشت کب کرے گی۔ اسے تو ایک گھر میں دو دو مریضوں کو سنبھالنا ہے' بوڑھے والدین کی بھی دیکھ بھال کرنا ہے اور اس گھر کی معاشی گاڑی کو چلانے کے لیے آٹھ گھنٹے کی ایک جاب بھی کرنا ہے......''

لمحاتی توقف کر کے میں نے ایک گہری سانس لی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''جناب عالی! حالات و واقعات کی روشنی اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ مائنر یعنی ننھی عائشہ کو اس کے درخشندہ حال اور تابناک مستقبل کی خاطر اس کے باپ یعنی میرے مؤکل فیصل کی تحویل میں دیا جائے...... دیٹس آل یور آنر!''

اس کے ساتھ ہی عدالت کا وقت ختم ہو گیا۔

✧✧✧

آئندہ پیشی پر نہایت ہی مختصر سی کارروائی کے بعد عائشہ کو اس کے باپ فیصل کی تحویل میں دینے کے احکامات صادر کر دیئے گئے۔

میں نے پچھلی پیشی پر اپنے دلائل کی طاقت سے معزز عدالت کو یہ باور کرا دیا تھا کہ ننھی عائشہ کا مستقبل صرف اور صرف میرے مؤکل فیصل ہی کے پاس محفوظ رہ سکتا ہے لہٰذا انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ اس کیس کا فیصلہ فیصل کے حق میں آئے اور...... ہوا بھی ایسا ہی تھا۔

اس روز اس کیس سے متعلق تمام افراد عدالت کے کمرے میں موجود تھے۔ فیصل کو اس جیت پر بے تحاشا خوش و خرم دکھائی دینا چاہیے تھا' لیکن جب وہ مجھے انتہائی سنجیدہ نظر آیا تو میں چونک اٹھا۔

''کیا بات ہے فیصل۔''میں نے اس کے پاس جا کر کہا۔''تمہیں کیس جیتنے کی خوشی نہیں

ہوئی......؟''

''یقیناً بہت خوش ہوں۔''وہ بہ دستور سنجیدہ لہجے میں بولا۔ پھر میرے چہرے کو دیکھتے ہوئے اضافہ کیا۔''بیگ صاحب! میں جج صاحب سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔''

میں چند لمحات تک سوچتی ہوئی نظر سے اسے گھورتا رہا پھر اس کی خواہش کو جج تک پہنچا دیا۔

فیصل وٹنس باکس میں آ کر کھڑا ہوا۔ جج سمیت عدالت میں موجود ہر شخص کی نظریں اسی پر لگی ہوئی تھیں۔ چند لمحات تک وہ متذبذب نظر سے ادھر اُدھر دیکھتا رہا پھر نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

''سر!''اس کا مخاطب جج تھا۔''میں ایک انسان ہوں اور میرے سینے میں ایک انسانی دل ہے جس میں زیادہ نہ سہی مگر تھوڑی بہت انسانیت ضرور پائی جاتی ہے اور اسی انسانیت نے مجھے زبان کھولنے پر مجبور کیا ہے......''وہ رکا' تھوک نگل کر حلق کو تر کیا پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

''یہ ایک ٹھوس اور اٹل حقیقت ہے کہ اب سفینہ میری بیوی نہیں رہی' لیکن اس سے بھی بڑی اور اہم ایک حقیقت یہ ہے کہ وہ اب بھی عائشہ کی ماں ہے۔ خدا کے بعد اس دنیا میں کسی بھی بچے کے لیے سب سے اہم رشتہ اس کی ماں کا ہوتا ہے۔ ایک معصوم دو سالہ ننھی سی بچی کو اس کی ماں سے جدا کر دینا میری نظر میں کائنات کا سب سے بڑا جرم اور سنگین گناہ ہوگا......''

''لیکن......''جج نے بے حد تعجب سے فیصل کی طرف دیکھا۔''مسٹر فیصل! چائلڈ کسٹڈی کا کیس آپ کی طرف سے دائر کیا گیا تھا اور اس کیس کا فیصلہ بھی آپ کے حق میں ہو چکا ہے اور اب آپ کہہ رہے ہیں کہ بچی کو اس کی ماں سے جدا کرنا ناانصافی ہوگی؟''

''جی...... میرا یہی مطلب ہے۔''وہ سادگی سے بولا۔''اور اس سلسلے میں میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔''

''کیسی تجویز......؟''جج نے پوچھا۔

''یہ ٹھیک ہے کہ اس کیس کا فیصلہ میرے حق میں ہوا ہے۔''وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔

''اور میں اپنی بچی کو اپنی تحویل میں رکھنے کا حق رکھتا ہوں لیکن میں یہ چاہوں گا کہ عائشہ ایک ماہ میرے پاس رہے اور ایک ماہ اپنی ماں کے پاس تاکہ اسے ماں اور باپ دونوں کی محبت

اور شفقت ملتی رہے۔ جب یہ بچی سن شعور کو پہنچے تو یہ فیصلہ اسی پر چھوڑ دیا جائے کہ آگے چل کر اسے ماں کے ساتھ رہنا ہے یا باپ کے ساتھ...... عائشہ جو بھی فیصلہ کرے گی' مجھے منظور ہوگا۔''

''واہ وا...... سبحان اللہ......'' عدالت کے کمرے میں چہ مگوئیاں ہونے لگیں۔

ہر شخص فیصل کے تجویز نما فیصلے کی تعریف کر رہا تھا۔ وہ بڑا جذباتی منظر تھا۔ سفینہ کی حالت دیدنی تھی۔ وہ بار بار عائشہ اور فیصل کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی ڈبڈباتی ہوئی آنکھوں میں' ان لمحات میں صرف ایک ہی پچھتاوا تھا۔

''کاش' میں نے اتنے عظیم انسان کو نہ کھویا ہوتا...... کاش!''

''کاش!'' ایک ایسا لفظ ہے کہ جس کے بعد کہنے کے لیے کچھ باقی نہیں رہتا۔ سفینہ بھی اس وقت تہی دست و تہی داماں نظر آ رہی تھی۔

✧✧✧

بازی گر

قانون کو اگر عام نظر سے دیکھا جائے تو وہ خاصا الجھا ہوا اور پیچیدہ لگتا ہے' مگر یہ بات طے ہے کہ وہ گونگا بہرا یا لولا لنگڑا ہرگز نہیں۔ بعض معاملات میں' انصاف کے تقاضے پورے ہونے میں توقع سے زیادہ وقت لگ جاتا ہے اور ہر مرحلے پر یہی محسوس ہوتا ہے کہ یہ کیس کبھی ختم ہونے کا نام نہیں لے گا۔ خاص طور پر دیوانی مقدمات میں تو انصاف کے حصول کے لیے بچے جوان' جوان بوڑھے اور بوڑھے مرحوم ہو جاتے ہیں' مگر مقدمہ چلتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح فوجداری کے مقدمات میں بھی بعض اوقات۔ ایسی قانونی رکاوٹیں پڑ جاتی ہیں کہ بظاہر الف کے مانند سیدھا اور سادہ نظر آنے والا معاملہ برسوں پر محیط ہو کر رہ جاتا ہے۔

اس تمہید کے بعد میں اصل واقعے کی طرف آتا ہوں۔

وہ موسم بہار کا آغاز تھا۔ مارچ کا آخری ہفتہ چل رہا تھا۔ ایک روز میں عدالتی بکھیڑوں سے تھوڑا جلدی فارغ ہو کر اپنے دفتر پہنچا تو انتظار گاہ میں ایک خاتون کو براجمان پایا۔ میں نے سر کی خفیف سی جنبش سے اس کے سلام کا جواب دیا اور وزیٹنگ لابی سے گزر کر اپنے مخصوص کمرے میں پہنچ گیا' اگلے ہی لمحے میری سیکریٹری صدف نے انٹرکام پر مجھے اطلاع دی۔

''بیگ صاحب! مسز عرفان آپ سے ملاقات کے لیے کافی دیر سے انتظار کر رہی ہیں......''

''مسز عرفان......'' میں نے استفساریہ انداز میں کہا۔ ''وہی خاتون جو وزیٹنگ لابی میں بیٹھی ہیں؟''

''جی...... جی سر...... وہی۔'' صدف نے تائیدی انداز میں جواب دیا۔

"ٹھیک ہے انہیں اندر بھیج دیں۔" میں نے کہا۔

صدف کی آواز سنائی دی۔ "اوکے سر..... بھیجتی ہوں۔"

چند سیکنڈ کے بعد مسز عرفان میرے سامنے بیٹھی تھی۔ اس کے پہناوے اور رکھ رکھاؤ سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ بناؤ سنگھار بھی بڑے سلیقے سے کر رکھا تھا۔ میں یہ اندازہ لگانے سے قاصر رہا کہ وہ بہ دست خود تیار ہو کر میرے پاس آئی تھی یا یہ کسی بیوٹی پارلر کا کارنامہ تھا۔

میں نے حسب معمول پیشہ ورانہ مسکراہٹ سے اس کا استقبال کیا اور پوچھا۔ "جی مسز عرفان! فرمائیں میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

اس نے میرے سوال کو سنا ان سنا کرتے ہوئے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ "بیگ صاحب! آپ کی پریکٹس کیسی چل رہی ہے؟"

اس کے سوال سے میرے ذہن میں پہلا تاثر یہی ابھرا کہ وہ اپنے مسئلے کے ساتھ سنجیدہ نہیں ہے یا پھر یہ کہ اس کا مسئلہ سرے سے ہے ہی نہیں بہرحال حقیقت جو بھی تھی وہ بات چیت کے بعد ہی کھل کر سامنے آ سکتی تھی۔

"اللہ کا شکر ہے۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "پریکٹس ٹھیک ٹھاک چل رہی ہے۔"

"آج ہماری پہلی ملاقات ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں آپ کو جانتی نہیں۔" وہ خاصی بے تکلفی سے بولی۔ "میں آپ سے غائبانہ طور پر واقف ہوں۔"

"بڑی اچھی بات ہے۔" میں نے معتدل انداز میں کہا۔

"یہ نہیں پوچھیں گے......" وہ سوالیہ نظر سے مجھے دیکھنے لگی۔ "میں آپ سے کس طرح غائبانہ طور پر واقف ہوں؟"

"آپ خود بتا دیں۔" میں اس کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"دو سال پہلے آپ نے رشیدہ نامی ایک مڈوائف کا خلع کا کیس لڑا تھا۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔

"رشیدہ میری گہری دوست ہے۔ اسی نے مجھے آپ کا پتا دیا ہے۔ میری دوستی اس کیس کے بعد رشیدہ سے ہوئی تھی۔"

وہ کسی نرس رشیدہ کا ذکر کر رہی تھی لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ فوری طور پر مجھے یاد نہ آ سکا کہ وہ کس مڈوائف رشیدہ کا حوالہ دے رہی تھی۔ تاہم اخلاقیات کا تقاضا یہی تھا کہ میں اس کے تعارف کا بھرم قائم رکھوں چنانچہ نہایت ہی شائستگی کے ساتھ میں نے پوچھ لیا۔

"آج کل وہ آپ کی دوست رشیدہ کیا کر رہی ہے؟"

"خلع کے کچھ ہی عرصہ بعد اس نے دوسری شادی کر لی تھی۔" مسز عرفان نے بتایا۔

"آج کل وہ اپنے شوہر کے ساتھ بیرون ملک میں مقیم ہے۔"

"بیرون ملک......" میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ "یورپ یا امریکہ......؟"

"مڈل ایسٹ میں......" اس نے جواب دیا۔

"ہوں......" میں نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ "چلیں یہ بھی اچھا ہے۔ وہ جہاں بھی رہے اللہ اسے خوش اور مطمئن رکھے۔"

"آمین......" اس نے تہ دل سے کہا۔

میں نے گھما کر اسے اصل موضوع کی طرف لانے کی کوشش کی۔ "مسز عرفان! کیا آپ مجھے اپنی دوست رشیدہ کے بارے میں معلومات فراہم کرنے تشریف لائی ہیں یا......؟"

میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا تاکہ اس کا ری ایکشن دیکھنے کو ملے۔ اس نے حسب توقع فوراً ہی ردعمل دیا تھا۔ وہ میرے سوال کو سمجھ گئی۔

"نہیں بیگ صاحب!" وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ "رشیدہ کا تذکرہ تو ضمناً نکل آیا۔ میں دراصل اپنے ایک ذاتی کام سے آپ کے پاس حاضر ہوئی ہوں۔"

"جی ارشاد!" میں ہمہ تن گوش ہو گیا۔ "فرمائیں میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں......؟" میں نے اس کے ساتھ ہی رف پیڈ اور قلم بھی سنبھال لیا۔

وہ یک دم بے حد سنجیدہ نظر آنے لگی۔ اب نہ تو وہ "آئیں بائیں شائیں" دکھائی دیتی تھی اور نہ ہی اس کے دماغ کا کوئی پیچ ڈھیلا محسوس ہوتا تھا۔ وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ اس کے انداز میں لجاحت جھلکتی تھی۔

"بیگ صاحب! اگر آپ میرا یہ کام کر دیں تو میں زندگی بھر آپ کی احسان مند رہوں گی۔ میں اپنے شوہر کے لیے بے حد پریشان ہوں......"

"آپ کے شوہر...... یعنی عرفان صاحب......؟"

"جی ہاں' میں انہیں کی بات کر رہی ہوں۔" وہ جلدی سے بولی۔ "میرا نام ہما ہے اور عرفان میرے شوہر ہیں۔"

"آپ کے شوہر کو کیا ہوا ہے۔" میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔ "آپ ان کے لیے اتنی پریشان کیوں ہیں؟"

"عرفان کہیں گم ہو گیا ہے۔" وہ ٹھوس انداز میں بولی۔

"گم ہو گیا ہے......" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "عرفان کہاں گم ہو گیا ہے اور...... میں اس سلسلے میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟"

"عرفان کو واپس لانے کے لیے آپ بھرپور کردار ادا کر سکتے ہیں۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔

"بیگ صاحب! میں ایسے ہی آپ کے پاس نہیں آ گئی ہوں۔"

"لیکن مسز عرفان......" میں نے بے حد الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ "گمشدہ افراد کی بازیابی کے لیے اپنے علاقے کے پولیس اسٹیشن جا کر رپورٹ درج کرانا پڑتی ہے۔ یہ وکیل کا نہیں' پولیس کا کام ہے۔"

"آپ سمجھے نہیں بیگ صاحب۔" وہ جلدی سے بولی۔

"عرفان کی گمشدگی دراصل وہ نہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں۔"

"پھر یہ کس قسم کی گمشدگی ہے محترمہ؟" میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

ایک مرتبہ پھر مجھے ہما کی ذہنی صحت پر شبہ ہونے لگا تھا' مگر اس سے پہلے کہ میرا شبہ یقین میں بدل جاتا' اس نے بڑے صاف الفاظ میں وضاحت کر دی۔

"عرفان کو ان دنوں ایک لیڈی ڈاکٹر نے اپنے جال میں پھانس رکھا ہے اور مجھے بھول کر وہ دن رات اسی ڈاکٹر کے چکر میں پڑا ہوا ہے۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا ہے' لیڈی ڈاکٹر ناہید نے عرفان کو مجھ سے چھین لیا ہے۔ عرفان کہیں گم ہو گیا ہے بیگ صاحب...... اور آپ عرفان کو واپس لے کر آئیں گے۔ میں بڑی آس امید لے کر آپ کے پاس آئی ہوں۔"

ہما کی بات اب بھی میرے پلے نہیں پڑی تھی۔ صرف اتنا سمجھ میں آیا تھا کہ ان میاں بیوی کے درمیان ایک تیسرا کردار آ گیا تھا یعنی ڈاکٹر ناہید۔ میں نے اس کی پرابلم کو سمجھنے کے

لیے سوالات کا سلسلہ شروع کیا۔

"یہ ڈاکٹر ناہید کون ہے اور آپ کے شوہر سے اس کا کیا تعلق ہے؟"

"یہ ڈاکٹر ناہید' عرفان کے ہسپتال میں کام کرتی ہے۔" ہما نے جواب دیا۔

"کیا مطلب......؟" میں نے رف پیڈ پر قلم گھستے ہوئے پوچھا۔ "کیا آپ کے شوہر عرفان بھی ڈاکٹر ہیں؟"

اب معاملہ کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگا تھا۔ ڈاکٹری کا پیشہ نہایت ہی اینٹی سوشل پروفیشن ہے جس میں انسان کا زیادہ تر وقت کلینک یا ہسپتال میں مریضوں کے ساتھ گزرتا ہے۔ اگر زندگی کا ساتھی میڈیکل کے شعبے سے تعلق نہ رکھتا ہو تو قدم قدم پر مسائل سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔ نان میڈیکل لائف پارٹنر یہی سمجھتا ہے کہ اس کا شوہر/بیوی اسے نظر انداز کر کے کسی ساتھی ڈاکٹر/لیڈی ڈاکٹر کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھا رہا ہے۔ اکا دکا کیسز میں ایسا ہوتا بھی ہو گا تاہم میرا ذاتی تجربہ اور مشاہدہ تو یہی کہتا ہے کہ ڈاکٹر ہمارے معاشرے کا مظلوم ترین پیشہ ور انسان ہوتا ہے۔ میرے ایک محسن ڈاکٹر صبح پانچ بجے اٹھتے تھے۔ سات بجے انہیں ایک معروف سرکاری مقامی ہسپتال پہنچنا ہوتا تھا۔ دوپہر ایک بجے وہاں سے فارغ ہوتے اور سہ پہر تین سے شام سات بجے تک ایک پرائیوٹ ہسپتال کے کلینک میں بیٹھتے تھے۔ رات کو آٹھ بجے سے ساڑھے بارہ' ایک بجے تک ایک انتہائی پسماندہ بستی میں دس روپے پرچی والے کلینک پر بلا معاوضہ اپنی رضا کارانہ خدمات پیش کرتے تھے' رات گئے وہ گھر پہنچتے تھے اور پہلی فرصت میں سونے کی کوشش کرتے...... کہ صبح جلدی اٹھنا ہے۔ ان ڈاکٹر صاحب کی بیوی اکثر مجھ سے ایسے شکوے کرتی رہتی تھی جیسا مسز عرفان کر رہی تھی اور میں انہیں ہنس کر یہ مشورہ دیتا تھا۔

"بھابی! یہ بتائیں' آپ کی ڈاکٹر صاحب سے شادی پہلے ہوئی تھی یا یہ ڈاکٹر پہلے بنے تھے؟"

"ظاہر ہے' یہ ڈاکٹر پہلے بنے تھے۔" وہ جواب دیتی تھیں۔ "ہماری شادی تو بعد میں ہوئی ہے۔"

"پھر میں سمجھتا ہوں' ڈاکٹر صاحب کو قصوروار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔" میں نے کہا۔ "یہ بات شادی سے پہلے سوچنے کی تھی کہ آپ نے کس قسم کے معروف انسان کو جیون ساتھی چنا ہے۔"

"پہلے تھوڑی پتا تھا کہ ان کا اوڑھنا بچھونا ہسپتال اور مریض ہی ہوں گے۔" وہ بے بسی سے کہہ دیتیں۔

"چلیں، اب تو پتا چل گیا ہے نا......" میں شرارت سے مسکرانے لگتا۔

"کیا مطلب بیگ صاحب!" وہ گھور کر مجھے دیکھتی تھیں۔ "پتا چل گیا ہے تو......؟"

"تو اب آپ کے پاس صرف دو ہی آپشن ہیں۔" میری شرارت میں گہری سنجیدگی شامل ہو جاتی۔

وہ ٹٹولنے والی نظر سے مجھے دیکھنے لگتی تھیں "کون سے دو آپشنز بیگ صاحب؟"

"یا تو آپ ڈاکٹر صاحب کا پروفیشن چھڑا کر انہیں جنرل سٹور کھلوا دیں۔" میں کہتا۔

"اور یا پھر......"

"اور یا پھر کیا؟" وہ اضطراری انداز میں پوچھتیں۔

"یا پھر آپ اپنے فیصلے پر نظرثانی کر لیں۔" میں زیرلب مسکراتے ہوئے مذاق کے رنگ میں کہہ ڈالتا۔

"میرے پاس ایک تیسرا آپشن بھی ہے بیگ صاحب!" وہ میری شرارت کی تہ میں اتر جاتیں۔

"تیسرا آپشن!" میں انجان بن جاتا۔ "بھابی! میں کچھ سمجھا نہیں۔"

"ایک بات آپ کان کھول کر سن لیں بیگ صاحب۔" وہ بڑے اعتماد سے کہتیں۔ "میں نہ تو ان کو چھوڑوں گی اور نہ ہی ان سے ان کا پیشہ چھڑواؤں گی......"

"پھر آپ کیا کریں گی بھابی......؟"

"میں انہی کو بدل کر رکھ دوں گی۔" وہ بڑے وثوق سے کہتیں۔

"میں آپ کے حق میں دعا کروں گا بھابی!"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ سوالیہ نظر سے مجھے دیکھنے لگتیں۔

"مطلب...... وقت گزرنے کے ساتھ خود ہی آپ کی سمجھ میں آ جائے گا۔" میں مبہم انداز میں اس بحث کو ختم کر دیتا۔ "اس سے زیادہ فی الحال میں کچھ نہیں کہہ سکتا......"

بات آئی گئی ہو جاتی۔ مہینے، دو مہینے میں جب بھی میرا ان کے یہاں جانا ہوتا تو میں ان سے پوچھنا نہیں بھولتا تھا۔

"بھابی! آپ کی کوشش کا کیا ہوا؟"

"کوشش جاری ہے۔" وہ بڑے یقین کے ساتھ جواب دیتیں۔ "میں اتنی جلدی ہمت ہارنے والی نہیں ہوں۔ آپ دیکھ لیجیے گا۔ میں ان کو بدل کر ہی دم لوں گی۔"

بھابی نے کہا تھا۔ "آپ دیکھ لیجیے گا۔" اور وہ دیکھتا رہا۔ پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ دونوں میاں بیوی اپنی اکلوتی بیٹی کے ہمراہ یو۔کے پہنچ گئے۔ قدرت نے ڈاکٹر صاحب کی محنت کا صلہ دے دیا تھا۔ میرے دوست ڈاکٹر جس جاں فشانی سے اٹھارہ گھنٹے روزانہ ڈیوٹی دیا کرتے تھے اس خلوص اور جذبے کے نتیجے میں وہ آج کل لندن کے ایک معروف ہسپتال میں سیٹ ہیں۔ میں نہیں جانتا بھابی اپنے مشن میں کس حد تک کامیابی حاصل کر پائی ہیں البتہ یہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ برطانیہ میں میڈیکل کا پروفیشن اینٹی سوشل لائف کے زمرے میں نہیں آتا۔

اپنے سامنے بیٹھی ہوئی مسز عرفان کو میں اس نوعیت کے مشوروں سے نہیں نواز سکتا تھا جو اپنے دوست ڈاکٹر کی بیوی کو دیتا رہا تھا لہٰذا میں پیشہ ورانہ سنجیدگی کے ساتھ اس سے سوال کر رہا تھا۔

"جی ہاں......" ہما نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"عرفان خود بھی ڈاکٹر ہیں وہ چائلڈ اسپیشلسٹ ہیں۔"

میں نے تصدیق کی خاطر پوچھنا ضروری جانا۔ "تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کے شوہر ہسپتال کے مالک ہیں اور لیڈی ڈاکٹر ناہید ایک گائناکالوجسٹ کی حیثیت سے وہاں کام کرتی ہے۔"

"جی ہاں...... میرا یہی مطلب ہے۔" اس نے جواب دیا۔

میں نے رف پیڈ پر نوٹس لیتے ہوئے سوالات کا سلسلہ جاری رکھا۔ "اور آپ کو شک ہے کہ ڈاکٹر ناہید، عرفان کو آپ سے چھیننے کی کوشش کر رہی ہے؟"

"شک نہیں، مجھے یقین ہے کہ بیگ صاحب۔" وہ اصراری لہجے میں بولی۔ "وہ چڑیل اتنی تیزی سے عرفان کو مجھ سے دور کر رہی ہے کہ اگر میں نے فوری طور پر کوئی ہنگامی قدم نہیں اٹھایا تو خدانخواستہ کہیں...... عرفان مجھے چھوڑ کر مستقل طور پر اسی کا نہ ہو جائے......"

بات ختم کرتے کرتے اس کے چہرے پر پریشانی پھیل گئی تھی۔ ان لمحات میں وہ بڑی

قابلِ رحم نظر آ رہی تھی۔ میں نے اس کی حالت کے پیشِ نظر ہمدردی بھرے لہجے میں کہا۔

"بتائیں...... میں اس سلسلے میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟"

"آپ کو ہر صورت میری مدد کرنا ہوگی۔" وہ زور دیتے ہوئے بولی۔ "آپ نے عرفان کو اس منحوس ڈاکٹر کے چنگل سے نکال کر واپس میرے پاس لانا ہے۔"

"ہوں......" میں گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر گمبھیر انداز میں کہا۔ "آپ کا کیس خاصا ٹیپکل ہے' جب تک میں خود نہ مطمئن ہو جاؤں' کوئی حتمی بات نہیں کر سکتا۔"

"مطمئن نہ ہو جائیں......" اس نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا اور پوچھا۔ "بیگ صاحب! آپ کس قسم کا اطمینان چاہتے ہیں...... اپنی فیس کا اطمینان یا یہ کہ میں کس حد تک میں آپ کے ساتھ سچ بول رہی ہوں؟"

"آپ کی دوسری بات درست ہے۔" میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "فیس تو میں ہر صورت میں آپ سے وصول کروں گا اور وہ بھی ایڈوانس میں......" میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک بوجھل سانس خارج کی' پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"سب سے اہم امر یہ ہے کہ مجھے پتا ہونا چاہیے' میں جس کیس کی پیروی کرنے جا رہا ہوں اس کی حقیقت کیا ہے......"

"تو آپ کا خیال ہے' میں غلط بیانی سے کام لے رہی ہوں؟" وہ مجھ سے مستفسر ہوئی۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا مسز عرفان'...... میں نے اس کا ذہن صاف کرنے کی غرض سے کہا۔ "میں آپ کو پیش آمدہ حالات کی تفصیل جاننا چاہتا ہوں تاکہ یہ فیصلہ کر سکوں کہ اس معاملے میں کس حد تک قانونی مدد لی جا سکتی ہے۔ عین ممکن ہے' جسے آپ اپنی زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ سمجھ رہی ہیں وہ بعض سادہ سے معاشرتی مشوروں ہی سے حل ہو جائے......"

"بیگ صاحب! یہ اتنا بھی آسان نہیں ہے کہ محض آپ کے مشورے سے سب ٹھیک ہو جائے۔" وہ بے یقینی سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ "آپ کو بہت محنت کرنا پڑے گی......"

"ٹھیک ہے۔" میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔ "آپ پہلے مجھے اپنے معاملے کی تفصیلات سے آگاہ کریں۔ اس کے بعد میں فیصلہ کروں گا کہ میں آپ کے لیے قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے کیا کر سکتا ہوں۔"

اس نے ایک گہری سانس لی اور چند لمحات کے لیے خاموش رہ کر خیالوں میں گم ہو

گئی۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ اپنے ذہن میں بکھرے ہوئے خیالات کو ایک جگہ مجتمع کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد اس نے نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولنا شروع کیا۔ میں ہما کی فراہم کردہ معلومات میں سے غیر ضروری باتوں کو حذف کر کے خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں تاکہ آپ زیرِ نظر کیس کے مختلف پہلوؤں سے اچھی طرح آگاہ ہو جائیں اور آگے چل کر آپ کا ذہن الجھن کا شکار نہ ہو......"

◇❖◇

ہما کروڑ پتی باپ کی اکلوتی اولاد تھی۔ اس کا باپ شیخ سلطان رئیل اسٹیٹ کے بزنس کا کنگ تھا۔ بڑے بڑے پراپرٹی ایجنٹ اس سے کاروباری مشورے لینے آتے تھے۔ ایک روز اچانک اس کے ذہن میں پرائیویٹ ہسپتال قائم کرنے کا خیال آیا۔ یہ ایک ایسا خیال تھا کہ جس نے بھی سنا' حیرت کا اظہار کیا کیونکہ وہ بذاتِ خود ڈاکٹر نہیں تھا اور نہ ہی اس کی کبھی میڈیکل کے شعبے سے وابستگی رہی تھی۔ جب قریبی بے تکلف دوست اس سے سوال کرتے تو وہ کہتا۔

"کیا ہمارے ملک میں ہر شخص وہی کام کر رہا ہے جو اس کا اصل پیشہ ہے......؟"

"یہ ضروری نہیں ہے۔" اسے جواب ملتا۔

"تو پھر مجھ پر بھی یہ فارمولا لاگو نہیں ہوتا۔" وہ بڑے اعتماد سے کہتا۔

"میری بات سنو بھائی!" وہ گہری سنجیدگی سے کہتا۔ "میں ہسپتال کھولنے جا رہا ہوں اور یہ کام خالصتاً کمرشل پوائنٹ آف ویو پر کروں گا۔ اگر آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں اپنے ہسپتال میں خود بھی ایک ڈاکٹر بن کر لوگوں کا علاج معالجہ شروع کر دوں گا تو پھر آپ بالکل غلط انداز میں سوچ رہے ہیں۔"

"تو پھر آپ کیا کریں گے......؟" ان سے پوچھا گیا۔

"میں صرف انویسٹمنٹ کروں گا۔" شیخ سلطان ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیتا۔ "اپنی جیب سے پیسہ لگا کر ایک پرائیویٹ ہسپتال قائم کروں گا جہاں شہر کے قابل ڈاکٹرز' نرسز اور ٹیکنیکل سٹاف کام کرے گا۔ ہسپتال کی اپنی ایک معیاری لیبارٹری اور ایک فارمیسی ہوگی۔ میں اس ہسپتال میں ایکسریز اور دیگر ٹیسٹس کے لیے جدید مشینیں بھی لگاؤں گا تاکہ میرے ہسپتال میں علاج کی غرض سے آنے والے مریضوں کو کسی ٹیسٹ وغیرہ کے لیے

کہیں اور نہ جانا پڑے۔ ہسپتال کے نظام کی دیکھ بھال کے لیے میں ایک تعلیم یافتہ اور تجربہ کار ایڈمنسٹریٹر بھی رکھوں گا۔ وہ ایک جدید اور معیاری ہسپتال ہوگا جہاں علاج کے سلسلے میں کوئی کمی یا خامی دیکھنے کو نہیں ملے گی......"

"پھر تو ٹھیک ہے۔" اعتراضات کرنے والوں کو تسلی ہو جاتی۔ "اگر آپ اس بزنس میں صرف پیسہ لگائیں گے اور میڈیکل کے معاملات میں پریکٹیکلی آپ کا کوئی عمل دخل نہیں ہوگا تو پھر یہ کسی طور بھی نامناسب نہیں۔"

"مناسب اور نامناسب کی کیا بات کرتے ہو بھائی!" شیخ سلطان برا سا منہ بناتے ہوئے کہتا۔ "چاروں طرف بڑی عجیب وغریب صورت حال ہے۔ جو لوگ اپنے گھر کا نظام سنبھالنے کی اہلیت نہیں رکھتے وہ ملک کے حکمران بن کر بیٹھ جاتے ہیں۔ پان سگریٹ کی دکانوں پر عام استعمال کی تمام ادویات میسر ہیں۔ جس کا جدھر منہ اٹھتا ہے وہ وہی پیشہ اختیار کر لیتا ہے۔"

الغرض...... شیخ سلطان نے "شیخ ہسپتال" کے نام سے نارتھ ناظم آباد کے علاقے میں ایک چھوٹا سا پرائیویٹ ہسپتال قائم کر لیا۔ اس کی نیت چونکہ صاف اور شفاف تھی لہٰذا یہ بزنس بہت اچھا چل نکلا۔ ویسے بھی میڈیکل کا شعبہ اور ہوٹل لائن ایسے کاروبار ہیں جو اگر مناسب توجہ دی جائے تو ضرور ترقی کرتے ہیں۔

شیخ سلطان نے معیار پر سمجھوتا نہیں کیا تھا۔ اس نے ٹیکنیکل سٹاف اور ڈاکٹر کے انتخاب میں ان کی قابلیت کو بنیاد بنایا تھا اور اس کام میں ایڈمنسٹریٹر جمال فریدی نے شیخ سلطان کی بہت مدد کی تھی۔ جمال فریدی بہت ہی مخلص اور وفادار شخص تھا۔

ہما سے حاصل ہونے والی معلومات کے مطابق ڈاکٹر عرفان بھی "شیخ ہسپتال" کے ڈاکٹروں میں سے ایک تھا۔ وہ چائلڈ اسپیشلسٹ تھا اس لیے شیخ سلطان اس کی بہت عزت کرتا تھا۔ ہما اپنی زندگی کے ابتدائی حصے میں بہت زیادہ بیمار رہا کرتی تھی اور ایک چائلڈ اسپیشلسٹ کی توجہ اور علاج ہی سے اسے دوسری زندگی ملی تھی۔ زندگی اور موت دینے والی تو خدا کی ذات ہے لیکن ڈاکٹر کو اسی لیے مسیحا کہا جاتا ہے کہ وہ مریضوں کو موت کے منہ سے نکال لاتا ہے۔ قصہ مختصر، شیخ سلطان ہما کی بیماری کے باعث ماضی میں ایک چائلڈ اسپیشلسٹ ڈاکٹر احمد کا بہت شکرگزار تھا لہٰذا وہ اپنے ہسپتال میں ڈاکٹر عرفان کو بہت زیادہ اہمیت دیتا تھا۔

ڈاکٹر عرفان اپنے شعبے کا تو ماہر تھا ہی، علاوہ ازیں وہ اخلاقیات اور کردار کے حوالے سے بھی ایک مثالی انسان تھا، چنانچہ شیخ سلطان کا اس سے متاثر ہو جانا فطری امر تھا۔ اس نے رئیل اسٹیٹ کے بزنس میں بھانت بھانت کے لوگوں کو ڈیل کر رکھا تھا۔ وہ ایک مردم شناس اور سرد وگرم چشیدہ شخص تھا لہٰذا ڈاکٹر عرفان کی خوبیوں نے اس کے دل میں گھر کر لیا اور اس نے ڈاکٹر عرفان کو اپنی نظر میں رکھ لیا۔

وقت کا پہیہ بہت تیزی سے گردش میں رہا اور ڈاکٹر عرفان کی شیخ ہسپتال میں کام کرتے ہوئے تین سال گزر گئے۔ ان دنوں شیخ سلطان بیمار رہنے لگا تھا۔ ایک روز عرفان اپنی ڈیوٹی آف کر کے گھر جانے ہی والا تھا کہ اس کے لیے شیخ سلطان کا فون آ گیا۔

"جی شیخ صاحب!" ڈاکٹر عرفان نے لائن پر آنے کے بعد کہا۔ "حکم کریں سر۔"

"ڈاکٹر عرفان! کیا آپ ابھی میرے پاس آ سکتے ہیں؟" شیخ سلطان نے استفسار کیا۔ "مجھے آپ سے چند ضروری باتیں کرنی ہیں......"

پچھلے ایک سال سے شیخ سلطان کی صحت بڑی تیزی سے گرتی جا رہی تھی۔ ڈاکٹر عرفان کو یہ تو اندازہ تھا کہ شیخ صاحب کے ساتھ کوئی پُراسرار مسئلہ ہے، لیکن وہ اس میڈیکل پرابلم تک پہنچنے سے قاصر تھا کیونکہ شیخ سلطان نے اپنی بیماری کو اپنے ہسپتال کے کسی ڈاکٹر سے ڈسکس نہیں کیا تھا۔

"سر! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا......؟" ڈاکٹر عرفان نے ہمدردی بھرے لہجے میں پوچھا۔ "آپ کا حکم ہو تو میں اپنے ساتھ کسی ڈاکٹر......"

"نہیں۔" شیخ سلطان نے قطعیت سے کہا۔ "مجھے اس وقت صرف ایک چائلڈ اسپیشلسٹ کی ضرورت ہے...... ڈاکٹر عرفان کی۔"

"او۔کے سر!" ڈاکٹر عرفان نے کسی بحث میں پڑے بغیر حتمی لہجے میں کہا۔ "میں آ رہا ہوں۔"

راستے بھر ڈاکٹر عرفان اسی ادھیڑ بن میں پھنسا رہا کہ شیخ سلطان کو کسی چائلڈ اسپیشلسٹ کی کیوں کر ضرورت پیش آ سکتی ہے۔ ان کے گھر میں تو کوئی بچہ بھی نہیں تھا۔ سب جانتے تھے کہ شیخ صاحب کی صرف ایک ہی بیٹی ہے جو جوان ہو چکی۔ اس کی ابھی شادی بھی نہیں ہوئی جو یہ سمجھ لیا جاتا کہ انہیں اپنے کسی نواسے یا نواسی کے لیے چائلڈ اسپیشلسٹ کی ضرورت ہو

گی۔ بہرحال' اپنے باس کے حکم پر ڈاکٹر عرفان اس کے گھر پہنچ گیا۔

گھریلو ملازم نے ڈاکٹر عرفان کو سیدھا بیڈروم میں پہنچا دیا۔ شیخ سلطان اپنے بیڈروم میں موجود تھا اور بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر خاصی پریشانی دکھائی دیتی تھی۔ وہ کسی سنجیدہ الجھن میں نظر آتا تھا۔

ڈاکٹر عرفان' شیخ سلطان کے بیڈ کے قریب ہی ایک کرسی ڈال کر بیٹھ گیا اور خاصے گمبھیر لہجے میں پوچھا۔

''سر...... خیریت تو ہے نا......؟''

''خیریت نہیں ہے ڈاکٹر عرفان......'' وہ نقاہت بھرے لہجے میں بولا اور اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی۔ ''آپ کو حیرت تو ہوئی ہو گی کہ میں نے اپنے لیے ایک چائلڈ اسپیشلسٹ کو کیوں کال کیا؟''

''جی سر...... بات تو حیرت ہی کی ہے۔'' ڈاکٹر عرفان نے اثبات میں گردن ہلائی اور سوالیہ نظر سے شیخ سلطان کو دیکھنے لگا۔

شیخ صاحب نے فرمایا۔ ''آپ کو معلوم ہو گا' میری صرف ایک ہی بیٹی ہے' ہما' ہما کی والدہ کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ میں نے اسے ماں اور باپ دونوں کی حیثیت سے پالا ہے اور خود سے زیادہ اس کے لیے پریشان رہتا ہوں......''

اب بھی ڈاکٹر عرفان کے پلے کچھ نہ پڑ سکا۔ وہ بے حد الجھے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''سر! مجھے آپ کی طبیعت ٹھیک نظر نہیں آ رہی اور آپ اپنی صاحب زادی کا ذکر کر رہے ہیں؟''

اسی لمحے ملازم ایک ٹرے اٹھائے بیڈروم میں داخل ہوا۔ ٹرے میں چائے کے برتنوں کے علاوہ لائٹ ری فریشمنٹ کا سامان سجا نظر آ رہا تھا۔ اس تکلیف بروقت کے لیے یقیناً شیخ صاحب نے اپنے ملازم کو پہلے ہی احکام دے رکھے تھے۔

ملازم وہ ٹرے ڈاکٹر عرفان کے نزدیک ہی ایک چھوٹی سی میز پر رکھ کر واپس چلا گیا تو شیخ سلطان نے کہا۔

''بات تو ہو ہی رہی ہے۔ ساتھ ساتھ یہ بھی لیتے جائیں۔''

ڈاکٹر عرفان نے ٹرے کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے پہلے پوچھا۔ ''سر! آپ

چائلڈ اسپیشلسٹ کے حوالے سے کوئی وضاحت کرنے والے تھے؟''

''ہاں......'' وہ بیڈ کی پشت گاہ سے ٹیک لگاتے ہوئے کمزور سی آواز میں بولا۔ ''ہما جب چھوٹی سی تھی تو اس وقت اسے چائلڈ اسپیشلسٹ کے پاس لے جانا پڑتا تھا......''

شیخ مبہم سی بات کر کے خاموش ہوا تو ڈاکٹر عرفان پوچھے بنا نہ رہ سکا۔ ''مگر اب تو آپ کی صاحب زادی چائلڈ نہیں رہیں پھر چائلڈ اسپیشلسٹ کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟''

''بچے چاہے کتنے بھی بڑے ہو جائیں وہ والدین کی نظر میں بچے ہی رہتے ہیں۔'' شیخ نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''میں سمجھتا ہوں' اب ہما کو ایک چائلڈ اسپیشلسٹ کی زیادہ ضرورت ہے۔''

''سر! میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکا......'' ڈاکٹر عرفان کی حالت دیدنی تھی۔

ایک لمحے کے لیے تو اسے یوں محسوس ہوا کہ شیخ سلطان اپنے حواس کھو بیٹھا ہے جو یوں بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے پھر جب شیخ صاحب نے تھیلے میں سے بلی کو باہر نکالا تو حقیقت پوری طرح اس پر آشکار ہو گئی۔

''ڈاکٹر عرفان!'' شیخ سلطان نے نہایت ہی سنجیدگی سے کہنا شروع کیا۔ ''آپ کو یقیناً اس بات کا احساس ہو گا کہ میں اپنے ہسپتال کے دیگر ڈاکٹر کی بہ نسبت آپ کو زیادہ قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔''

''یہ تو آپ کی ذرہ نوازی ہے سر!''

''ہو گی ڈاکٹر عرفان۔'' وہ اپنی سنجیدگی کو برقرار رکھتے ہوئے بولا۔ ''لیکن میں اسے ''جوہر شناسی'' سمجھتا ہوں۔''

ڈاکٹر عرفان نے سوالیہ نظر سے اپنے باس کو دیکھا۔

شیخ سلطان اپنی دھن میں بولتا چلا گیا۔ ''میں نے ابتدا ہی میں آپ کی صلاحیتوں کو پہچان لیا تھا۔ اپنے پیشے کے ساتھ آپ کی محبت اور لگن' ایمان داری اور قابلیت نے مجھے بہت متاثر کیا تھا پھر ہر گزرتے دن کے ساتھ یہ تاثر گہرے سے گہرا ہوتا چلا گیا اور اب......'' وہ سانس ہموار کرنے کے لیے متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''اب آپ کے اس فیصلے کا تعلق میری ذات ہے؟''

''بالکل آپ کی ذات سے بھی ہے۔'' شیخ نے جواب دیا۔

ڈاکٹر عرفان نے پوچھا۔ ''بھی ہے...... سے آپ کی مراد یہ تو نہیں کہ اسے فیصلے میں میرے علاوہ کوئی اور بھی شامل ہے؟''

''بالکل درست سمجھے آپ۔'' شیخ سلطان تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میرے اس فیصلے کے دو کردار ہیں۔ نمبر ایک ڈاکٹر عرفان اور نمبر دو ہما......''

''اوہ......'' ڈاکٹر عرفان نے ایک بوجھل سانس خارج کی۔ اگرچہ بات اس کی سمجھ میں بیٹھ گئی تھی تاہم تصدیقی انداز میں پوچھنا بھی ضروری تھا۔ ''سر! اور آپ کے اس فیصلے کی تفصیل کیا ہے؟''

''ڈاکٹر عرفان!'' شیخ سلطان اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مدبرانہ انداز میں بولا۔ ''میں آپ کو بیٹا بنا کر اپنے خاندان میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔''

''جی......؟'' ڈاکٹر عرفان نے کمزور سی حیرت ظاہر کی۔

''میں سمجھتا ہوں، میرے پاس وقت بہت کم ہے۔'' شیخ سلطان نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''میں اپنی آنکھ بند ہونے سے پہلے ہما کے مستقبل کو محفوظ ہاتھوں میں سونپ دینا چاہتا ہوں اور...... میری نظر میں آپ سے زیادہ موزوں اور مناسب داماد مجھے اور کہیں سے نہیں مل سکتا جو میری بیٹی کو بھی خوش رکھ سکے اور میرے بعد اس ہسپتال کو بھی بہ طریق احسن چلا سکے......''

''سر! آپ مایوسی کی باتیں نہ کریں۔'' ڈاکٹر عرفان نے ہمدردی بھرے لہجے میں کہا۔ ''آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔ خدا آپ کا سایہ ہمیشہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے گا۔ آپ دل چھوٹا نہ کریں۔''

''زندگی کی امید دلانا اور حوصلہ بڑھانا تو آپ کے پیشے کا اولین تقاضا ہے ڈاکٹر عرفان!'' شیخ سلطان نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''لیکن یہ بھی طے ہے کہ ایسی باتوں سے محض وقتی تسلی تو ہو جاتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ میرے جیون کا اختتام ہونے والا ہے......''

''سر! آپ نے کبھی اپنی بیماری کے بارے میں بتایا بھی تو نہیں۔'' ڈاکٹر عرفان نے شاکی نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ ''ورنہ ہمارے ملک میں ہر علاج کی سہولتیں موجود ہیں اور اگر ملک سے باہر جانے کی ضرورت بھی پیش آ جائے تو آپ ماشاءاللہ ہر نوعیت کے اخراجات افورڈ کر سکتے ہیں پھر......؟''

''افورڈ کر رہا ہوں ڈاکٹر عرفان!'' شیخ سلطان، ڈاکٹر عرفان کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔ ''میں ہر تین مہینے کے بعد چند روز کے لیے ملک سے باہر جاتا ہوں۔ انگلینڈ کے ایک ہسپتال میں بڑے قابل ڈاکٹر میرا علاج کر رہے ہیں لیکن...... اب وہ بھی امید چھوڑ بیٹھے ہیں......''

اتنا کہہ کر شیخ سلطان خاموش ہوا تو ڈاکٹر عرفان بڑی حد تک اس کی بیماری کے بارے میں سمجھ چکا تھا۔ رہی سہی تفصیل بھی شیخ سلطان نے آنے والے پندرہ منٹ میں بتا دی۔ اس کی آواز بری طرح پھولنے لگی تھی۔ ڈاکٹر عرفان نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''سر! آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ہم اس موضوع پر بعد میں بھی بات کر سکتے ہیں۔ آپ کو اس وقت آرام کی ضرورت ہے......''

''نہیں ڈاکٹر عرفان!'' وہ قطعیت سے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے نحیف سی آواز میں بولا۔ ''میں نے زندگی میں کبھی آج کا کام کل پر نہیں ٹالا اور ''بعد میں'' جیسے الفاظ میری ڈکشنری میں کہیں بھی نہیں ہیں۔'' وہ تھوڑی دیر کے لیے رکا چند گہری سانسیں لینے کے بعد اپنی کیفیت کو قابو میں کیا پھر سلسلہ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

''میں نے کچھ سوچ کر ہی اس وقت آپ کو یہاں بلایا ہے۔ یہ بہت اچھا موقع ہے اس معاملے کو فائنل کرنے کا۔ اس وقت ہما گھر میں نہیں۔ وہ اپنی کسی دوست کی شادی میں گئی ہوئی ہے لہٰذا جو بھی طے کرنا ہے، ابھی اور اسی وقت کرنا ہے اور...... مجھے امید ہے ڈاکٹر عرفان! آپ میری درخواست کو مسترد نہیں کریں گے۔''

''سر! آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔'' ڈاکٹر عرفان جلدی سے بولا۔ ''آپ میرے لیے بہت محترم ہیں، میرے بزرگوں کی طرح ہیں۔ آپ مجھ سے درخواست کریں گے تو میں ندامت کے بوجھ تلے دب کر مر جاؤں گا۔''

''آپ کی اسی سعادت مندی اور شائستگی نے مجھے ہما کے لیے آپ کے انتخاب پر مجبور کیا ہے ڈاکٹر عرفان۔'' شیخ سلطان نے ستائشی نظر سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے، میں آپ کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے اس کام کے لیے درخواست نہیں کرتا بلکہ حکم دیتا ہوں کہ...... آپ کو ہر صورت میں میری خواہش...... آخری خواہش کو تکمیل تک پہنچانا ہے......''

بات کے اختتام پر شیخ سلطان کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے۔ان لمحات میں وہ بے حد جذباتی ہو رہا تھا۔بیڈروم میں گمبھیر خاموشی کا راج تھا۔شیخ کی اس کیفیت کے پیش نظر ڈاکٹر عرفان نے کہا۔

''سر آپ اتنے اچھے ہیں...... اور مجھ پر آپ کے اتنے احسانات ہیں کہ میں آپ کے حکم کو ٹال ہی نہیں سکتا مگر......''

''مگر کیا؟'' ڈاکٹر عرفان کے خاموش ہوتے ہی شیخ نے بے تابانہ لہجے میں استفسار کیا۔

''سر یہ معاملہ یک فریقی تو نہیں ہے نا۔'' ڈاکٹر عرفان وضاحت کرتے ہوئے بولا۔'' اس کام کے لیے دونوں فریقوں کی رضامندی ضروری ہے۔''

''مجھے صرف آپ کی رضامندی چاہیے ڈاکٹر عرفان!'' شیخ نے شدید ترین نقاہت کے باوجود ٹھوس لہجے میں کہا۔''ہما میری بیٹی ہے۔وہ میری مرضی سے باہر جا ہی نہیں سکتی۔وہ میری بیماری سے اچھی طرح واقف ہے۔ہم رشتے میں ضرور باپ بیٹی ہیں لیکن درحقیقت ہم دو دوستوں کی طرح اپنا ہر معاملہ ایک دوسرے سے شیئر کرتے ہیں۔''

ڈاکٹر عرفان کے پاس انکار کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ویسے بھی شیخ سلطان کی مخلصانہ پیشکش میں اس کے لیے فائدہ ہی فائدہ تھا۔وہ آنے والے دس سال بھی جان توڑ کوشش کرتا پھر بھی اپنا ایسا ہسپتال نہیں بنا سکتا تھا۔ہما سے شادی کی ''ہامی'' بھرنے میں اس کا فائدہ ہی فائدہ تھا لہٰذا چند لمحات کی رسمی سوچ بچار کے بعد اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''سر! جو آپ کا حکم...... میں آپ کی توقع پر پورا اترنے کی کوشش کروں گا۔''

''سر نہیں......'' شیخ سلطان نے تنبیہی انداز میں کہا۔

''ڈاکٹر عرفان! آج کے بعد آپ مجھے ''سر'' نہیں کہیں گے۔''

''او۔کے انکل......'' ڈاکٹر عرفان سے سادگی سے کہا۔

''ویری گڈ!'' شیخ سلطان نے تعریفی نظر سے ڈاکٹر عرفان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''پہلے آپ کے طرز تکلم میں صرف ادب واحترام تھا۔اب اس میں اپنائیت بھی شامل ہو گئی ہے۔''

ڈاکٹر عرفان نے شیخ سلطان کی آخری خواہش کا احترام کرنے کا فیصلہ سنا دیا تو شیخ صاحب کے گویا کلیجے میں ٹھنڈی سی پڑ گئی۔اگلے دو ماہ کے اندر ہما اور ڈاکٹر عرفان کی شادی ہو

گئی۔ہما کی طرح ڈاکٹر عرفان کا خاندان بھی نہایت مختصر سا تھا لہٰذا شادی کی تقریب شاندار انداز میں مگر سادگی سے انجام پا گئی اور اسی سال کے اختتام پر شیخ سلطان اپنی بیماری سے لڑتے لڑتے ہار گیا۔

شیخ کے انتقال کے بعد ''شیخ ہسپتال'' کا مکمل انتظام وانصرام ڈاکٹر عرفان کے ہاتھ میں آ گیا تھا لہٰذا اس کی ذمے داریوں میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔اس نے ہسپتال کے اندر ایک چائلڈ اسپیشلسٹ کو بھی اپائنٹ کر لیا تھا تا کہ اس کی انتظامی مصروفیت کے باعث یہ ڈیپارٹمنٹ کسی بھی طرح متاثر نہ ہو۔

شادی کے بعد ڈاکٹر عرفان نے ہما کا اتنا زیادہ خیال رکھا اور اس قدر ٹوٹ کر محبت دی کہ وہ اپنے باپ کی موت کا غم بھی بھول گئی۔پھر پے در پے شادی کے بعد آٹھ سالوں میں ان کی تین اولادیں بھی ہو گئیں۔ہما کو ڈاکٹر عرفان سے گویا عشق ہو گیا تھا۔ان کی زندگی بڑے سکون سے گزر رہی تھی کہ ڈاکٹر ناہید کی ہسپتال میں آمد نے سب کچھ تلپٹ کر کے رکھ دیا۔

ناہید ایک لیڈی ڈاکٹر تھی۔نہایت ہی حسین وجمیل اور پرکشش۔اسے ڈاکٹری پاس کیے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ہاؤس جاب مکمل کرنے کے بعد اس نے ''شیخ ہسپتال'' جوائن کر لیا تھا۔ناہید کا تعلق لوئر مڈل کلاس سے تھا تاہم اپنے اسٹائل اور رکھ رکھاؤ سے وہ اپر کلاس والی نظر آتی تھی۔

ناہید کی آمد نے ڈاکٹر عرفان کی ازدواجی زندگی میں ہلچل مچا دی تھی۔جلد ہی ہسپتال کے اسٹاف کو یہ محسوس ہو گیا کہ وہ بڑی تیزی سے ڈاکٹر عرفان کے نزدیک ہونے کی کوشش کر رہی تھی اور پھر لوگوں نے دیکھا کہ وہ درحقیقت ڈاکٹر عرفان کے قریب ہو بھی گئی تھی۔اب ڈاکٹر عرفان کا زیادہ تر وقت ہسپتال میں گزرنے لگا تھا۔گھر اور بیوی بچوں پر سے اس کی توجہ ہٹ گئی تھی۔ہما نے ڈاکٹر عرفان کے رویئے میں پیدا ہونے والی اس تشویشناک تبدیلی کو فوراً نوٹ کر لیا اور یہیں سے ایک سنسنی خیز کہانی کا آغاز ہوا تھا۔وہ کہانی جس نے ہما کو میرے پاس آنے پر مجبور کر دیا تھا۔

✧✧✧

اپنی کہانی کو مفصل بیان کرنے کے بعد ہما نے مجھ سے کہا۔''بیگ صاحب! میں نے

ہسپتال کے عملے کے ایک بندے کو 'اعتماد' میں لے کر ڈاکٹر عرفان اور ناہید کی سرگرمیوں کی خبر رکھنے پر مامور کر دیا تھا۔ وہ بندے میرے لیے بہت بھروسے کا تھا۔"

"پھر آپ کے اس جاسوس نے کیا رپورٹ دی؟" میں نے پوچھا۔

"وارڈ بوائے طفیل نے لگ بھگ ایک ماہ تک ان دونوں کی کڑی نگرانی کی۔ ہسپتال کے اندر بھی اور ہسپتال سے باہر بھی۔" ہما نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بتایا۔ "اس نے بڑے وثوق سے مجھے بتایا ہے کہ ناہید اور عرفان میں بڑے مضبوط کنکشن پیدا ہو چکے تھے اور وہ ہسپتال سے باہر ایسے ہی ملتے تھے جیسے ان کے بیچ کوئی بہت گہرا رشتہ ہو۔"

"ایک منٹ!" میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔

"کنکشن پیدا ہو چکے تھے سے آپ کی کیا مراد ہے...... کیا آپ مجھے ماضی کا کوئی قصہ سنا رہی ہیں؟"

"ماضی قریب کا۔" اس نے متحمل لہجے میں جواب دیا۔ "یہ ایک سال پہلے کے واقعات ہیں۔"

"اور اب کیا صورت حال ہے؟" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

وہ تشویش بھرے لہجے میں بولی۔ "اب یہ معاملہ بہت ہی خطرناک صورت اختیار کر چکا ہے۔"

"جی بتائیں میں سن رہا ہوں۔" میں پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہو گیا۔ "جب آپ نے یہ تصدیق کر لی کہ آپ کا شوہر ڈاکٹر ناہید سے بہت گھل مل رہا ہے تو پھر آپ نے کون سا اقدام کیا؟"

"میں نے سیدھا سیدھا عرفان سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔" اس نے جواب دیا۔ "مجھے یہی ایک راستہ نظر آیا تھا۔"

"ویری گڈ!" میں نے سراہنے والے انداز میں کہا۔ "پھر آپ کے شوہر نے کس ڈھنگ سے اپنی صفائی پیش کی تھی؟"

"پہلے تو وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ "جب میں نے طفیل کا ذکر کیے بغیر ان کی ملاقاتوں کے چند ثبوت مہیا کیے تو وہ شرمندہ ہوا اور ندامت آمیز لہجے میں بولا۔ "ہما! مجھ سے غلطی ہو گئی۔ تم بے فکر ہو جاؤ۔ میں خود کو سنبھال لوں گا۔ آئندہ

تمہیں کسی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔"

"اور آپ نے اپنے شوہر کی بات پر یقین کر لیا؟" میں نے دلچسپی لیتے ہوئے استفسار کیا۔

"اس کی معذرت اور اقبال جرم کے بعد میرا یقین کر لینا تو فطری بات تھی۔" وہ سرسری لہجے میں بولی۔ "لیکن میں نے اس پر ایک کڑی شرط بھی عائد کر دی تھی۔"

میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔ "کیسی شرط مسز عرفان؟"

"میں نے عرفان پر واضح کر دیا تھا کہ میں اپنے اور اس کے بیچ کسی تیسرے کو کبھی برداشت نہیں کر سکتی۔" اس نے بتایا۔ "اگر آئندہ ایسا کچھ سننے یا دیکھنے میں آیا تو میں کوئی بھی سنگین قدم اٹھا سکتی ہوں۔" لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک بوجھل سانس خارج کی پھر اضافہ کرتے ہوئے بولی۔

"اور وہ جو میں نے شرط والی بات کہی ہے نا...... وہ شرط یہ تھی بیگ صاحب کہ عرفان پہلی فرصت میں ڈاکٹر ناہید کو اپنے ہسپتال سے فارغ کر دے گا اور آئندہ کبھی اس سے کسی قسم کا میل جول نہیں رکھے گا۔"

"""تو کیا اس نے آپ کی یہ کڑی شرط مان لی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "نہ صرف عرفان نے زبانی میرا مطالبہ ماننے کی حامی بھری بلکہ اس نے اپنے ہسپتال سے ڈاکٹر ناہید کو فارغ بھی کر دیا تھا۔"

"گڈ......" میں نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ "گویا آپ کا مسئلہ نہایت ہی آسانی اور خوش اسلوبی سے حل ہو گیا تھا۔"

"اس وقت تو میں یہی سمجھی تھی کہ مسئلہ حل ہو گیا۔" وہ افسردہ لہجے میں بولی۔ "میں مطمئن بھی ہو گئی تھی کہ میری پرسکون زندگی میں سے ڈاکٹر ناہید کا کانٹا نکل چکا ہے لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد میرا یہ اطمینان ریت کی دیوار کے مانند ثابت ہوا......"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" میں نے حیرانی بھرے لہجے میں پوچھا۔

"چند ماہ بہت سکون سے گزر گئے تھے۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ "پھر مجھے محسوس ہونے لگا کہ عرفان کی توجہ ایک بار پھر گھر کے معاملات سے ہٹتی جا رہی ہے۔ اس نے رات کو دیر سے گھر آنا شروع کر دیا تھا۔ پہلے تو میں نے اسے اس کی ہسپتال کی مصروفیت جانا

لیکن اس خوش گمانی سے جب میرے تجسس کی تسکین نہ ہوئی تو میں نے اپنی فطرت سے مجبور ہو کر ایک بار پھر ''جاسوس'' کی خدمات حاصل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ طفیل ہمیشہ میرے اعتماد پر پورا اترا تھا اور میں بھی اس کا بہت خیال رکھتی تھی۔ میں نے طفیل کی مٹھی گرم کرنے کے بعد اسے خصوصی ہدایات کے ساتھ ایک مشن سونپ دیا۔''

''لگتا ہے' آپ کے جاسوس نے کوئی نہایت ہی سنسنی خیز اطلاع دی ہے۔'' میں نے بال پین کو انگلیوں میں گھماتے ہوئے کہا۔ ''ورنہ آپ کو میرے پاس آنے کی ضرورت پیش نہیں آتی......''

''آپ کا اندازہ بالکل درست ہے بیگ صاحب۔''

وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ''عرفان اور ناہید کا میل جول اب بھی جاری ہے۔ ناہید نیپا چورنگی کے قریب واقع ایک پرائیویٹ ہسپتال میں کام کر رہی ہے' اس کی رہائش گلشن اقبال کی ایک اپارٹمنٹس بلڈنگ میں ہے......''

اس کے خاموش ہونے پر میں نے پوچھا۔ ''مگر تھوڑی دیر پہلے تو آپ نے بتایا تھا' ناہید پاپوش نگر میں کہیں رہتی تھی؟''

''جی ہاں' میری پرانی معلومات کے مطابق تو وہ پاپوش نگر کے ایک گھر ہی میں رہتی تھی۔'' اس نے جواب دیا۔ ''وہ ایک چھوٹا سا دومنزلہ مکان تھا۔ نیچے کا حصہ اس کے بھائی کی فیملی کے پاس تھا۔ بالائی منزل پر ناہید نے رہائش رکھی ہوئی تھی لیکن تازہ ترین معلومات کے مطابق وہ گلشن اقبال کے ایک لگژری فلیٹ میں شفٹ ہو چکی ہے۔''

''اوہ......'' میں نے ایک گہری سانس خارج کی۔

''تو ڈاکٹر عرفان آج کل ناہید سے ملنے اس کے ہسپتال جا رہے ہیں؟''

''نہیں جناب......'' وہ شدت سے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ''وہ ہسپتال میں بالکل نہیں ملتے بلکہ عرفان اس حرافہ کے فلیٹ پر جاتا ہے اور بعض اوقات آدھی آدھی رات تک وہیں بیٹھا رہتا ہے۔''

''یہ تو کافی گمبھیر حالات ہیں۔'' میں نے تشویش بھرے انداز میں کہا۔ ''آپ نے اس سلسلے میں ڈاکٹر عرفان سے بات کی؟''

''نہیں......'' اس نے بتایا۔

میں نے پوچھا۔ ''کیوں نہیں کی بات؟''

''میں اندر سے ڈر رہی ہوں۔'' وہ سہمے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''میرے اندر ایک خوف سا بیٹھ گیا ہے۔''

''کیسا خوف......؟'' میں نے الجھن زدہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

''مجھے شک ہے کہ کہیں عرفان نے اس کمینی کے ساتھ شادی نہ کر لی ہو۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ ''اگر میں نے اس معاملے کو اُچھالا تو بڑی گڑبڑ ہو جائے گی......''

''گڑبڑ......کیسی گڑبڑ؟'' میں نے سوال کیا۔

''اگر میرا شک درست نکلا اور عرفان نے واقعی ناہید سے شادی کر رکھی ہے تو میرے لیے بہت برا ہو جائے گا۔''

وہ بہ دستور پریشان لہجے میں بولی۔

''یہی تو میں جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کا اس میں کیا نقصان ہے؟''

''میرے شور مچانے یا پوچھ کچھ کرنے سے عرفان کا مستقبل جھکاؤ ناہید کی طرف بھی ہو سکتا ہے۔'' وہ اپنے خدشات کو الفاظ کا جامہ پہناتے ہوئے بولی۔ ''یوں سمجھ لیں کہ میرے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہیں۔ اگر عرفان نے مجھے چھوڑ کر مستقلاً ناہید کے ساتھ رہنا شروع کر دیا تو میرا کیا ہوگا' میں تین بچوں کے ساتھ کہاں جاؤں گی......؟''

''تو دراصل آپ کو یہ ڈر ہے کہ اگر اس کھٹ راگ میں عرفان نے آپ کو طلاق دے دی تو آپ کہاں جائیں گی۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''آپ خود کو' اپنے تین بچوں کو غیر محفوظ سمجھ رہی ہیں۔''

''جی ہاں......یہی بات ہے۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

میں نے اس سے چند اہم سوالات کیے۔ ''مسز عرفان! اس وقت آپ کی رہائش کہاں پر ہے؟''

''پی۔ای۔سی۔ایچ سوسائٹی میں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''شادی سے پہلے میں اور ابو سوسائٹی آفس کے نزدیک ایک چھوٹے سے بنگلے میں رہتے ہیں۔''

''اس وقت آپ کی جہاں رہائش ہے وہ بنگلا کس کے نام ہے؟''

''میرے نام ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''اور ہسپتال؟''میں نے پوچھا۔

''وہ میں نے اصرار کر کے عرفان کے نام کرا دیا تھا۔''اس نے بتایا۔

''یعنی فوری طور پر آپ کے لیے اور بچوں کے لیے رہائش کا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔''میں نے''دو اور دو چار''کے فارمولے کی روشنی میں کہا۔''آپ اس لیے پریشان ہیں کہ آمدنی کا بڑا ذریعہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔''

''ایسی بات نہیں ہے بیگ صاحب۔''وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔''مجھے یہ فکر نہیں ہے کہ اگر عرفان نے مجھے اپنی زندگی سے نکال دیا تو میرا اور بچوں کا گزارہ کیسے ہوگا۔اس بنگلے کے علاوہ بھی میرے پاس بہت کچھ ہے۔اللہ کے فضل سے میرا بینک بیلنس بھی خاصا معقول ہے۔ابو نے میرے نام سے بعض اسکیمز میں بھی پیسہ لگا رکھا ہے جہاں سے ماہانہ'ششماہی اور سالانہ منافع آتا رہتا ہے۔پھر میں نے ایم ایس سی کر رکھا ہے۔اگر خدانخواستہ اپنی اور بچوں کی ذمے داری مجھ پر آن بھی پڑی تو میں بڑی خوش اسلوبی سے نمٹ سکتی ہوں......''

''پھر......''میں نے قطعی کلامی کرتے ہوئے کہا۔

''پھر آپ کی پریشانی کا سبب کیا ہے؟''

''دو بڑے اسباب ہیں بیگ صاحب!''وہ پہلو بدلتے ہوئے بولی۔

میں سوالیہ نظر سے اسے تکنے لگا۔

''نمبر ایک!''وہ سنجیدہ لہجے میں بتانے لگی۔''میں بچوں کو ان کے باپ سے محروم ہوتا نہیں دیکھ سکتی۔باپ جیسا تیسا بھی کیوں نہ ہو'بچوں کے سر پر اس کا سایہ ہمیشہ قائم و دائم رہنا چاہیے۔جن بچوں کی تربیت باپ کے بغیر ہوتی ہے ان کے کندھے ہمیشہ جھکے رہتے ہیں۔نمبر دو......''وہ لمحے بھر کے لیے سانس درست کرنے کو رکی پھر سلسلہ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔

''بیگ صاحب!''اس کی آواز میں بڑا پختہ عزم تھا۔

''مجھے یہ کسی قیمت پر منظور نہیں کہ ناہید شکست دے کر عرفان کو اپنا بنا لے۔یہ میرے لیے زندگی موت کا مسئلہ ہے۔''

''ہوں......''میں نے ایک گہری سانس خارج کی اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں

کہا۔''مسز عرفان!موجودہ صورت حال میں آپ کسی حتمی نتیجے پر نہیں پہنچ پائی ہیں'آپ نے جو حالات و واقعات بیان کیے ہیں ان کی رو سے دو امکانات ہیں۔اول یہ کہ ڈاکٹر ناہید اور ڈاکٹر عرفان کے بیچ سنجیدہ نوعیت کا دوستانہ چل رہا ہے۔ڈاکٹر عرفان اکثر و بیشتر ڈاکٹر ناہید سے ملنے اس کے فلیٹ پر جاتا رہتا ہے......''میں نے لمحاتی توقف کے بعد اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''دوم یہ کہ ان دونوں نے آپس میں شادی کر لی ہے اور ڈاکٹر عرفان ایک شوہر کی حیثیت سے وہاں اپنی بیوی ناہید سے ملنے جاتا ہے۔جب تک صورت حال واضح نہ ہو'میں آپ کو درست مشورہ نہیں دے سکوں گا۔آپ کسی طرح یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ عرفان نے ناہید کے ساتھ باقاعدہ شادی کی ہے یا محض ان میں دوستی کا رشتہ چل رہا ہے۔''

''یہ سب کچھ آپ ہی کو معلوم کرنا ہے بیگ صاحب۔''وہ اُمید بھری نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔

''یاد ہے'رشیدہ کے کیس میں آپ نے عدالت کے باہر بھی بہت بھاگ دوڑ کی تھی......''

''ہاں'مجھے اچھی طرح یاد ہے۔''میں نے بات نبھانے کی غرض سے کہہ دیا۔''بعض اوقات کیس سے متعلق اہم ثبوت جمع کرنے کے لیے خود بھی فیلڈ میں گھوم پھر کر سرگرمی دکھانا پڑتی ہے۔''

''بس تو پھر آپ میرے کیس کے لیے بھی کمر کس لیں۔''وہ جوشیلے انداز میں بولی۔''پہلے کس طرح یہ پتا لگانے کی کوشش کریں کہ انہوں نے باقاعدہ شادی کر لی ہے یا نہیں۔''

''فرض کریں'میں نے پتا لگا لیا پھر......؟''میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

''پھر......''اس نے میرے کہے ہوئے آخری لفظ کو خاصے دبنگ انداز میں دہرایا اور بولی۔''اگر انہوں نے ابھی تک شادی نہیں کی تو انہیں کسی ایسے قانونی چکر میں الجھائیں کہ ہزار کوشش کے باوجود بھی شادی نہ کر سکیں۔اس سلسلے میں'میں آپ سے ہر قسم کا تعاون کرنے کو تیار ہوں۔''

بعض اوقات کلائنٹس مجھ سے ایسی توقعات وابستہ کر لیتے ہیں جو بہ ظاہر بہت غیر منطقی

دکھائی دیتی ہیں۔بہرحال ایک لاکنسلٹنٹ کی حیثیت سے مجھے ان کی خواہشات اور جذبات کا احترام کرنا پڑتا ہے۔اسی خیال کے پیش نظر میں نے کہہ دیا۔

"ٹھیک ہے مسز عرفان!اگر وہ لوگ بغیر نکاح کے خفیہ ملاقاتوں کا پُراسرار سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں تو انہیں نکیل ڈالنے کے لیے کوئی قانونی چارہ جوئی کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے لیکن اگر وہ باقاعدہ شادی کر چکے ہیں اور ان کی حیثیت میاں بیوی کی ہے تو پھر......؟"

میں نے سوالیہ انداز میں جملہ نامکمل چھوڑا تو وہ جلدی سے بولی۔"تو پھر آپ ان کے نکاح کو باطل کر دیں گے۔"

"باطل......کیا مطلب ہے آپ کا؟"میں نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔

"کمال ہے......"وہ حیرت سے مجھے گھورتے ہوئے بولی۔"آپ اتنے تجربہ کار وکیل ہیں اور آپ کو اس قانون کے بارے میں آگاہی نہیں؟"

میں سمجھ گیا کہ اس کا اشارہ کون سے عائلی قانون کی جانب تھا تاہم میں نے اسی کی زبانی سننے کی غرض سے کہہ دیا۔

"ہوسکتا ہے'میرے ذہن سے نکل گیا ہو۔آپ ہی وضاحت کر دیں۔"

"میری معلومات کے مطابق کوئی بھی شادی شدہ مرد اپنی پہلی بیوی کی اجازت حاصل کیے بغیر دوسری شادی نہیں کرسکتا۔"وہ بڑے فخر سے بتانے لگی۔"اگر کوئی شخص ایسا کرے گا تو اس کا دوسرا نکاح باطل قرار پائے گا......"

"اچھا'آپ اس قانون کی بات کر رہی ہیں۔"میں نے سرسری انداز میں کہا۔"یہ قانون سابق صدر پاکستان فیلڈ مارشل ایوب خان مرحوم نے فیملی کورٹ قوانین کے سیکشن میں شامل کیا تھا جس کا مقصد بیویوں کو تحفظ فراہم کرنا تھا لیکن میں اپنی ذاتی حیثیت میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس قانون میں بہت سے سقم ہیں اسی لیے جب بھی اس قانون کے استعمال کا موقع آتا ہے تو اس سے سب سے زیادہ نقصان بھی بیویوں ہی کو پہنچتا ہے۔"

"میں کچھ سمجھی نہیں۔"وہ پلکیں جھپکاتے ہوئے بولی۔"آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں؟"

"دراصل یہ قانون انسان کی بنیادی ضرورت'اس کی نفسیات'اس کی فطرت اور اسلام کی روح کے متصادم ہے۔"میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔"ممکن ہے'بعض لوگوں کو

میری رائے سے مکمل اختلاف ہو لیکن یہ میری ذاتی رائے ہے جسے تجربے کی کسوٹی پر غلط ثابت نہیں کیا جاسکتا۔"

"میں نے لمحاتی توقف کر کے اپنے سامنے بیٹھی ہوئی مسز عرفان کے چہرے کا جائزہ لیا۔وہ بڑی توجہ سے میری بات سن رہی تھی۔میں نے وضاحت کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"پہلی بات تو یہ کہ اگر کوئی شوہر دوسری شادی کا ارادہ رکھتا ہو اور وہ اپنی پہلی بیوی سے عقد ثانی کی اجازت مانگے تو وہ کسی بھی قیمت پر ایسی اجازت نہیں دے گی۔آپ اس سچویشن میں خود کو رکھ کر دیکھ لیں۔دوسری بات یہ کہ اگر وہ شخص پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر دوسری شادی کرنے جا رہا ہے اور پہلی بیوی نے اس قانون کا سہارا لے کر اور بہت زیادہ اثر ورسوخ استعمال کر کے اپنے شوہر کو عقد ثانی سے روک بھی دیا تو یہاں سے شوہر کے سامنے دو راستے کھل جائیں گے۔"

"کون سے دو راستے؟"میں لمحے بھر کو خاموش ہوا تو اس نے سوال داغ دیا۔

"نمبر ایک'وہ اپنی پہلی بیوی کے سامنے قانونی سطح پر بہت کمزور پڑ جائے'مطلب یہ کہ وہ پہلی بیوی کو چھوڑنا افورڈ نہ کرسکتا ہو یعنی چھوڑنے کی صورت میں وہ اپنی بیوی کے حقوق پورے کرنے اور واجبات ادا کرنے کی حیثیت میں نہ ہو تو پھر وہ دوسری شادی سے تو باز آجائے گا'مگر اپنی نفسانی اور جبلی ضرورت پوری کرنے کے لیے وہ چوری چھپے حرام کاری کا مشغلہ ضرور اپنا سکتا ہے'گویا وہ اپنی بیوی کے ساتھ مخلص و وفادار نہیں رہے گا۔"

"اور دوسرا راستہ؟"ہمانے پوچھا۔

میں نے بہ دستور ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔"دوسری صورت میں وہ پہلی بیوی کو چھوڑ کر دوسری شادی کرلے گا۔"

"گویا دونوں صورتوں میں نقصان پہلی بیوی ہی کا ہے؟"وہ پریشان ہوتے ہوئے بولی۔

"ہاں'یہ حقیقت تو بڑی واضح اور کھلی ہے۔"میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔"چھری خربوزے پر گرے یا خربوزہ چھری پر'دونوں صورتوں میں خربوزہ ہی کٹتا ہے۔"

"یہ تو بڑی زیادتی والی بات نہیں؟"وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

"جو بھی ہے'میں نے حقائق آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔"میں نے کہا۔"فیصلہ کرنا

آپ کا کام ہے۔"

"آپ وکیل ہیں' قانونی داؤ پیچ کے ماہر ہیں۔ وہ امید بھری نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔" میرے لیے کوئی مناسب راہ نکالیں۔ ایسی راہ جس پر چلتے ہوئے سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی سلامت رہے......" لمحاتی توقف کر کے اس نے گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے بولی۔

"میں کسی بھی قیمت پر عرفان کو کھونا نہیں چاہتی...... اور آپ ہر صورت میں اسے واپس لے کر آئیں گے۔ اگر اس نے ابھی تک ڈاکٹر ناہید سے شادی نہیں کی تو وہ اس خیال سے باز آ جائے اور اگر انہوں نے شادی کر لی ہے تو بھی وہ ناہید کو اپنی زندگی سے نکال کر صرف اور صرف میرا اور اپنے تین بچوں کا ہو جائے۔"

"میں نے آپ کے تمام تر حالات سن لیے ہیں۔"

اس کے خاموش ہونے پر میں نے کہا۔" آپ مجھے چار پانچ دن کی مہلت دے دیں تاکہ میں لائحہ عمل تیار کر سکوں کہ اس پروجیکٹ پر کس انداز میں پیش قدمی کرنا ہے۔"

"آپ کو جتنا وقت چاہیے' لے لیں اور خوب غور و خوض کے بعد آگے بڑھیں۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔" آپ جو بھی چکر چلائیں' کوئی بھی قانون آزمائیں لیکن ہر صورت میں اور ہر قیمت پر جیت میری ہونا چاہیے۔ آپ ڈاکٹر عرفان کو ڈاکٹر ناہید کے چنگل سے نکال کر میرے حوالے کریں گے۔"

اوکے!" میں نے پُراعتماد انداز میں کہا۔" کچھ کرتے ہیں......"

"میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیں؟" اس نے سوالیہ نظر سے میری طرف دیکھا اور اپنے ہینڈ بیگ کی جانب ہاتھ بڑھا دیے۔

میں نے وکالت نامہ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

"اسے پُر کرنے کے بعد دستخط کر دیں۔" میں نے کہا۔

"آپ کے دستخط کر دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ میں نے آپ کا کیس ڈیل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ یہ بظاہر تو ایک رسمی سی کاغذی کارروائی ہے لیکن یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ آپ نے ایک قانونی کام میرے سپرد کیا ہے اور میں نے اس کام کو کرنے کی ہامی بھری ہے۔"

اس نے اثبات میں گردن ہلائی اور وکالت نامے کے ضروری کالمز میں ضروری معلومات کا اندراج کرنے لگی۔ پھر وکالت نامے کے آخری حصے میں اپنے دستخط کر کے اس نے کام مکمل کر دیا۔ اس نے وکالت نامہ میری جانب بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کی فیس کیا ہے بیگ صاحب......؟"

میں نے اپنی فیس کے اماؤنٹ سے اسے آگاہ کرنے کے بعد کہا۔" میں فیس ایڈوانس میں لیتا ہوں اور یہ صرف میری فیس ہے۔ اس کے علاوہ جو بھی عدالتی اخراجات ہوں گے' وہ آپ کے ذمے ہیں۔"

"او۔ کے......" اس نے مضبوط لہجے میں کہا اور فیس کی رقم گن کر میرے حوالے کر دی۔

میں نے گنے بغیر مذکورہ رقم کو اپنی میز کی دراز میں ڈال دیا اور ثبوت کے طور پر فیس کی وصولی کی مد میں ایک رسید بنا کر اس کے حوالے کر دی۔ اس نے مذکورہ رسید پر ایک سرسری سی نگاہ ڈالی پھر میرے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے مستفسر ہوئی۔

"بیگ صاحب! میں نے آپ کو جو رقم دی ہے وہ آپ نے گنی کیوں نہیں؟"

"گن لی ہے......" میں نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے کہا۔

"کب......؟" اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"جب آپ ہینڈ بیگ میں سے نکال کر نوٹ گن رہی تھیں تو آپ کی انگلیوں کے ساتھ ساتھ میری آنکھوں نے بھی گن لیے تھے۔" میں نے بہ دستور مسکراتے ہوئے کہا۔

آپ اطمینان رکھیں۔ آپ کی ادا کردہ رقم میری فیس کے عین مطابق ہے۔ اگر کوئی اونچ نیچ ہوتی تو میں' آپ کے ہاتھ سے نوٹ لینے سے ٹوک دیتا......"

"بیگ صاحب! آپ کی نظر تو بہت تیز ہے......" وہ دیدے گھماتے ہوئے بولی

"میں ایک پروفیشنل ہوں۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔" اس لیے اپنے پیشے کے تقاضے پورے کرتے ہوئے نظر کو تیز اور مغز کو بیدار رکھنا پڑتا ہے۔"

"آپ کی ان نظری اور مغزی صلاحیتوں کے بارے میں جان کر بڑی خوشی ہوئی بیگ صاحب۔" وہ مطمئن انداز میں بولی۔" مجھے اُمید ہے' آپ کی یہی پیشہ ورانہ صلاحیتیں مجھے میرے مقصد میں کامیابی دلائیں گی۔"

"ان شاء اللہ۔" میں نے تہ دل سے کہا۔

اس نے میرا شکریہ ادا کیا اور چند روز بعد دوبارہ ملاقات کا وعدہ کر کے رخصت ہو گئی۔ جاتے ہوئے وہ میرا وزیٹنگ کارڈ بھی لے گئی تھی جس پر میرے کاروباری رابطہ نمبر درج تھے۔ اس نے ضد کر کے میرے گھر کا فون نمبر بھی کارڈ کے پیچھے لکھوا لیا تھا اور اس بات کا وعدہ بھی کیا تھا کہ وہ مجھے خوامخواہ تنگ نہیں کرے گی۔

✧✧✧

ہما عرفان نے جو کیس میرے حوالے کیا تھا اس میں فی الحال عدالتی کام سے زیادہ سراغ رسانی کا کام تھا۔ مجھے اپنے ہتھکنڈے اور ذرائع استعمال کر کے سب سے پہلے یہ معلوم کرنا تھا کہ آیا ڈاکٹر عرفان کی ڈاکٹر ناہید کے ساتھ محض دوستی کا رشتہ تھا یا انہوں نے باقاعدہ شادی کر لی تھی۔ اس کے بعد ہی لائحہ عمل ترتیب دیا جا سکتا تھا۔ یہ میرے لیے نہایت ہی آسان کام تھا لہٰذا میں نے اسے ایک دو روز بعد پر ٹال دیا اور دیگر ہنگامی نوعیت کے عدالتی کاموں میں مصروف رہا۔ میں نے شاید اس معاملے کو اس لیے بھی دوسری عدالتی مصروفیات پر فوقیت نہیں دی تھی کہ اس کیس میں مجھے کسی قسم کی ایمرجنسی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

یہ تین روز بعد کی بات ہے۔ میں اپنے گھر میں سونے سے پہلے کسی ضخیم قانونی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھا کہ میرے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ تیسری گھنٹی پر میں نے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو......" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

دوسری جانب سے ہما کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ "بیگ صاحب......"

"ہاں...... بات کر رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"اینی پرابلم؟"

"آپ اس وقت کہاں ہیں؟" اس نے پوچھا۔

اس کا یہ سوال مجھے احمقانہ سا لگا۔ میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔ "آپ نے میرے کس نمبر پر رنگ کیا ہے مسز عرفان؟"

"گھر کے نمبر پر......" وہ بدستور گھبراہٹ آمیز لہجے میں بولی۔

"بس تو پھر آپ اطمینان رکھیں کہ میں اس وقت اپنے گھر پر ہی ہوں۔" میں نے

معتدل انداز میں کہا۔ "آواز سے اندازہ ہوتا ہے آپ کی جانب کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے؟"

"بہت بڑی گڑبڑ...... بیگ صاحب!" وہ ہراساں لہجے میں بولی۔

"اوہ......" میں نے گہری سانس خارج کی اور پوچھا۔ "تفصیل کیا ہے؟"

"عرفان کو پولیس نے گرفتار کر لیا ہے......" وہ بکھری ہوئی آواز میں بولی۔

مجھے ایک جھٹکا سا لگا۔ بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔

"کیا مطلب؟"

"ڈاکٹر ناہید کو کسی نے گزشتہ رات اس کے فلیٹ میں قتل کر دیا ہے۔" ہما نے بدستور پریشان لہجے میں بتایا۔

"تو کیا عرفان کو ناہید کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جی ہاں......" اس نے اثبات میں جواب دیا۔

"میں ابھی اور اسی وقت آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔"

اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے میں نے سوال کیا۔ "عرفان اس وقت کہاں ہے؟"

وہ متعلقہ تھانے کا نام بتانے کے بعد بولی۔ "مجھے یقین ہے عرفان نے ناہید کو قتل نہیں کیا۔ پولیس کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"عرفان کو کب اور کہاں سے گرفتار کیا گیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"آج رات آٹھ بجے۔" اس نے جواب دیا۔ "شیخ ہسپتال میں اس وقت گرفتاری عمل میں آئی ہے۔"

"کیا گرفتاری کے بعد آپ کی عرفان سے ملاقات ہوئی ہے؟"

"جی ہاں، میں ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی اس سے مل کر آئی ہوں۔" اس نے بتایا۔

"تھانے سے نکلنے کے بعد میں سب سے پہلے آپ ہی کو فون کر رہی ہوں۔"

"عرفان اس واقعے کے بارے میں کیا کہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اس نے اپنی قطعی لاعلمی ظاہر کی ہے۔"

"پولیس کا موقف کیا ہے؟"

"میں نے تھانہ انچارج سے بات کی ہے۔" اس نے بتایا۔ "اس نے کھل کر مجھ سے

کچھ نہیں کہا۔بس اتنا بتایا ہے کہ ڈاکٹر ناہید کی لاش دریافت ہونے کے بعد جب پولیس نے اس سلسلے میں تفتیش کا آغاز کیا تو جلد ہی انہیں پتا چل گیا کہ عرفان نامی ایک ڈاکٹر اکثر وبیشتر ناہید سے ملنے اس کے فلیٹ پر آیا کرتا تھا۔پولیس نے بڑی سرگرمی سے تلاش کرتے ہوئے اس بات کا سراغ لگا لیا کہ مذکورہ ڈاکٹر عرفان ''شفیع ہسپتال'' کا مالک ہے لہٰذا انہوں نے ہسپتال پہنچ کر عرفان کو گرفتار کرلیا......''

میں نے پوچھا۔''اس کے علاوہ تھانہ انچارج نے اور کچھ بتایا؟''

''نہیں بیگ صاحب!'' وہ ٹھوس لہجے میں بولی۔

''میں نے بہت پوچھنے کی کوشش کی۔تھانہ انچارج کا ایک ہی جواب تھا...... باقی کی باتیں عدالت میں ہوں گی۔''

''ٹھیک ہے۔''میں نے ہما کی بپتا سننے کے بعد کہا۔

''آپ زیادہ پریشان نہ ہوں۔میرے اندازے کے مطابق پولیس کل صبح عرفان کو عدالت میں پیش کر کے اس کا ریمانڈ لینے کی کوشش کرے گی۔آپ بھی عدالت آ جائیں۔میں آپ کو وہیں مل جاؤں گا۔''

''کیا آپ اس وقت مجھ سے نہیں مل سکتے بیگ صاحب؟''اس کی توقع سے لبریز آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

میں نے جواب دینے سے پہلے نگاہ اٹھا کر دیوار گیر کلاک کی جانب دیکھا اور کہا۔''مسز عرفان! اس وقت رات کے گیارہ بج رہے ہیں۔میرا خیال ہے آدھی رات کو ہماری ملاقات بے سود ہی ثابت ہوگی۔عرفان پولیس کی کسٹڈی میں ہے۔وہ اسے کل صبح ہی عدالت میں پیش کرے گی۔آپ کے پاس جو معلومات تھیں وہ آپ مجھے فراہم کر چکی ہیں......''

''میں چاہتی ہوں عرفان کا کیس آپ فوراً ہاتھ میں لے لیں۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔''مجھے صد فیصد یقین ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔عرفان کو کسی گہری سازش کے تحت پولیس اس کیس میں پھنسانے کی کوشش کر رہی ہے۔''

''اگر آپ کا کہا یہ سب درست بھی ہے تو بھی اس وقت تھانے جانے سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوگا۔''میں نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔''آپ اس بات کی تسلی رکھیں کہ یہ کیس میں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔آپ فیس تو مجھے ایڈوانس میں ادا کر ہی چکی

ہیں۔کل صبح عدالت کا وقت شروع ہونے سے پہلے میں ڈاکٹر عرفان سے وکالت نامہ وغیرہ بھی سائن کرالوں گا۔''

''بیگ صاحب! اگر اس وقت تھانے جانے سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوگا تو ممکن ہے کوئی عام فائدہ ہی حاصل ہو جائے۔''وہ ملتجیانہ انداز میں بولی۔''بیگ صاحب...... پلیز!''

جب مصیبت میں گھری ہوئی خواتین اس انداز میں ''پلیز'' کہتی ہیں تو انکار کرنا میرے بس میں نہیں رہتا۔میں نے ہما کے اطمینان کی خاطر اپنا آرام قربان کرنے کا فیصلہ کرلیا اور فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''ٹھیک ہے مسز عرفان! میں آدھے گھنٹے کے بعد آپ کو متعلقہ تھانے کے باہر ملوں گا۔آپ بھی وہیں پہنچ جائیں۔''

''میں اس وقت آپ کی رہائش کے بہت قریب آپ کو فون کر رہی ہوں۔''اس نے انکشاف انگیز لہجے میں بتایا۔''تھانے سے نکلنے کے بعد میں ڈرائیو کرتے ہوئے آپ کے علاقے کی طرف آگئی تھی تاکہ آپ کو پک کر کے اپنے ساتھ لے جاؤں۔''

''اوہ......''میں نے ایک گہری سانس خارج کی۔

''میں براہ راست بھی آپ کی ڈور بیل بجا سکتی تھی۔''وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔''فون اس لیے کیا کہ پتا چلا سکوں' آپ گھر میں موجود بھی ہیں یا نہیں۔''

''مسز عرفان!''میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔''آپ مجھے دس سے پندرہ منٹ دے دیں' پھر میں آپ کے ساتھ تھانے جانے کے لیے تیار ملوں گا۔''

''او۔کے بیگ صاحب!''وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔''ٹھیک بیس منٹ کے بعد میں آپ کے بنگلے کے سامنے اپنی گاڑی میں آپ کی منتظر ملوں گی۔''

''آپ نے میری رہائش گاہ دیکھ رکھی ہے؟''میں نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''لوکیشن کا اندازہ ہے۔''وہ بڑے اعتماد سے بولی۔

''دس' پندرہ منٹ میں یقیناً ڈھونڈ لوں گی۔''

''او۔کے......''میں نے مختصراً کہا۔

''تھینک یو بیگ صاحب!''اس کی ممنونیت بھری آواز سنائی دی۔

میں نے''خدا حافظ'' کہہ کر ریسیور کریڈل کر دیا۔

اس رات میں نے تھانے جا کر ڈاکٹر عرفان سے ایک بھرپور ملاقات کی۔ پولیس کسٹڈی میں کسی ملزم خصوصاً قتل کے ملزم سے ملاقات کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے مجھے مختلف ہتھکنڈے استعمال کرنا پڑتے ہیں جن کا ذکر میں پہلے کئی بار تفصیلاً کر چکا ہوں لہٰذا مختصراً یہی سمجھ لیں کہ میں نے اپنے آزمودہ کار طریقوں پر عمل کر کے ڈاکٹر عرفان سے ملاقات کر لی۔

یہ ملاقات خاصی سنسنی خیز ثابت ہوئی۔ عرفان کی زبانی جو معلومات مجھے حاصل ہوئیں وہ انتہائی دلچسپ اور سبق آموز تھیں۔ ان کی تفصیل عدالتی کارروائی کے دوران میں گاہے بہ گاہے آپ کے سامنے کھلتی رہے گی...... بس اتنا بتاتا چلوں کہ ڈاکٹر عرفان نے لگ بھگ چار ماہ پہلے ڈاکٹر ناہید سے شادی کر لی تھی۔

میں نے درخواست ضمانت اور وکالت نامے پر ڈاکٹر عرفان کے دستخط لیے۔ اسے ضروری ہدایات دیں اور تھانے سے باہر نکل آیا۔

میں چونکہ ہما کی گاڑی میں بیٹھ کر اپنے گھر سے تھانے پہنچا تھا لہٰذا واپسی میں اسی نے مجھے ڈراپ بھی کرنا تھا۔ ہم تھانے سے روانہ ہوتے تو اس نے مجھ سے پوچھا۔

''بیگ صاحب! عرفان سے آپ کی ملاقات کیسی رہی؟''

اس کے لہجے میں گہری تشویش جھلکتی تھی۔ تھانہ انچارج نے صرف مجھے حوالات میں جا کر ڈاکٹر عرفان سے ملنے کی اجازت دی تھی۔ اس دوران میں ہما برآمدے میں بچھی ایک چوبی بینچ پر بیٹھی رہی تھی لہٰذا وہ نہیں جانتی تھی کہ میرے اور عرفان کے بیچ کس نوعیت کی گفتگو ہوئی تھی۔

میں نے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ کے لیے دو خوشخبریاں ہیں مسز عرفان......''

''کون سی خوشخبریاں بیگ صاحب؟'' اس نے ڈرائیونگ پر توجہ مرکوز رکھتے ہوئے چونک کر پوچھا۔

''خوشخبری نمبر ایک......'' میں نے ڈرامائی انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ ڈاکٹر عرفان کو جس چڑیل کے چنگل سے آزاد کرانے کی تگ ودو میں میرے پاس پہنچی تھیں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہ دنیا چھوڑ کر دوسری دنیا میں جا چکی ہے۔ میرا اشارہ ڈاکٹر ناہید کی جانب

ہے......''

''میں آپ کا اشارہ بہ خوبی سمجھ رہی ہوں بیگ صاحب!'' وہ سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے بولی۔ ''لیکن وہ چڑیل تو مرنے کے بعد بھی عرفان کی ذات سے لپٹی ہوئی ہے۔ عرفان کو پولیس نے اسی کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا ہے۔''

''دوسری خوشخبری اسی حوالے سے ہے۔'' میں نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''عرفان نے مجھے جو معلومات فراہم کی ہیں ان کی روشنی میں میں بڑے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ عرفان بے گناہ ہے۔ اس نے ڈاکٹر ناہید کو قتل نہیں کیا۔''

''آپ کا وثوق اس امر کا مظہر ہے کہ آپ عرفان کی باعزت رہائی کے لیے سرتوڑ کوشش کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو چکے ہیں......؟'' وہ ٹھوس مگر سوالیہ انداز میں بولی۔

''بالکل!'' میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''میں نے عرفان سے وکالت نامہ اور درخواست ضمانت سائن کروائی ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ میں اس کا کیس جی جان سے لڑوں گا۔''

''شکریہ بیگ صاحب!'' وہ تشکر آمیز لہجے میں بولی۔

''اس کے ساتھ ہی ایک ایسی خبر بھی ہے جس سے آپ کو جذباتی صدمہ پہنچ سکتا ہے۔'' میں نے محتاط انداز میں کہا۔

''کیا مطلب؟'' اس کے استفسار سے تشویش جھلکتی تھی۔

''چار ماہ پہلے عرفان نے ناہید سے شادی کر لی تھی۔'' میں نے انکشاف انگیز انداز میں کہا۔

''کک...... کیا......؟'' اس کے حلق سے حیرت بھری آواز خارج ہوئی۔

''ہاں...... یہ حقیقت ہے۔'' میں نے تصدیقی انداز میں کہا۔

عرفان اور ناہید کی شادی کی خبر سے ہما کو ذہنی دھچکا لگا تھا۔ چند لمحات کے لیے وہ سن سی ہو کر رہ گئی تھی۔ اسٹیئرنگ پر ایک لمحے کے لیے اس کے ہاتھ بھی بوکھلاہٹ کا شکار ہوئے تھے تاہم جلد ہی وہ خود کو سنبھالنے میں کامیاب ہو گئی تھی اور اس کامیابی میں سب سے بڑا ہاتھ اس اطمینان کا تھا کہ اس کی حریف ڈاکٹر ناہید اب اس دنیا میں باقی نہیں رہی تھی۔ اگر وہ چار ماہ پہلے اس کی سوتن بن بھی گئی تھی تو اس کی موت نے یہ کانٹا نکال دیا تھا۔

"کیا شادی والی بات آپ کو خود عرفان نے بتائی ہے؟" اس نے میرے گھر کی سمت ڈرائیونگ جاری رکھتے ہوئے پوچھا۔

"ظاہر ہے اور مجھے کیسے پتا چل سکتا تھا۔" میں نے سرسری انداز میں جواب دیا۔

"لیکن تھوڑی دیر پہلے جب میں عرفان سے مل کر گئی تھی تو اس نے مجھ سے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔" وہ الجھن زدہ انداز میں بولی۔

"اس کا سبب ندامت کا شدید ترین بوجھ ہوسکتا ہے۔" میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔"عرفان یک بہ یک ضمیر کے بوجھ تلے دب کر رہ گیا ہے اسی لیے وہ آپ کے سامنے اپنے جرم کا اقرار نہ کرسکا......"

'دوسری شادی کی تفصیلات کیا ہیں بیگ صاحب؟"

ذہنی پریشانی میں گھرے ہونے کے باوجود بھی وہ بیویوں والی مخصوص نفسیات سے مجبور ہو کر یہ سوال کیے بنا نہ رہ سکی۔

میں نے کہا۔"مسز عرفان! آپ عرفان اور ناہید کی انڈر اسٹینڈنگ سے تو اچھی طرح واقف ہی ہیں۔ بس اس بات کی آپ کو خبر نہیں تھی کہ ان لوگوں نے باقاعدہ شادی کر لی ہے یا ماضی کی دوستی کو بغیر نکاح ہی کے نبھائے چلے جا رہے ہیں۔"

"جی ہاں صورت حال میرے نزدیک تو کچھ اسی قسم کی تھی۔" وہ تائیدی انداز میں بولی۔"یہ انکشاف تو آپ کی زبانی مجھ تک پہنچا ہے کہ وہ پچھلے چار ماہ سے میاں بیوی کی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔"

"عرفان کی زبانی جو حالات میرے علم میں آئے ہیں ان کے مطابق ڈاکٹر ناہید نے پوری طرح عرفان کے دل و دماغ کو اپنے قبضے میں کر رکھا تھا۔ عرفان اس کے سامنے خود کو بے بس محسوس کرنے لگتا تھا۔ ان دنوں ناہید جس فلیٹ میں رہ رہی تھی وہ بھی ڈاکٹر عرفان ہی نے اسے اس کے نام سے لے کر دیا تھا......"

"اوہ مائی گاڈ......" اس کی سرسراتی ہوئی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔"معاملات اس نہج تک جا پہنچے تھے اور مجھے کوئی خبر ہی نہیں تھی......؟"

"اس کا بھی ایک خاص سبب ہے؟" میں نے کہا۔

"ابتدا میں آپ نے عرفان پر اندھا اعتماد کیا تھا۔ آپ کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ

سکتا تھا کہ عرفان آپ سے اس نوعیت کی بے وفائی کا مرتکب ہوسکتا ہے۔"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں بیگ صاحب۔" وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔"میرا تو کبھی اس طرف دھیان بھی نہیں گیا تھا......"

"اور جب ان معاملات کی طرف دھیان گیا تو بہت دیر ہو چکی تھی۔" میں نے ایک بوجھل سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔"جب تک ڈاکٹر ناہید کا جادو ڈاکٹر عرفان کو اپنے شکنجے میں پوری طرح کس چکا تھا۔"

"ہوں......" اس نے گمبھیر انداز میں کہا۔

"آپ نے اپنے جاسوس طفیل کی مدد سے عرفان کی چوری پکڑ لی۔" میں نے سلسلہ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔"عرفان بوکھلا کر رہ گیا۔ فوری طور پر اس کی سمجھ میں یہی آیا کہ وہ اپنے جرم کا اقرار کر کے آپ کا ہر مطالبہ مان لے۔"

"ہاں واقعی بیگ صاحب......" وہ چونکتے ہوئے انداز میں حیرت کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔"اس نے نہ صرف شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے مجھ سے اپنے کیے کی معافی مانگی تھی بلکہ میری خواہش پر فوراً ناہید کو اپنے ہسپتال سے نکال بھی دیا تھا لیکن مجھے کیا پتا تھا کہ......"

وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گئی۔

میں نے کہا۔"جو کچھ ہو چکا وہ آپ کے سامنے ہے۔ آپ کو اس موقع پر عقل مندی اور بردباری کا ثبوت دینا ہے۔"

"مثلاً......؟" وہ میرے علاقے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔

"مثلاً یہ کہ عرفان اس وقت بری طرح ٹوٹا ہوا ہے۔" میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔"اس کو آپ کی جانب سے مورل سپورٹ کی اشد ضرورت ہے۔ آپ اس موقع پر اس کی غلطیاں اور کوتاہیاں گنوانے نہیں بیٹھ جائیں گی۔ ایک تو اس کی بیوی قتل ہوئی۔ دوسرے اپنی بیوی کے قتل کے الزام میں اسی کو دھر لیا گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے بیگ صاحب!" وہ سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی۔"میں آپ کی ہدایت پر ضرور عمل کروں گی۔ میرے لیے سب سے زیادہ اطمینان بخش بات یہ ہے کہ ڈاکٹر ناہید ہمیشہ کے لیے میرے راستے سے ہٹ گئی ہے۔ میں عرفان کی واپسی سے بہت خوش ہوں لیکن وہ بیٹھے بیٹھائے جس چکر میں پھنس گیا ہے نا......"

"آپ اس چکر کی ذرا پروا نہ کریں مسز عرفان!" میں نے حوصلہ بخش انداز میں کہا۔ "آپ کے شوہر کو اس چکر سے نکالنے کے لیے میں اپنی بہترین پیشہ ورانہ صلاحیتیں صرف کردوں گا۔"

"اللہ آپ کی زبان مبارک کرے بیگ صاحب!"

وہ دعائیہ انداز میں بولی اور میرے گھر کے سامنے گاڑی روک دی۔

"ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔" میں نے بڑے وثوق سے کہا پھر پوچھا۔ "آپ کو اس وقت گھر جاتے ہوئے کوئی پرابلم تو نہیں ہوگی؟"

"اگر آپ کہیں تو میں چھوڑ دیتا ہوں......؟"

"اس کی ضرورت نہیں ہے' میں بڑے آرام سے چلی جاؤں گی۔" اس نے پُراعتماد انداز میں کہا۔ "میں پہلے ہی آپ کو بہت زحمت دے چکی ہوں۔"

میں نے اس سے زیادہ بحث مناسب نہیں جانی اور "خداحافظ" کہہ کر اپنے گھر میں داخل ہوگیا۔

✧✧✧

آئندہ روز پولیس نے میرے مؤکل اور اس کیس کے ملزم ڈاکٹر عرفان کو عدالت میں پیش کرکے اس کا جسمانی ریمانڈ لینے کی درخواست کی۔

میں نے اس موقع پر اپنے وکالت نامے کے علاوہ ملزم کی درخواست ضمانت بھی عدالت میں دائر کردی۔ وکیل استغاثہ نے ملزم کی ضمانت رکوانے کے لیے بڑے بھرپور دلائل دیئے۔ میرے دلائل بھی خاصے وزنی تھے۔ جج نے بڑی توجہ سے دونوں جانب کی باتیں سنیں اور ایک گھنٹے کی سماعت کے بعد ملزم کی درخواست ضمانت کو رد کرتے ہوئے ڈاکٹر عرفان کو سات دن کے ریمانڈ پر پولیس کسٹڈی میں دے دیا۔

جج کا فیصلہ میرے لیے حیرت کا موجب نہیں تھا۔ قتل کے ملزم کی ضمانت ناممکن حد تک مشکل ہوتی ہے۔ استغاثہ کی جانب سے چند ایسے پوائنٹ عدالت کے سامنے رکھ دیئے گئے تھے جن کو نظرانداز کرتے ہوئے عدالت ملزم کو ضمانت پر رہا نہیں کرسکتی تھی۔

میں بخوبی جانتا تھا کہ ان اہم "پوائنٹس" کا توڑ کس طرح کرنا ہے' لیکن سردست اس بحث کو چھیڑنا ممکن نہیں تھا۔ جب عدالت کی باقاعدہ کارروائی شروع ہوجاتی تو مناسب مواقع

پر ان معاملات کو اجاگر کیا جاسکتا تھا۔

ہما خاصی پریشان نظر آرہی تھی۔ میں نے کہا۔ "مسز عرفان! آپ ابتدائی مرحلے پر ہی اتنی مایوس ہوگئی ہیں تو آگے چل کر کیا ہوگا......؟"

"میں مایوس نہیں ہوں بیگ صاحب!" وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے' بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "بس' یوں محسوس ہورہا ہے کہ میں یک بیک اکیلی ہوگئی ہوں۔"

"ایسا ہوتا ہے۔" میں نے تسلی بھرے لہجے میں کہا۔ "لگتا ہے' عدالتی معاملات سے آپ کا پہلی مرتبہ واسطہ پڑا ہے؟"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں' باقاعدہ واسطہ پہلی مرتبہ ہی پڑا ہے۔" وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ "ابو کو پراپرٹی کے معاملات کی غرض سے اکثر عدالت وغیرہ میں آنا جانا پڑتا تھا' لیکن انہوں نے کبھی مجھے ان چکروں میں نہیں الجھنے دیا تھا۔"

"تو پھر آپ مجھ پر مکمل بھروسا رکھیں۔" میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "میں آپ کو کسی الجھن میں نہیں پڑنے دوں گا اور عرفان کو اس کیس سے اس طرح نکال لوں گا جیسے مکھن میں سے بال کو کھینچ کر نکالا جاتا ہے......"

"آپ پر تو پورا بھروسا ہے بیگ صاحب۔" اس نے کہا۔

"بس' تو مطمئن ہوجائیں۔' میں نے کہا۔ "عدالتی معاملات کو مکمل طور پر مجھ پر چھوڑ دیں۔ آپ اپنے بچوں پر توجہ دیں۔"

"یہ آپ نے خوب کہا۔" وہ چونکتے ہوئے لہجے میں بولی۔ "میں کل سے انہیں نظرانداز کیے ہوئے ہوں۔"

"یہ افتاد ہی ایسی تھی۔ اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں میں نے کہا۔" ہسپتال کے معاملات کو کون دیکھ رہا ہے؟"

"ایڈمنسٹریٹر صاحب نے سب کچھ سنبھال رکھا ہے۔" وہ پُراعتماد انداز میں بولی۔ "ہسپتال کا ایک سسٹم بنا ہوا ہے۔ اس طرف سے مجھے کوئی فکر نہیں۔"

"یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔" میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

ہمارے بیچ ڈاکٹر عرفان کے کیس کے حوالے سے مزید پانچ چھ منٹ تک بات ہوتی رہی' پھر میں اس سے رخصت ہوکر دوسری عدالت کی جانب بڑھ گیا۔

ریمانڈ کی مدت پوری ہونے کے بعد پولیس نے عدالت میں چالان پیش کر دیا۔
پولیس نے ملزم کو سخت ترین سزا دلوانے کے لیے خاصا مضبوط چالان تیار کرنے کی کوشش کی تھی' لیکن میں جانتا تھا کہ چالان کی اس بظاہر مضبوط نظر آنے والی دیوار میں کس کس مقام پر شگاف موجود ہیں۔ مجھے انہی شگاف کو اپنے دلائل سے وسعت دے کر اتنا بڑا کرنا تھا کہ اس راستے سے بہ آسانی اپنے مؤکل کو نکال لانے میں کامیاب رہوں اور مجھے سو فیصد یقین تھا کہ میں ایسا کر کے دکھاؤں گا۔

اس پیشی اور آنے والی مزید دو پیشیوں پر کوئی قابل ذکر کارروائی عمل میں نہ آ سکی۔ یہ تینوں پیشیاں مختلف نوعیت کی عدالتی تکنیکی کارروائیوں کی نذر ہو گئیں' جن کی تفصیل میں جانا آپ کو بور کرنے کے مترادف ہو گا۔ یوں سمجھ لیں کہ لگ بھگ چار ماہ کے بعد اس کیس کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز ہوا۔ آگے بڑھنے سے قبل میں پوسٹ مارٹم رپورٹ کا ذکر ضرور کروں گا۔

اس رپورٹ کے مطابق' ڈاکٹر ناہید کی موت اٹھائیس مارچ کی رات گیارہ بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ اسے گلا گھونٹ کر موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ اسے موت کے منہ میں دھکیلنے سے قبل جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ اس رپورٹ کا سب سے انکشاف انگیز پہلو یہ بھی تھا کہ اپنی موت کے وقت ڈاکٹر ناہید اُمید سے تھی۔ علاوہ ازیں اس رپورٹ کے ساتھ منسلک کیمیکل ایگزامنر کی رپورٹ سے پتا چلا تھا کہ مقتول ڈاکٹر کے معدے سے خواب آور دوا کے آثار بھی ملے تھے۔ گویا پہلے مقتول کو کوئی نشہ آور شے کھلا کر بے ہوش یا نیم بے ہوش کیا گیا تھا' پھر اسے زیادتی کا نشانہ بنایا گیا اور آخر میں اس کا گلا گھونٹ کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

عدالتی کارروائی کا آغاز ہوا۔ جج نے فرد جرم پڑھ کر سنائی۔ ملزم نے صحت جرم سے صاف انکار کر دیا۔ اس کے بعد گواہوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ استغاثہ کی جانب سے کل آٹھ گواہوں کی فہرست دائرہ کی گئی تھی' لیکن میں یہاں پر نہایت ہی اہم گواہوں اور ان پر ہونے والی جرح کا ذکر کروں گا۔

جیسا کہ پچھلے صفحات میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ مقتول ڈاکٹر ناہید شیخ ہسپتال سے بے دخل کیے جانے کے بعد نیپا چورنگی پر واقع ایک پرائیوٹ ہسپتال سے منسلک ہو گئی تھی اور اس نے

پاپوش نگر والی رہائش بھی چھوڑ دی تھی۔ اپنی موت کے وقت وہ گلشن اقبال میں واقع ایک لگژری اپارٹمنٹ بلڈنگ میں رہائش پذیر تھی۔
عام گواہوں میں سب سے پہلے اپارٹمنٹ بلڈنگ کے چوکیدار زمان خان کو پیش کیا گیا۔ زمان خان کی عمر تیس اور چالیس سال کے درمیان رہی ہو گی۔ اس نے سچ بولنے کا حلف اٹھایا پھر وکیل استغاثہ اس کے قریب چلا گیا۔ اس نے اپنی جرح کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔
"زمان خان! کیا تم اس شخص کو جانتے ہو؟" سوال کے اختتام پر اس نے ڈاکٹر عرفان کی جانب اشارہ کر دیا۔
"جی بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔" گواہ نے جواب دیا۔
"اس "اچھی طرح" کی وضاحت کرو۔" وکیل استغاثہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔
گواہ نے تھوک نگل کر گلا تر کیا پھر وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ جناب' میں ڈائمنڈ اپارٹمنٹس کا چوکیدار ہوں لہٰذا مکینوں کے ساتھ ہی میں ان سے ملنے کے لیے آنے والے افراد پر بھی گہری نظر رکھتا ہوں۔"
"تو تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ملزم اکثر و بیشتر مقتول سے ملنے اس کے فلیٹ پر آیا کرتا تھا؟"
"جی...... جی ہاں......" گواہ نے اثبات میں گردن ہلائی۔ وکیل استغاثہ نے دو چار ضمنی سوالات کے بعد جرح موقوف کر دی۔
اپنی باری پر میں وٹنس باکس کے قریب چلا گیا پھر استغاثہ کے گواہ زمان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔
"خان صاحب! کیا آپ کو معلوم ہے کہ مرنے کے بعد انسان کہاں جاتا ہے؟"
وہ میرے اس عجیب و غریب سوال پر سٹپٹا کر رہ گیا پھر اضطراری انداز میں جواب دیا۔
"ظاہر ہے...... قبر میں جاتا ہے۔"
"ویری گڈ!" میں نے تعریفی نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ "آپ کا جواب صد فیصد درست ہے خان صاحب۔"
وہ میرے الفاظ پر الجھن زدہ نظر سے مجھے تکنے لگا۔ میں نے اپنی جرح کو آگے

بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''اور یقیناً آپ کو یہ بھی پتا ہوگا کہ ہر انسان کو اپنی ہی قبر میں جانا ہے؟''

''جی...... جی ہاں......'' اس نے جواب دیا۔

''تو پھر آپ کسی اور کی قبر میں گھسنے کی کوشش کیوں کر رہے ہیں؟'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''کک کیا مطلب جناب......؟'' وہ بکھری ہوئی آواز میں بولا۔

''آبجیکشن یور آنر۔'' وکیل استغاثہ نے احتجاجی انداز میں کہا۔ ''میرے فاضل دوست بے تکے سوالات سے استغاثہ کے معزز گواہ کو ہراساں کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

جج نے گہری سنجیدگی سے استفسار کیا۔ ''بیگ صاحب! آپ کے اس سوال کی کوئی اہمیت ہے؟''

''یس سر!'' میں نے سر کو تعظیمی انداز میں جنبش دیتے ہوئے کہا۔ ''اگر وکیل استغاثہ چند لمحات کے لیے صبر وتحمل کا مظاہرہ کریں تو میں اس اہمیت کی وضاحت کر دوں گا۔''

''بیگ صاحب! پلیز پروسیڈ۔'' جج نے مجھے جرح جاری رکھنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔

''نن...... نہیں۔'' اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

''بالکل نہیں۔''

''پھر آپ اسے اس کیس میں پھنسانے کی کوشش کیوں کر رہے ہیں؟''

''جی......'' اس کی الجھن میں کئی گنا اضافہ ہوگیا۔

''میں نے تو ایسی کوئی کوشش نہیں کی۔''

''آپ نے وکیل استغاثہ کے ایک سوال کے جواب میں تھوڑی دیر پہلے معزز عدالت کو بتایا ہے کہ آپ ڈائمنڈ اپارٹمنٹس کے مکینوں کو اچھی طرح جانتے ہیں اور ان کے ملاقاتیوں پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں......''

''تو......؟'' اس نے سوالیہ انداز میں میری طرف دیکھا۔

''تو...... یہ کہ آپ نے اس سلسلے میں کھلا جھوٹ بولا ہے۔'' میں نے رفتہ رفتہ اسے اپنے دام میں لانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''نہ تو آپ مقتول ڈاکٹر ناہید کو اچھی طرح جانتے ہیں اور نہ ہی اس کے ملاقاتیوں پر آپ کی گہری نظر تھی......'' ایک لمحے کا توقف کر کے

میں نے گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''اگر تم نے اپنے بیان کے مطابق اس ذمے داری کا ثبوت دیا ہوتا تو پھر یہ اندوہناک واقعہ پیش ہی نہ آتا......''

''میں سمجھا نہیں جناب۔'' وہ بے بسی سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میں نے تو کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ آپ یہ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں......''

''یہ کس قسم کی باتیں ہیں۔ میں ابھی بتاتا ہوں۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا پھر گواہ سے پوچھا۔ ''تم مقتول کے بارے میں کیا جانتے ہو؟''

''وہ ایک ہسپتال میں لیڈی ڈاکٹر تھیں۔'' اس نے بتایا۔ ''اور نیپا چورنگی کے قریب ایک ہسپتال میں ان کی ڈیوٹی تھی۔''

''اور ملزم کے بارے میں تمہاری کیا معلومات ہیں؟''

''یہ اکثر ڈاکٹر صاحبہ سے ملنے آتا تھا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اور کئی گھنٹے اس کے فلیٹ پر گزار کر جاتا تھا۔''

''اس کے علاوہ تم ملزم کے بارے میں کیا جانتے ہو؟''

''کچھ نہیں۔'' اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔

''تمہارا بیان ہے کہ ملزم اکثر مقتول سے ملنے اس کے فلیٹ پر آیا کرتا تھا اور کئی گھنٹے وہاں گزار کر واپس جاتا تھا۔''

میں نے جرح کے سلسلے کو دراز کرتے ہوئے کہا۔ ''کیا تم بتا سکتے ہو کہ ملزم کس حیثیت سے مقتول ڈاکٹر سے ملنے آیا کرتا تھا؟''

''حیثیت...... یہ میں کیسے بتا سکتا ہوں جناب۔''

''تم ایسے بتا سکتے ہو کہ......'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔ ''کہ تھوڑی دیر پہلے تم نے معزز عدالت کے سامنے دعویٰ کیا ہے کہ تم اس بلڈنگ کے مکینوں کو اچھی طرح جانتے ہو اور ان کے ملاقاتیوں پر گہری نظر رکھتے ہو۔''

میں ایک مخصوص انداز میں اسے اپنے گھیرے میں لا رہا تھا۔ اس نے ایک ایسا سوال کیا کہ پوری طرح میرے چنگل میں پھنس گیا۔ ''جناب! میں بلڈنگ میں آنے والے ملاقاتیوں کا شناختی کارڈ چیک نہیں کرتا اور نہ ہی ان سے اس سلسلے میں پوچھ گچھ کرتا ہوں کہ

ان کا کیمین کے ساتھ کیا رشتہ ہے۔"

"تو گویا تم معزز عدالت کو یہ بتانا چاہتے ہو کہ تمہیں اس بات کی کوئی خبر نہیں کہ مقتول ڈاکٹر اور ملزم کے بیچ تعلقات کی نوعیت کیا تھی...... مطلب' ان کے بیچ کیا رشتہ تھا؟"

"جناب عالی! مجھے سخت اعتراض ہے۔" وکیل استغاثہ ایک بار پھر بیچ میں کود پڑا۔ "استغاثہ کی تفصیلی رپورٹ اور پولیس کے پیش کردہ چالان میں یہ ساری باتیں درج ہیں۔ مقتول کسی زمانے میں ملزم کے ہسپتال میں جاب کرتی تھی۔ ان دونوں کے درمیان گہری وابستگی پیدا ہوگئی تھی۔ ملزم کی بیوی کے دباؤ پر ملزم نے مقتول کو اپنے ہسپتال سے فارغ کردیا تھا تاہم وہ تعلقات نبھانے اس کے گلشن اقبال والے فلیٹ پر بھی آتا رہا۔ ملزم کی بیوی ہمانے اپنے بیان میں ان تمام باتوں کی تائید اور تصدیق کی ہے۔" وہ لمحے بھر کے لیے سانس ہموار کرنے کو رکا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

"ظاہر ہے' ملزم اپنے دیرینہ تعلقات نبھانے کے لیے مقتول کے فلیٹ پر آیا تھا۔ ان تعلقات کی نوعیت بھی پوسٹ مارٹم رپورٹ سے عیاں ہے۔ ان کے جسمانی تعلقات نے جو گل کھلایا تھا وہ اس رپورٹ میں درج ہے۔ ظاہر ہے' اس کے بعد مقتول نے شادی کے لیے ضد کی ہوگی اور ڈاکٹر اس کے لیے تیار نہیں ہوا گا لہٰذا وہی ہوا' جو اس طرح کے کاموں میں ہوا کرتا ہے۔"

"گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ......" میں نے براہ راست وکیل استغاثہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"ملزم نے مقتول سے جان چھڑانے اور اپنے گناہ کو چھپانے کے لیے پہلے خواب آور گولیاں کھلا کر مقتول کو بے ہوش کیا' پھر اسے جنسی تشدد سے گزارنے کے بعد موت کے گھاٹ اتار دیا؟"

"جی ہاں...... کرائم سین اسی جانب اشارہ کرتا ہے۔"

"او کے۔" میں نے معتدل انداز میں پوچھا۔

"آپ کے اپنے اس دعوے کا کوئی ثبوت ہے؟"

"پوسٹ مارٹم رپورٹ میں یہ ساری باتیں لکھی ہوئی ہیں۔" وہ جان چھڑانے والے انداز میں بولا۔ "اور کیمیکل ایگزامنر کی رپورٹ بھی یہی کہانی سنا رہی ہے۔"

"یہ سب میں بھی جانتا ہوں۔" میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "میں نے آپ سے اس امر کا ثبوت مانگا ہے جس سے یہ بات پایہ یقین کو پہنچ جائے کہ یہ سب کچھ میرے مؤکل اور اس کیس کے ملزم نے کیا ہے۔"

وہ چند لمحات تک ٹٹولتی ہوئی نظر سے مجھے دیکھتا رہا پھر طنزیہ لہجے میں بولا۔ "تو کیا آپ کے پاس ایسا کوئی ٹھوس ثبوت ہے جس سے ثابت ہوجائے کہ یہ سب ملزم نے نہیں کیا اور وہ بے گناہ ہے؟"

"جی ہاں...... میرے پاس ٹھوس ثبوت موجود ہے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

عدالت میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔ جج نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "بیگ صاحب! آپ وہ ثبوت پیش کریں جو آپ کے مؤکل کے بے گناہی کو ثابت کرتا ہے۔"

"جناب عالی!" میں نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

"میں نے ٹھوس ثبوت عدالت کی خدمت میں ضرور پیش کروں گا' لیکن اس سے پہلے چند بنیادی باتیں واضح ہوجانا ضروری ہیں اور اس سلسلے میں' میں سب سے پہلے استغاثہ کے گواہ زمان خان پر اپنی جرح مکمل کرنا چاہتا ہوں۔"

جج نے اثبات میں گردن ہلا کر مجھے اجازت دے دی۔ میں دوبارہ گواہ کی جانب متوجہ ہوگیا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"زمان خان! کیا تم معزز عدالت کو بتا سکتے ہو کہ ملزم کے علاوہ مقتول ڈاکٹر کے ملاقاتیوں میں اور کون کون شامل تھا؟"

"آں...... کوئی نہیں۔" اس نے ذرا اٹک کر جواب دیا۔

"کمال ہے......" میں نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "تمہارا مطلب ہے کہ صرف ملزم ہی مقتول سے ملنے اس کے فلیٹ پر آیا کرتا تھا؟"

"جی...... میرا یہی مطلب ہے۔" وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

"اب مجھے یقین ہوگیا ہے کہ تم گڑبڑ کر رہے ہو۔" میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"کیسی گڑبڑ جناب......؟" وہ جزبز ہوکر بولا۔

"یا تو تم سراسر جھوٹ بول رہے ہو یا پھر اپنی ڈیوٹی سے غفلت کے مرتکب ہو رہے

ہو۔"

"کیا مطلب جناب؟" وہ روہانسی آواز میں بولا۔

"آپ مجھ پر ہی الزام لگائے جا رہے ہیں۔"

"میں الزام نہیں لگا رہا بلکہ حقیقت بیان کر رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ استغاثہ کا گواہ زمان خان غلط بیانی سے کام لے رہا ہے۔" وکیل استغاثہ اپنے گواہ کی حمایت میں بولا۔ "آپ کے مطابق' ملزم کے علاوہ کوئی اور بھی مقتول سے ملنے اس کے فلیٹ پر آیا کرتا تھا اور...... زمان خان کی اس پر نظر نہیں پڑی؟"

"تھینک یو میرے فاضل دوست'...... میں نے وکیل استغاثہ کی جانب فاتحانہ نظر سے دیکھا۔ "آپ نے تو میرے منہ کی الفاظ چھین کر میرا کام آسان کر دیا ہے...... بس' میں یہی کہنا چاہ رہا تھا۔"

وہ سٹپٹا کر رہ گیا۔ میری اس کاری ضرب نے اسے کافی تکلیف پہنچائی تھی۔ پھنکار سے مشابہ لہجے میں اس نے کہا۔

"تو پھر آپ ہی بتا دیں کہ وہ کون شخص ہے؟"

میں خاموشی سے اپنی فائلوں کی جانب بڑھ گیا۔ پھر ایک فائل میں سے پوسٹ کارڈ سائز کی ایک تصویر نکال کر دوبارہ وٹنس باکس کی طرف چلا گیا۔ یہ تصویر میں نے پاپوش نگر والے اہم سروے میں حاصل کی تھی۔ اس سلسلے میں ملزم کی بیوی ہما نے مجھ سے بھرپور تعاون کیا تھا۔ میں نے اس کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں دو چکر پاپوش نگر کے لگائے تھے جن سے کافی کارآمد معلومات حاصل ہوئی تھیں۔ یہ تصویر بھی انہی میں سے ایک تھی۔

میں نے مذکورہ فوٹو استغاثہ کے گواہ زمان خان کو دکھاتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تم اس شخص کو پہچانتے ہو؟"

چند لمحے غور کرنے کے بعد اس نے کہا۔ "چہرہ کچھ دیکھا بھالا تو لگ رہا ہے لیکن مجھے یاد نہیں آرہا کہ میں نے اسے کہاں دیکھا ہے......"

"میں یاد دلاتا ہوں۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "اس شخص کا نام صفدر عباسی ہے۔ یہ پاپوش نگر کا رہنے والا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وقوعہ کی رات یہ شخص مقتول ڈاکٹر ہما سے ملنے اس کے فلیٹ پر آیا تھا۔"

"ہوسکتا ہے...... آیا ہو...... مگر میرے ذہن میں نہیں ہے۔" گواہ نے بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

میں نے مذکورہ فوٹو جج کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"جناب عالی! اگرچہ استغاثہ کے گواہ نے اس شخص صفدر عباسی کو وثوق سے نہیں پہچانا لیکن اس نے اس خیال کا اظہار ضرور کیا ہے کہ یہ چہرہ اس کا دیکھا ہوا ہے لہٰذا میں معزز عدالت سے استدعا کروں گا کہ اس شخص کو شامل تفتیش کیا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ اس شخص کی گرفتاری کیس کو نیا رخ دے گی۔"

اس کے ساتھ ہی عدالت کا وقت ختم ہوگیا۔ جج نے پندرہ دن بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کر دی۔

✧✣✧

اگلی پیشی پر استغاثہ کی جانب سے تین گواہ عدالت میں پیش کیے گئے' لیکن ان کے بیانات اور ان پر ہونے والی جرح میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔

آئندہ پیشی پر میں نے جج سے درخواست کر کے اس میں کیس کے انکوائری آفیسر کو کٹہرے میں بلا لیا۔

انکوائری آفیسر رینک کے اعتبار سے ایک سب انسپکٹر تھا۔

"آئی او صاحب! آپ نے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ تو بڑی توجہ سے پڑھی ہوگی؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔" وہ گہری نظر سے مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ "پوسٹ مارٹم رپورٹ اور کیمیکل ایگزامنر کی رپورٹ کسی بھی کیس کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہوتی ہیں۔ انہیں بھلا کیسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے؟"

"بجا فرمایا آپ نے۔" میں نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی اور کہا۔ "پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق' مقتول ڈاکٹر ناہید کی موت اٹھائیس مارچ کی شب گیارہ اور بارہ بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ ایم آئی رائٹ؟"

"جی بالکل۔" اس نے اثبات میں جواب دیا۔

"لیکن میرے مؤکل اور اس کیس کے ملزم کا دعویٰ ہے کہ وہ وقوعہ کی رات گیارہ بجے سے پہلے ہی مقتول کے فلیٹ سے رخصت ہوگیا تھا۔ آپ اس سلسلے میں کیا کہیں گے؟"

"ملزم غلط بیانی سے کام لے رہا ہے۔اس نے مختصر سا جواب دیا۔

"پوسٹ مارٹم رپورٹ یقیناً غلط بیانی سے کام نہیں لے سکتی۔" میں نے سرسری انداز میں کہا پھر اپنی بات کو ان الفاظ میں آگے بڑھا دیا۔"اس رپورٹ کے مطابق مقتول کو گلا گھونٹ کر موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔کیا آپ کا بھی یہی خیال ہے؟"

"جی بالکل......لیکن آپ کچھ بھول رہے ہیں؟" میں طنزیہ انداز میں بولا۔

"کیا...... میں کیا بھول رہا ہوں؟" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"گلا گھونٹنے سے پہلے مقتول کو خواب آور دوا کھلا کر بے ہوش کیا گیا تھا اور اسے موت کے منہ میں دھکیلنے سے قبل ملزم نے اس کے ساتھ زیادتی بھی کی تھی۔یہ تمام باتیں رپورٹ سے ثابت ہیں۔"

"اوہ......واقعی میں تو یہ اہم پوائنٹ بھول ہی گیا تھا۔"

میں نے شرمندہ ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔"تو ٹھیک ہے۔پہلے ہم انہی پوائنٹ کو ڈسکس کر لیتے ہیں......"

میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اپنی جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔"اس بات میں کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں کہ مقتول کو خواب آور دوا کھلا کر ہوش وحواس سے بے گانہ کیا گیا تھا تا کہ قاتل اپنی ہوس کی تکمیل کر سکے۔کیا آپ نے وقوعہ پر چائے، کافی یا شربت وغیرہ کے ایسے برتن دیکھے یا دیکھا جس میں خواب آور دوا مقتول کو دی گئی تھی؟"

"ہم نے وقوعہ پر موجود کچن کے تمام برتنوں کو چیک کیا تھا لیکن کسی کپ یا گلاس میں اس قسم کی دوا کے آثار نہیں ملے۔" وہ خاصے مضبوط لہجے میں بولا۔"عیار قاتل نے وقوعہ سے رخصت ہونے سے پہلے ایسے تمام ثبوت مٹا دیے تھے۔"

"عیار قاتلوں سے ایسی توقعات رکھی جا سکتی ہیں۔" میں نے آئی او کی ہاں ملاتے ہوئے کہا پھر پوچھا۔

"مقتول کو گلا گھونٹ کر موت کے گھاٹ اتارا گیا۔کیا آپ نے مقتول کی گردن پر سے قاتل کے فنگر پرنٹس اٹھانے کی کوشش کی تھی؟"

"جی کوشش کی تھی......" وہ بڑی رسان سے بولا۔

"لیکن ایسی کوئی رپورٹ استغاثہ میں کہیں نظر نہیں آ رہی؟" میں نے چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔"کہیں عیار قاتل نے استغاثہ کی فائلوں میں سے مذکورہ رپورٹ بھی تو نہیں چرالی؟"

"ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ میری چوٹ پر تلملاتے ہوئے بولا۔

"پھر کیسی بات ہے؟" میں نے بے ساختہ پوچھ لیا۔

"وہ دراصل بات یہ ہے کہ مقتول کی گردن پر کسی قسم کے فنگر پرنٹس نہیں پائے گئے تھے۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔"لگتا ہے قاتل نے مقتول کی گردن پر کوئی کپڑا وغیرہ رکھ کر اس کا گلا دبایا تھا البتہ......" وہ ڈرامائی انداز میں رکا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

"مقتول کے فلیٹ میں متعدد مقامات پر ملزم کی انگلیوں کے نشانات پائے گئے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اس سے ملنے اس فلیٹ پر جایا کرتا تھا۔"

"ملزم اس بات سے انکاری نہیں ہے کہ مقتول کے فلیٹ پر جایا کرتا تھا۔" میں نے ٹھوس انداز میں کہا۔

"مگر آپ کے بیان کردہ فلسفے سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ ملزم ہی نے مقتول کی جان لی ہے۔"

"تو پھر یہ وہاں جاتا ہی کیوں تھا......؟" وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔"پوسٹ مارٹم رپورٹ چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے کہ مقتول کو موت کے گھاٹ اتارنے سے پہلے جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا اور......اور...... یہ کہ اپنی موت کے وقت وہ اُمید سے تھی۔"

"اس میں کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں کہ مقتول کی موت سے قبل اس کے ساتھ زیادتی کی گئی تھی اور یہ کہ وہ اُمید سے بھی تھی۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔"لیکن اس کے قتل کا الزام میرے مؤکل کے سر لگانا درست نہیں ہے اور اب آپ کے سب سے اہم سوال کا جواب......"

میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑا تو وہ ایسی نظر سے مجھے تکنے لگا جیسے میں نے کوئی عجیب بات کر دی ہو۔بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا۔

"میرا کون سا اہم سوال؟"

"تو پھر یہ وہاں جاتا ہی کیوں تھا؟" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"بتاؤں...... میرا مؤکل مقتول کے فلیٹ پر کیوں جاتا تھا؟"

"جی بتائیں......" وہ ہونقوں کی طرح میرا منہ تکنے لگا۔

جج بھی گہری سنجیدگی سے مجھے دیکھ رہا تھا جیسے میں کوئی اہم انکشاف کرنے والا ہوں۔ میں نے نہایت ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔

"میرا مؤکل مقتول ڈاکٹر ناہید سے ملنے اس لیے جاتا تھا کہ یہ اس کا شوہر تھا...... ایک شوہر کو اپنی بیوی سے ملنے سے بھلا کون روک سکتا ہے۔"

"کک...... کیا......؟" وکیل استغاثہ بھونچکا رہ گیا۔ حاضرین عدالت پر بھی سکتہ طاری ہو گیا۔

"بیگ صاحب!" جج نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"میں حقیقت بیان کر رہا ہوں جناب عالی!" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ملزم ڈاکٹر عرفان نے پچھلے سال نومبر میں مقتول ڈاکٹر ناہید سے کورٹ میرج کر لی تھی۔ یہ چونکہ پہلے سے شادی شدہ ہے اور اپنی دوسری شادی کو پہلی بیوی سے چھپا کر رکھنا چاہتا تھا اس لیے اس نے دوسری شادی کا باقاعدہ اعلان نہیں کیا تھا۔"

"کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ ملزم نے چار ماہ پہلے مقتول سے کورٹ میرج کر لی تھی؟" جج نے گہری سنجیدگی سے سوال کیا۔

"یس سر...... میں نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

پھر تمام اہم دستاویزات اپنی فائل سے نکال کر جج کے سامنے میز پر رکھ دیے جن سے ثابت ہوتا تھا کہ چار ماہ پہلے ڈاکٹر عرفان اور ڈاکٹر ناہید نے باقاعدہ کورٹ میرج کی تھی۔"

جج نے مذکورہ کاغذات کا مطالعہ کرنے کے بعد اثبات میں گردن ہلا دی تو میں دوبارہ آئی او کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"آئی او صاحب! آپ کیا کہتے ہیں بیچ اس مسئلے کے۔ کیا کوئی شوہر اپنی بیوی کو اس انداز میں قتل کر سکتا ہے جبکہ چار ماہ پہلے انہوں نے لو میرج کی ہو اور بیوی امید سے بھی ہو......؟"

انکوائری آفیسر کے کچھ بولنے سے پہلے ہی وکیل استغاثہ کی حیرت سے معمور آواز عدالت کے کمرے میں ابھری۔

"اگر ڈاکٹر عرفان نے ڈاکٹر ناہید کو قتل نہیں کیا تو پھر اس کا قاتل کون ہے......؟"

"سبحان اللہ!" میں نے وکیل مخالف کی لوز بال پر باؤنڈری مارتے ہوئے کہا۔

"استغاثہ کے ٹھیکے دار آپ ہی اور سوال مجھ سے کر رہے ہیں کہ مقتول کو کس نے قتل کر دیا...... میں نے گزشتہ پیشی پر آپ کی مدد کرنے کی ایک کوشش کی تھی، لیکن شاید آپ نے میرے خلوص کی قدر نہیں کی۔"

"کیسی مدد؟" وہ بے ساختہ بولا۔

"صفدر عباسی کا فوٹو......" میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں کہا۔

اس کے ساتھ ہی عدالت کا مقرر وقت ختم ہو گیا۔ عدالت نے ایک ہفتہ بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کرنے کا اعلان کر دیا۔

"دی کوٹ از ایڈ جارنڈ......"

✧✧✧

آئندہ پیشی پر جج نے میرے مؤکل اور اس کیس کے ملزم ڈاکٹر عرفان کو باعزت بری کر دیا میرے چھوڑے ہوئے خطرناک فوٹو کی انگلی پکڑ کر پولیس نے اگلے روز ہی صفدر عباسی نامی اس شخص کو گرفتار کر لیا تھا۔ وہ زیادہ دیر تک پولیس کی تفتیش کا سامنا نہ کر سکا اور اس نے ڈاکٹر ناہید کے قتل کا اقبال کر لیا۔ واقعات کے مطابق۔

کسی زمانے میں ڈاکٹر ناہید پاپوش نگر میں رہا کرتی تھی۔ اسی زمانے میں اس کا صفدر عباسی سے تعلق استوار ہو گیا تھا، لیکن بعد میں ناہید نے پٹری بدل کر ڈاکٹر عرفان کو اپنا منظور نظر بنا لیا تو یہ بات صفدر عباسی کو بہت بری لگی۔

جب ناہید کو فیخ ہسپتال سے برخاست کیا گیا تو صفدر عباسی نے دوبارہ ناہید کے ساتھ ربط ضبط پیدا کرنے کی کوشش کی، لیکن ناہید نے اسے کوئی لفٹ نہ کرائی۔ اس کے نتیجے میں صفدر اسے بلیک میل کرنے لگا۔ وقوعہ کے روز وہ بلیک میلنگ کا مواد ناہید کے حوالے کر کے اس سے بھاری رقم وصول کرنے آیا تھا اور یہ اس کی چال تھی۔ اس کے ذہن کے اندر جو منصوبہ تھا اس نے اسی کے مطابق عمل کیا اور چپ چاپ اس کے فلیٹ سے نکل گیا۔

مسز عرفان اپنے شوہر کی باعزت رہائی پر بہت خوش تھی۔ جب ہم عدالت کے کمرے سے باہر آئے تو اس نے فرط جذبات میں کہا۔

''بیگ صاحب! کوئی چاہے کتنا بھی بڑا بازیگر کیوں نہ ہو۔ اسے بھی مات ہو سکتی ہے۔''

''اس میں تو کسی شک و شبہے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔'' میں نے تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''اللہ نے ہر سیر کے لیے سوا سیر پیدا کر رکھا ہے اس لیے ہر انسان کو اپنی کھال میں رہنا چاہیے۔'' وہ زیر لب مسکرانے لگی۔

✧✧✧

تھرڈ کزن

اس روز عدالت میں میرا کوئی کیس زیر سماعت نہیں تھا' لہٰذا میں صبح ہی سے اپنے آفس میں جم کر بیٹھ گیا۔ میرے ریگولر کلائنٹس کو دفتری اوقات کی خبر ہے اور وہ مجھ سے انہی مخصوص اوقات میں ملاقات کے لئے آتے ہیں۔ جب کبھی میں دن کے پہلے حصے میں آفس کھول کر بیٹھ جاؤں تو بڑی ''بے رونقی'' کا سماں رہتا ہے۔ کوئی بھولا بھٹکا یا بالکل نیا کلائنٹ تو دفتر میں جھانکنے آ جاتا تھا' مگر روزمرہ جیسی مصروفیت نہیں ہوتی تھی۔ اس پیشہ ورانہ فراغت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں آفس کے پینڈنگ کام نمٹا لیا کرتا تھا۔

دوپہر سے کچھ دیر پہلے ایک خوب صورت اور پرکشش عورت میرے دفتر میں داخل ہوئی۔ اس کے ساتھ ایک دبلا پتلا دراز قامت شخص بھی تھا۔ وہ دونوں چہرے سے کافی پریشان نظر آتے تھے۔

میں نے پیشہ ورانہ مسکراہٹ کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور بیٹھنے کے لئے کہا۔ وہ کرسیاں کھینچ کر میز کی دوسری جانب بیٹھ گئے تو میں نے باری باری دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

''جی فرمائیں...... میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

رسمی علیک سلیک کے دوران میں مجھے ان دونوں کے نام معلوم ہو چکے تھے۔ دراز قد شخص کاشف اور اس کے ساتھ آنے والی خاتون کا نام کنول تھا۔ میرے سوال کے جواب میں کاشف نے باقاعدہ گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے بتایا۔

''وکیل صاحب! ہم لوگ ایک مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔''

میں نے رف پیڈ کو سامنے رکھتے ہوئے قلم سنبھال لیا اور بڑی توجہ سے پوچھا۔ ''کس

قسم کی مصیبت کاشف صاحب؟"

"میرے بڑے بھائی اکبر کو پولیس نے گرفتار کرلیا ہے۔" اس نے بتایا۔

"اوہ......!" میں نے گہری سانس خارج کی اور پوچھا۔"پولیس نے اکبر کو کس الزام میں گرفتار کیا ہے؟"

"ان پر ایک شخص کے قتل کا الزام ہے۔"

"یہ شخص کون تھا......" میں نے رف پیڈ پر قلم چلاتے ہوئے سوالات کا آغاز کر دیا۔ "اور اکبر کی گرفتاری کب عمل میں آئی ہے؟"

"یہ بیس اکتوبر کی رات کا واقعہ ہے وکیل صاحب!"

کاشف نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔"مقتول کا نام ہے' مقبول شاہ اور یہ مقبول شاہ بھائی صاحب کا بہت اچھا دوست تھا۔"

میں نے چونک کر باری باری ان دونوں کے چہروں کا جائزہ لیا اور خود کلامی کے انداز میں کہا۔"قتل کی واردات بیس اکتوبر کو ہوئی اور آج ہے بائیس اکتوبر......

اس کا مطلب ہے' پولیس نے اب تک ملزم کا ریمانڈ حاصل کرلیا ہوگا؟"

"جی ہاں۔" کاشف نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"پولیس نے کل یعنی اکیس اکتوبر کو' بھائی صاحب کو عدالت میں پیش کر کے ایک ہفتے کا ریمانڈ لے لیا ہے اور وہ اس وقت پولیس کی کسٹڈی میں ہیں۔"

"آپ کے بھائی اکبر کو کس تھانے میں رکھا گیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

اس نے متعلقہ تھانے کا نام بتا دیا۔

"آپ کے بھائی صاحب کرتے کیا ہیں؟" میں نے ملزم کے پیشے کے حوالے سے سوال کیا۔

اس مرتبہ کاشف کے بجائے کنول نے جواب دیا۔

"رضوان عراق کی ایک آئل کمپنی میں ملازم ہیں اور آج کل چھٹی پر پاکستان آئے ہوئے ہیں......"

"آپ ان کی......؟"

میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑا تو کنول جلدی سے بولی۔"میں ان کی بیوی ہوں۔

کاشف میرے دیور ہیں۔ہم سب لوگ ایک ہی گھر میں رہتے ہیں' جوائنٹ فیملی سسٹم کے تحت......"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" میں نے ستائشی نظر سے انہیں دیکھا۔

کاشف نے کہا۔"وکیل صاحب! بھائی صاحب مکینیکل انجینئر ہیں۔ وہ پچھلے تین سال سے عراق میں ہیں۔ہر سال ایک ماہ کی چھٹی لے کر وہ ہم لوگوں سے ملنے آتے ہیں مگر اس بار......!"

وہ بولتے بولتے اچانک رکا تو مجھے یہ سمجھنے میں کوئی دقت محسوس نہ ہوئی کہ اس وقت کاشف کے ذہن میں کیا تھا۔ظاہر ہے' وہ یہی کہنا چاہ رہا تھا کہ اکبر اس سال جو چھٹی پر آیا تو مصیبت میں پھنس گیا ہے۔

میں نے حصول معلومات کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا "ذرا مقتول کے روزگار کے بارے میں بھی بتا دیں؟"

"مقبول شاہ کا ٹائروں کا بزنس ہے۔" کاشف نے جواب دیا۔"ادھر پلازا کے علاقے میں اس کا بہت شاندار شوروم ہے۔وہ ٹائرز کا بہت بڑا امپورٹر تھا' مگر پچھلے کچھ عرصے سے وہ بستر کا ہو کر رہ گیا تھا۔ جب سے بزنس کے تمام معاملات اس کی بیوی نازش دیکھ رہی تھی۔"

"مقتول کس وجہ سے بستر کا ہو کر رہ گیا تھا؟" میں نے جاننا چاہا"کیا کوئی حادثہ وغیرہ......!"

"جی ہاں......روڈ ایکسیڈنٹ۔" کنول نے جواب دیا۔"کوئی دس ماہ پہلے ایک بدمست ٹرک ان کی گاڑی کو بری طرح روندتے ہوئے گزر گیا۔ان کی جان تو بچ گئی مگر بدن کا نچلا حصہ مفلوج ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ یا تو بستر پر لیٹے رہتے یا زیادہ سے زیادہ وہیل چیئر پر بیٹھ کر گھر کے اندر تھوڑی بہت "چہل قدمی" کرلیا کرتے تھے۔گھر سے باہر نکلنا بالکل موقوف ہو کر رہ گیا تھا۔وہیل چیئر پر بٹھانے اور اتارنے کے لئے بھی دو افراد کی مدد کی ضرورت پیش آتی تھی۔"

میں نے مناسب الفاظ میں افسوس کا اظہار کیا پھر پوچھا۔"قتل کی یہ واردات کہاں پیش آئی تھی؟"

"مقتول کے گھر پر۔" کاشف نے بتایا۔"گارڈن ایسٹ کے علاقے میں۔"

اس نے مجھے مقتول کے گھر کی جو لوکیشن بتائی وہ سولجر بازار سے متصل گارڈن ایسٹ کا علاقہ تھا۔ میں نے یہ تمام تر معلومات پیڈ پر نوٹ کرنے کے بعد پوچھا۔ ''کاشف صاحب! آپ کے بھائی اکبر کو کہاں سے گرفتار کیا گیا تھا؟''

''ہماری رہائش گاہ سے جناب......شادمان ٹاؤن سے۔''

''کتنے بجے......؟''

''لگ بھگ ساڑھے گیارہ بجے۔'' کنول نے جواب دیا۔ ''وہ تھوڑی دیر پہلے ہی باہر سے آئے تھے۔''

''باہر کہاں سے......؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

''وہ مقتول مقبول شاہ کی خیریت لینے ان کے گھر گئے تھے۔'' کنول نے بتایا۔ ''جب سے وہ پاکستان آئے ہیں' ہر دوسرے تیسرے دن انہیں دیکھنے چلے جاتے تھے۔ انہیں اس بات کا سخت رنج تھا کہ ان کا دوست ایک خطرناک حادثے میں اپاہج ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ جب بھی وہاں جاتے' وہاں اچھا خاصا وقت گزار کر ان کی دلجوئی کرتے تھے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس نیکی کی اکبر کو اتنی بڑی سزا ملے گی......''

آخری جملہ کنول نے بڑی تلخی سے ادا کیا تھا۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ کسی خاص زاویئے پر' مقتول یا اس کی فیملی کے کسی فرد کی طرف سے زبردست شاکی تھی۔ میں نے اس حوالے سے کنول سے کوئی سوال نہیں کیا اور پوچھا۔

''اکبر کی' وقوعہ کے روز مقتول کے گھر میں' موجودگی کے دوران جو واقعات پیش آئے ان کے بارے میں کچھ بتائیں......؟''

''بیگ صاحب!'' کاشف نے پہلی مرتبہ مجھے میرے نام کے آخری حصے سے مخاطب کیا۔ ''اس بارے میں تو آپ کو بھائی صاحب ہی بتا سکیں گے۔''

''گرفتاری کے بعد سے اب تک آپ لوگوں نے اکبر سے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا؟'' میں نے پوچھا۔

''وکیل صاحب! یہ مصیبت اتنی اچانک ہم پر ٹوٹ پڑی ہے کہ کسی چیز کا خیال ہی نہیں رہا۔ ذہن بالکل منتشر ہو کر رہ گیا ہے۔'' کنول نے بڑی بے بسی سے کہا۔ ''حالانکہ کئی بار

کرنے کا موقع نہیں مل سکا......''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ ''میں آج ہی تھانے جا کر اکبر سے تفصیلی ملاقات کروں گا پھر ساری معلومات مجھے حاصل ہو جائیں گی۔''

''بہت بہت شکریہ وکیل صاحب!'' وہ ممنونیت بھری نظر سے مجھے دیکھتے ہوئی بولی۔

''میری بھائی صاحب سے جتنی بات ہو سکی ہے اس میں انہوں نے صرف اتنا ہی بتایا ہے کہ انہیں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت اس کیس میں ملوث کرنے کی کوشش کی گئی ہے......'' کاشف نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتایا۔

''ٹھیک ہے......!'' میں نے کہا۔ ''میں سب پتا چلا لوں گا کہ اس لسی میں دہی کتنا ہے' دودھ کتنا ہے اور پانی کتنا ہے۔ آپ لوگ اطمینان سے گھر جائیں اور کل سہ پہر میں یہیں آ کر مجھ سے ملیں۔ پھر میں آپ سے تفصیلی بات کروں گا۔''

کنول نے اپنے ہینڈ بیگ کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''آپ اپنی فیس کے بارے میں بھی بتا دیں......؟''

''فیس کے بارے میں بھی میں آپ کو کل ہی بتاؤں گا۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''پہلے یہ فیصلہ ہو جائے کہ میں آپ کے ہسبینڈ کا کیس لے بھی رہا ہوں یا نہیں۔''

''یعنی آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ ابھی یہ کیس آپ نے اپنے ہاتھ میں نہیں لیا......؟'' کاشف نے الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھا۔

''جی ہاں' میرے کہنے کا یہی مطلب ہے۔'' میں نے دوٹوک انداز میں کہا۔ ''دراصل' یہ میرا اصول ہے کہ جب تک میں اپنے مؤکل کے حالات سن کر اپنا اطمینان نہ کر لوں اس وقت تک کسی کیس میں ہاتھ نہیں ڈالتا۔'' لمحاتی توقف کر کے میں نے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''مقتول کے گھر میں جو کچھ پیش آیا اس کے بارے میں آپ لوگ کچھ نہیں جانتے ہیں۔ یہ تمام تر معلومات مجھے اکبر سے ملاقات کے بعد ہی حاصل ہو سکتی ہیں اس لئے ہم اس معاملے کو کل ہی فائنل کر سکیں گے۔''

''ٹھیک ہے بیگ صاحب!'' کاشف نے تعریفی نظر سے مجھے دیکھا اور کہا۔ ''آپ نے ایک اصولی بات کی ہے۔ مجھے آپ کا انداز پسند آیا ورنہ یہاں پر ایسے وکلاء کی بھی کمی نہیں جو ...... آتے جاؤ اور پھنستے جاؤ......!''

اس نے مجھے مقتول کے گھر کی جو لوکیشن بتائی وہ سولجر بازار سے متصل گارڈن ایسٹ کا علاقہ تھا۔ میں نے یہ تمام تر معلومات پیڈ پر نوٹ کرنے کے بعد پوچھا۔ ”کاشف صاحب! آپ کے بھائی اکبر کو کہاں سے گرفتار کیا گیا تھا؟“

”ہماری رہائش گاہ سے جناب......شادمان ٹاؤن سے۔“

”کتنے بجے......؟“

”لگ بھگ ساڑھے گیارہ بجے۔“ کنول نے جواب دیا۔ ”وہ تھوڑی دیر پہلے ہی باہر سے آئے تھے۔“

”باہر کہاں سے......؟“ میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

”وہ مقتول مقبول شاہ کی خیریت لینے ان کے گھر گئے تھے۔“ کنول نے بتایا۔ ”جب سے وہ پاکستان آئے ہیں‘ ہر دوسرے تیسرے دن انہیں دیکھنے چلے جاتے تھے۔ انہیں اس بات کا سخت رنج تھا کہ ان کا دوست ایک خطرناک حادثے میں اپاہج ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ جب بھی وہاں جاتے‘ وہاں اچھا خاصا وقت گزار کر ان کی دلجوئی کرتے تھے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس نیکی کی اکبر کو اتنی بڑی سزا ملے گی......“

آخری جملہ کنول نے بڑی تلخی سے ادا کیا تھا۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ کسی خاص زاویے پر‘ مقتول یا اس کی فیملی کے کسی فرد کی طرف سے زبردست شاکی تھی۔ میں نے اس حوالے سے کنول سے کوئی سوال نہیں کیا اور پوچھا۔

”اکبر کی‘ وقوعہ کے روز مقتول کے گھر میں‘ موجودگی کے دوران جو واقعات پیش آئے ان کے بارے میں کچھ بتائیں......؟“

”بیگ صاحب!“ کاشف نے پہلی مرتبہ مجھے میرے نام کے آخری حصے سے مخاطب کیا۔ ”اس بارے میں تو آپ کو بھائی صاحب ہی بتا سکیں گے۔“

”گرفتاری کے بعد سے اب تک آپ لوگوں نے اکبر سے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا؟“ میں نے پوچھا۔

”وکیل صاحب! یہ مصیبت اتنی اچانک ہم پر ٹوٹ پڑی ہے کہ کسی چیز کا خیال ہی نہیں رہا۔ ذہن بالکل منتشر ہو کر رہ گیا ہے۔“ کنول نے بڑی بے بسی سے کہا۔ ”حالانکہ کئی بار میرے دل میں آیا کہ ان سے پوچھوں لیکن کورٹ میں اور تھانے میں ان سے زیادہ بات

کرنے کا موقع نہیں مل سکا......“

”ٹھیک ہے۔“ میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ ”میں آج ہی تھانے جا کر اکبر سے تفصیلی ملاقات کروں گا پھر ساری معلومات مجھے حاصل ہو جائیں گی۔“

”بہت بہت شکریہ وکیل صاحب!“ وہ ممنونیت بھری نظر سے مجھے دیکھتے ہوئی بولی۔

”میری بھائی صاحب سے جتنی بات ہو سکی ہے اس میں انہوں نے صرف اتنا ہی بتایا ہے کہ انہیں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت اس کیس میں ملوث کرنے کی کوشش کی گئی ہے......“ کاشف نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتایا۔

”ٹھیک ہے......!“ میں نے کہا۔ ”میں سب پتا چلا لوں گا کہ اس لسی میں دہی کتنا ہے‘ دودھ کتنا ہے اور پانی کتنا ہے۔ آپ لوگ اطمینان سے گھر جائیں اور کل سہ پہر میں یہیں آ کر مجھ سے ملیں۔ پھر میں آپ سے تفصیلی بات کروں گا۔“

کنول نے اپنے ہینڈ بیگ کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”آپ اپنی فیس کے بارے میں بھی بتا دیں......؟“

”فیس کے بارے میں بھی میں آپ کو کل ہی بتاؤں گا۔“ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”پہلے یہ فیصلہ ہو جائے کہ میں آپ کے ہسبینڈ کا کیس لے بھی رہا ہوں یا نہیں۔“

”یعنی آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ ابھی یہ کیس آپ نے اپنے ہاتھ میں نہیں لیا......؟“ کاشف نے الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھا۔

”جی ہاں‘ میرے کہنے کا یہی مطلب ہے۔“ میں نے دوٹوک انداز میں کہا۔ ”دراصل‘ یہ میرا اصول ہے کہ جب تک میں اپنے مؤکل کے حالات سن کر اپنا اطمینان نہ کر لوں اس وقت تک کسی کیس میں ہاتھ نہیں ڈالتا۔“ لمحاتی توقف کر کے میں نے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ”مقتول کے گھر میں جو کچھ پیش آیا اس کے بارے میں آپ لوگ کچھ نہیں جانتے ہیں۔ یہ تمام تر معلومات مجھے اکبر سے ملاقات کے بعد ہی حاصل ہو سکتی ہیں اس لئے ہم اس معاملے کو کل ہی فائنل کر سکیں گے۔“

”ٹھیک ہے بیگ صاحب!“ کاشف نے تعریفی نظر سے مجھے دیکھا اور کہا۔ ”آپ نے ایک اصولی بات کی ہے۔ مجھے آپ کا انداز پسند آیا ورنہ یہاں پر ایسے وکلاء کی بھی کمی نہیں جو اس اصول پر کام کرتے ہیں......آتے جاؤ اور پھنستے جاؤ......!“

"جس طرح ایک ہاتھ کی پانچوں انگلیاں ایک جیسی نہیں ہوتیں ویسے ہی' کسی بھی پیشے سے تعلق رکھنے والے بھی ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"میں نے اپنی پیشہ ورانہ زندگی کے لئے جو اصول بنا رکھے ہیں انہی کو فالو کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"بجا فرما رہے ہیں آپ۔" وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔"میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں بیگ صاحب۔" پھر وہ میرے آفس کے مختلف شیلفز میں سجی درجنوں ضخیم کتابوں کی طرف دیکھتے ہوئے مستفسر ہوا۔"کیا وکیل بننے کے لئے اتنی زیادہ کتابیں پڑھنا پڑتی ہیں؟"

"اس سے بھی کہیں زیادہ۔" میں نے اس کی حیرت میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔"دراصل بات یہ ہے کہ وکیل بننے کیلئے تو صرف وہی کتابیں پڑھنا پڑتی ہیں جو سلیبس میں ہوتی ہیں یا پھر چند حوالہ جاتی کتابیں اس کے علاوہ ہیں۔ یہ جو شیلفز میں سجی ہوئی درجنوں کتابیں آپ کو نظر آرہی ہیں ایسی ہی سینکڑوں کتابیں میرے گھر میں بھی رکھی ہوئی ہیں' یہ تمام ترکسی اور مقصد کے لئے ہیں۔"

"کس مقصد کے لئے بیگ صاحب؟" اس کی الجھن دوبالا ہوگئی۔

"وکالت کے پیشے کو چلانے اور چمکانے کے لئے۔"

میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا"اگر کامیاب وکیل کی حیثیت سے باعزت زندگی گزارنا ہو تو ان کتابوں کو گاہے بہ گاہے اپنے مطالعے میں رکھنا پڑتا ہے کسی بھی کیس میں' ان میں سے کوئی ایک' دو' تین یا دس پندرہ کتابوں کو دیکھنے کی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔"

"اوہ......" وہ کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔

"وکالت تو بہت مشکل پروفیشن ہے بیگ صاحب۔"

"ہاں' یہ تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" میں نے اثبات میں گردن ہلائی پھر کاشف سے اس کی جاب کے حوالے سے چند سوالات کئے پھر انہیں تسلی دے کر اپنے آفس سے رخصت کر دیا۔

میں دفتری مصروفیات سے نمٹ کر فارغ ہوا تو رات کے دس بج چکے تھے۔ گھر کی راہ

لینے سے پہلے میں اس تھانے میں پہنچ گیا جہاں اکبر کو رکھا گیا تھا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں' ریمانڈ پر کسی ملزم سے حوالات میں جا کر ملاقات کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے لیکن میں اکبر سے ایک مختصر سی ملاقات کا موقع حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

اکبر کی عمر چالیس کے آس پاس نظر آتی تھی۔ وہ بھرے بھرے جسم کا مالک ایک دراز قامت شخص تھا۔ چہرہ گول اور گال معصوم بچوں کی طرح پھولے ہوئے۔ اس کی ٹھوڑی میں ایک خوب صورت ڈمپل بھی دکھائی دے رہا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق! اس کی آنکھیں شریر اور مسکراتی ہوئی سی تھیں' لیکن مصیبت کے ان لمحات میں وہ خاصا افسردہ اور الجھن زدہ نظر آتا تھا۔

وہ حوالات کے فرش پر اکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو فوراً اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور سوالیہ انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے آہنی سلاخوں کے پاس جا کر اس سے مصافحہ کیا پھر اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"اکبر صاحب! میرا نام مرزا امجد بیگ ہے۔ میں ایک ایڈووکیٹ ہوں۔ آپ کی بیوی اور چھوٹے بھائی نے مجھے اس کیس میں آپ کا وکیل مقرر کیا ہے۔"

"اوہ......!" اس کی آنکھوں میں اطمینان کی کرن چمکی۔ اس نے گرمجوشی کے ساتھ مجھ سے دوبارہ مصافحہ کیا اور جذبات سے مغلوب آواز میں بولا۔

"آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی وکیل صاحب......!"

"خوشی تو مجھے بھی ہوئی ہے اکبر صاحب!" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔"لیکن یہ جگہ خوشی کے اظہار کے لئے موزوں نہیں لگتی۔ جب آپ کو اس مصیبت سے مکمل نجات مل جائے گی اور آپ آزاد فضا میں اپنی مرضی سے سانس لینے لگیں گے تو اس وقت میں...... بلکہ ہم دونوں اس خوشی کو سیلی بریٹ کریں گے۔"

"بے شک......ضرور!" وہ یقینی لہجے میں بولا۔

"آپ بڑے صحت افزا وکیل ہیں۔ یقین جانیں' میں اس معاملے میں بالکل بے گناہ ہوں۔ میں نے مقبول شاہ کا خون نہیں کیا......!"

اکبر نے میرے"صحت افزا" ہونے کی بات ایسے انداز میں کی تھی جیسے میں کوئی انسان نہ ہوں بلکہ فرحت جاں مشروب ہوں۔ بہرحال اکبر نے دراصل میری حوصلہ افزا

باتوں کے جواب میں مجھے سراہنے کی کوشش کی تھی۔

''اکبر صاحب!'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''صرف آپ کے کہنے سے یہ مسئلہ حل نہیں ہو جائے گا کہ آپ بے گناہ ہیں۔ آپ کی بے گناہی کو عدالت میں ثابت کرنا ہوگا۔''

''جی ......اس بات کو میں بھی سمجھ رہا ہوں۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میں ایک وکیل کی اشد ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ اچھا ہوا' کنول اور کاشف نے آپ کو میرا وکیل مقرر کر دیا ہے۔ مجھے یقین ہے' آپ میری بے گناہی کو ثابت کر کے دکھا دیں گے۔''

''لیکن یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہو سکے گا جب آپ مجھ سے تعاون کریں گے۔'' میں نے دوٹوک انداز میں کہا۔

وہ اضطراری لہجے میں بولا۔ ''میں ہر قسم کے تعاون کے لئے تیار ہوں۔''

''آپ کے بھائی اور بیوی سے میری بات ہوئی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن وہ آپ کو پیش آنے والے واقعے کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے۔ ان سے حاصل ہونے والی معلومات ناکافی ہیں اسی لئے میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ آپ بتائیں گے کہ وقوعہ کے روز مقتول کے گھر میں کیا ہوا تھا......؟''

''آپ جو بھی جاننا چاہیں گے' میں ضرور بتاؤں گا۔'' وہ فرمانبرداری سے بولا پھر پوچھا۔ ''بیگ صاحب! کیا دس پندرہ دن میں یہ معاملہ نمٹ جائے گا؟''

''یہ قتل کا کیس ہے اکبر صاحب!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''دس پندرہ دن میں اگر اس کیس کی باقاعدہ سماعت ہی شروع ہو جائے تو شکر کی بات ہوگی......''

میں نے لمحاتی توقف کے بعد اس سے پوچھ لیا۔

''اکبر صاحب! یہ پندرہ دن کا خیال آپ کے ذہن میں کیسے آ گیا؟''

''میں ایک ماہ کی چھٹی پر پاکستان آیا ہوا ہوں۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''اس میں سے بیس دن گزر گئے ہیں۔ دس دن باقی بچے ہیں۔''

''آپ کی بیوی نے مجھے آپ کی چھٹیوں کے بارے میں بھی بتایا تھا۔'' میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''لیکن یہ تو کسی بھی صورت ممکن نہیں کہ دس دن میں آپ کو اس

مصیبت سے نجات مل جائے۔ ایک ہفتہ تو ریمانڈ ہی میں نکل جائے گا۔''

''اس کا مطلب ہے' مجھے اپنی چھٹی بڑھانا ہوگی۔'' وہ تشویش بھرے لہجے میں بولا۔

میں نے کہا۔ ''اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔''

''ٹھیک ہے' میں کاشف سے کہوں گا کہ وہ عراق میں میری کمپنی سے رابطہ کر کے انہیں تازہ ترین حالات سے آگاہ کر دے۔'' وہ سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں بولا۔

پھر مجھے امید بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے مستفسر ہوا۔

''بیگ صاحب! آپ مجھے اس کیس سے رہا کروانے میں کامیاب تو ہو جائیں گے نا؟''

''کامیابی اور ناکامیابی کے بیچ قدر مشترک صرف ''کام'' ہے۔ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اگر اس ''کام'' کو ڈھنگ سے کر لیا جائے تو فتح یقینی ہوگی اور اگر یہ ''کام'' بے ڈھنگے انداز میں ہوا تو شکست لازمی ہے......'' میں نے تھوڑی دیر کو رک کر ایک گہری سانس لی پھر ملزم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں نے ابھی جس کام کا ذکر کیا ہے اس کے ڈھنگ یا بے ڈھنگ سے ہونے کا انحصار صرف اور صرف آپ پر ہے۔''

''مجھ پر......؟'' وہ چونک کر بولا۔ ''وہ کس طرح بیگ صاحب؟''

''آپ مجھے جو بھی معلومات فراہم کریں گے وہ جس قدر درست ہوں گی' میں اتنے ہی اعتماد کے ساتھ آپ کا کیس لڑ سکوں گا۔'' میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ مجھے حقائق سے آگاہ کر کے اپنے حق میں اچھا کریں گے۔''

''میں بھی چاہوں گا کہ میرے حق میں اچھا ہو۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا ''اس لئے آپ جو بھی پوچھیں گے' میں اس کا سچا اور کھرا جواب دوں گا۔''

''یہ بات تو طے ہے کہ آپ نے اپنے دوست مقبول شاہ کو قتل نہیں کیا......!'' یہ جملہ میں نے اس انداز میں ادا کیا تھا کہ اسے بہ یک وقت بیانیہ اور سوالیہ سمجھا جا سکتا تھا۔

''جی ہاں' یہ بات صد فیصد طے ہے۔'' وہ میرے جملے کو سوالیہ جان کر بولا۔ ''میں مقبول شاہ کا قاتل نہیں ہوں۔''

''پھر آپ کو یہ تو اندازہ ہوگا کہ مقبول شاہ کو کس نے قتل کیا ہوگا؟'' میں نے بہ دستور

اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''بیگ صاحب! اگر میں قاتل کو جانتا ہوتا تو پھر اس وقت پولیس کسٹڈی میں کیوں ہوتا۔'' وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔ ''میں پولیس والوں کو قاتل کا نام بتا کر اپنی جان چھڑا سکتا تھا۔''

''وقوعہ کے روز آپ مقتول کے گھر کتنے بجے پہنچے تھے؟''

''میں لگ بھگ شام چھ بجے اپنے گھر سے روانہ ہوا تھا۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''شادمان ٹاؤن سے گارڈن ایسٹ تک لگ بھگ آدھے گھنٹے کی ڈرائیو ہے۔ میرا خیال ہے' میں ساڑھے چھ بجے مقبول شاہ کے گھر پہنچا تھا۔''

''جب آپ مقتول کے گھر پہنچے تو وہاں مقتول کے علاوہ اور کون کون تھا؟'' میں نے سوالات کے سلسلے کو دراز کرتے ہوئے پوچھا۔

''مقبول شاہ کی بیوی نازش تھی اور اس کا گھریلو ملازم توفیق تھا۔'' اس نے بتایا۔ ''اور نازش کا کزن فیصل بھی موجود تھا۔''

''جب آپ وہاں سے رخصت ہوئے تو کیا یہ تینوں افراد بنگلے میں موجود تھے؟'' میں نے استفسار کیا۔

''جی ہاں......؟'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''جب میں مقبول شاہ کو 'خدا حافظ' کہہ کر اس کے بیڈ روم سے نکلا تو نازش سے ڈرائنگ روم میں ملاقات ہوئی تھی۔ وہ اپنے کزن کے ساتھ بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ ہمارے درمیان الوداعی کلمات کا تبادلہ ہوا اور میں صحن عبور کر کے گیٹ تک پہنچ گیا۔ گھریلو ملازم توفیق نے میری لئے گیٹ کھولا اور میں اپنی گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گیا تھا۔''

''جس وقت آپ نے مقبول شاہ کو ''خدا حافظ'' کہا' آپ کے خیال میں وہ زندہ تھا؟'' میں نے سوال کیا۔

''کیا مطلب ہے بیگ صاحب!'' اس نے الجھن زدہ انداز میں مجھے دیکھا۔ ''اگر وہ زندہ نہیں تھا تو میں نے ''خدا حافظ'' کس کو کہا تھا......؟''

''دراصل' میں یہ اطمینان کرنا چاہتا ہوں کہ جب آپ وقوعہ سے رخصت ہوئے تو مقبول شاہ بہ قائمی ہوش وحواس زندہ وسلامت تھا......!'' میں نے کہا۔ ''لہٰذا اس کی موت میں آپ کا

ہاتھ ہو ہی نہیں سکتا۔''

''میرے واضح جواب نے آپ کو مطمئن کر دیا ہے نا؟'' اس نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔

''جی بالکل......!'' میں نے تسلی آمیز انداز میں کہا پھر پوچھا۔ ''آپ کتنے بجے جائے وقوعہ سے روانہ ہوئے تھے؟''

''اس وقت رات کے ساڑھے نو بجے تھے۔'' اس نے جواب دیا۔

''اور گھر کتنے بجے پہنچے تھے؟''

''میرا خیال ہے' اس وقت گیارہ بجے تھے۔''

''واپسی میں آپ کا سفر اتنا سست کیوں رہا؟'' میں نے پوچھا۔ ''آدھے گھنٹے والا فاصلہ ڈیڑھ گھنٹے میں کیوں طے ہوا تھا؟''

''مقبول شاہ کے گھر سے نکلنے کے بعد میں سیدھا اپنے گھر نہیں آیا تھا۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''میں تھوڑی دیر کے لئے پاپوش چلا گیا تھا۔ ادھر بھی میرا ایک دوست رہتا ہے جو ایک بک شاپ چلاتا ہے۔ میں کچھ وقت اس کے ساتھ گزارنے کے بعد اپنے گھر کی جانب لوٹا تھا۔''

''اور پھر گھر پہنچتے ہی پولیس نے آپ کو مقبول شاہ کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا......!'' میں نے کہا۔ ''آپ کی گرفتاری کم وبیش کتنے بجے عمل میں آئی تھی؟''

''میں نے گھر پہنچ کر لباس وغیرہ تبدیل کیا ہی تھا کہ پولیس آ دھمکی۔'' اس نے بتایا۔ ''جب وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر جا رہے تھے تو اس وقت رات کے ساڑھے گیارہ بجے تھے۔''

''پولیس کی ایسی مستعدی خال خال ہی دیکھنے کو ملتی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس لئے یقین کرنے کو دل نہیں مانتا' بہرحال ......'' میں نے جملہ نامکمل چھوڑ کر گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''مقتول سے آپ کی دوستی کتنی پرانی تھی؟''

''ہماری دوستی کی عمر لگ بھگ دس سال تھی۔'' وہ ایک بوجھل سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ''شاہ صاحب کے مجھ پر بہت احسانات تھے۔ جب میں ملازمت کے سلسلے میں عراق جا

رہا تھا تو انہوں نے میری اچھی خاصی مالی مدد بھی کی تھی۔ جب مجھے پتا چلا کہ ایک حادثے نے انہیں اپاہج بنا دیا ہے تو اس خبر سے مجھے دلی صدمہ ہوا تھا اسی لئے ......'' وہ سانس ہموار کرنے کے لئے تھما پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

''اسی لئے ان چھٹیوں میں، میں نے زیادہ سے زیادہ وقت انہیں دیا ہے۔ میں ہر دوسرے، تیسرے دن ان سے ملنے جاتا تھا اور ان کے پاس اچھا خاصا وقت گزارنے کے بعد گھر واپس آتا تھا۔ میں پچھلے تین سال سے عراق کی ایک آئل کمپنی میں مکینیکل انجینئر کی حیثیت سے کام کر رہا ہوں اور ہر سال ایک ماہ کی چھٹی لے کر پاکستان آتا ہوں۔ پچھلی مرتبہ جب میں پاکستان آیا تو شاہ صاحب غیر شادی شدہ تھے اور ابھی آیا ہوں تو ......!''

''کیا مطلب؟'' میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی سوال کر ڈالا۔ ''وہ غیر شادی شدہ تھے، یہ بات سمجھ میں نہیں آئی، اکبر صاحب؟''

''بات دراصل یہ ہے کہ کافی عرصہ پہلے مقتول شاہ کی بیوی عالیہ کا انتقال ہو گیا تھا۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''ان دنوں میں پاکستان ہی میں تھا۔ عالیہ سے شاہ صاحب کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ عالیہ کے انتقال کے بعد میں نے اور چند دوسرے خیر خواہوں نے بھی شاہ صاحب کو یہی مشورہ دیا تھا کہ وہ دوسری شادی کر لیں لیکن وہ اس کام کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے۔ پھر میں عراق چلا گیا اور میں نے سمجھ لیا کہ شاہ صاحب کبھی دوسری شادی نہیں کریں گے اسی لئے اب کی بار میں جب آیا اور انہیں ''شادی شدہ'' دیکھا تو مجھے شدید حیرت کے ساتھ خوشی بھی ہوئی۔ پچھلے بیس دن میں ہمارے درمیان جتنی بھی ملاقاتیں ہوئی ہیں ان کی بیوی نازش ہی زیر بحث رہی تھی ......'' اس نے رک کر ذومعنی انداز میں مجھے دیکھا اور بولا۔

''وقوعہ کے روز بھی یہی گفتگو چل رہی تھی کہ شاہ صاحب یک دم جذباتی ہو گئے لہٰذا میں نے موضوع بدل دیا تھا۔ اس رات وہ خاصے بجھے بجھے نظر آ رہے تھے۔ مجھے کیا پتا تھا کہ یہ ہماری آخری ملاقات ثابت ہو گی ورنہ میں ان سے ایسے موضوع پر بات ہی نہ کرتا۔''

''ایسی کیا بات ہو گئی تھی اکبر صاحب!'' میں نے کریدنے والے انداز میں سوال کیا۔ ''نازش کے حوالے سے آپ نے مقتول سے کیا کہہ دیا تھا کہ وہ جذباتی ہو گیا تھا؟''

میرے سوال کے جواب میں وہ فوری طور پر کچھ نہیں بولا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے ذہن میں کوئی ایسی بات ہو جسے وہ بتانا مناسب نہ سمجھتا ہو۔ میں نے اسے تذبذب

میں دیکھا تو کہا۔

''اکبر صاحب! آپ کی اس پراسرار خاموشی کا میں کیا مطلب ہوں؟''

''بس جناب......'' وہ ایک بوجھل سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ''یہ خاصا الجھا ہوا معاملہ ہے۔''

''یہ معاملہ آپ کے لئے الجھا ہوا ہو سکتا ہے اکبر صاحب۔'' میں نے تیز لہجے میں کہا۔ ''لیکن میں آپ کا وکیل ہوں۔ آپ کی ہر الجھن کو سلجھن میں بدلنا میری ذمے داری ہے، جو بھی ہے، مجھے تفصیل سے بتا دیں اور یہ بات ذہن میں رکھیں کہ دائی سے پیٹ اور وکیل سے حقائق چھپا کر آپ فیض حاصل نہیں کر سکتے۔''

میری بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ چند لمحات کی متذبذب خاموشی کے بعد اس نے اثبات میں گردن ہلائی اور ٹھہر ٹھہر کر مجھے ایک چونکا دینے والی سنسنی خیز داستان سنانے لگا۔ میں فی الحال وہ پوائنٹس آپ کے سامنے ظاہر نہیں کر رہا۔ عدالتی کارروائی کے دوران میں جب یکے بعد دیگرے یہ آپ پر کھلیں گے تو آپ کی دلچسپی اور سنسنی خیزی میں کئی گنا اضافہ ہو جائیگا۔

اس ملاقات کے اختتام پر میں اکبر کی طرف سے مطمئن ہو گیا تھا لہٰذا میں نے اس سے وکالت نامے، درخواست ضمانت اور دیگر مختلف کاغذات پر دستخط کروا لئے۔ جب میں تسلی دلاسا دے کر حوالات سے رخصت ہونے لگا تو وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔

''بیگ صاحب! ایک مشورہ دیں!''

میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

''جی پوچھیں......؟''

''پولیس والے ڈھکے چھپے الفاظ میں مجھے کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔'' اس نے بتایا۔ ''جب میں انجان بن گیا تو انہوں نے کھل کر بات کی......''

میں سمجھ گیا، وہ کیا کہنا چاہ رہا تھا۔ ''کہ انہوں نے آپ سے رقم وغیرہ کا مطالبہ کیا ہے؟''

''جی بالکل یہی بات ہے۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''کہہ رہے تھے، اگر میں ان کے لیے ایک لاکھ روپے کا بندوبست کر دوں تو وہ میرے خلاف کیس میں کوئی نرم دفعہ لگائیں گے اور میرا وکیل آسانی سے عدالت سے مجھے چھڑا لے گا......''

"پھر آپ نے کیا کہا؟" میں نے اکبر سے پوچھا۔

"میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے بے وقوف بنا کر رقم اینٹھنا چاہتے ہیں۔" اس نے بتایا۔ "میں نے ان سے کہا' ایک لاکھ تو بہت زیادہ ہیں۔ میں اتنی بڑی رقم کا انتظام نہیں کر سکتا۔ انہوں نے کہا' جان ہے تو جہان ہے۔ عراق میں کمائی ہوئی رقم کو بچا کر میں اپنے ساتھ زیادتی کر رہا ہوں۔ اگر میں ہی پھانسی چڑھ گیا تو دولت ادھر ہی رکھی رہ جائے گی۔"

"آپ نے انہیں کوئی رقم دی تو نہیں؟" اس کے خاموش ہونے پر میں نے پوچھا۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جناب۔" وہ بڑی مضبوطی سے بولا۔ "میری طرف سے مایوس ہونے کے بعد انہوں نے دوسرا حربہ آزمانا شروع کر دیا ہے......!"

میں نے چونک کر پوچھا۔ "کون سا حربہ؟"

وہ بولا۔ "کہہ رہے ہیں' میرے خلاف بڑی مضبوط شہادتیں ہیں ان کے پاس۔ انہوں نے آلۂ قتل میری گاڑی کے اندر سے برآمد کیا ہے۔ مجھے چاہئے کہ میں چپ چاپ اقبال جرم کرلوں۔ اسی میں میری عافیت ہے۔ ورنہ وہ مجھ پر ایسا بھیانک تشدد کریں گے کہ میرا ایک ایک عضو اس قتل کا اقرار کرتا سنائی دے گا۔"

"یہ لوگ ریمانڈ کی مدت کے دوران میں ملزم پر ہر قسم کا جبر اور تشدد تو کرتے ہیں۔" میں نے سرسری انداز میں کہا۔ "ریمانڈ کے نتیجے میں انہیں عدالت میں چالان پیش کرنا ہوتا ہے۔ یہ سارے ہتھکنڈے چالان کو توانا اور قوی بنانے کے لئے ہوتے ہیں۔"

"پتا نہیں' میں نے غلط کیا یا درست۔" وہ معتدل انداز میں بولا۔ "بیگ صاحب! میں نے اپنے جسم و جان کی سلامتی کے پیش نظر ان کے فراہم کردہ ایک پرچے پر دستخط کر دیئے ہیں۔ وہ ایک سادہ کاغذ تھا۔ میرا خیال ہے وہ اس پرچے پر میرا اقبال بیان تحریر کریں گے......"

"جی ہاں!" میں نے اس کے خیال کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کا یہ فیصلہ بالکل درست ہے۔" پھر میں نے اس کی تسلی کی خاطر ایک قانونی نکتہ اس پر واضح کر دیا۔

"اکبر صاحب! پولیس کی تحویل میں دیئے گئے یا لئے گئے بیان کی عدالت میں کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ عدالت کسی حتمی فیصلے تک پہنچنے کیلئے پولیس کے پیش کردہ چالان سے زیادہ حالات و واقعات اور کیس کے پس منظر و جرم کے اسباب کا تفصیلی اور تنقیدی جائزہ لیتی ہے۔

شہادتوں کو پرکھتی ہے اور دونوں اطراف کے وکلاء کی جرح کے نتیجہ میں سامنے آنے والے حقائق کو قانون اور انصاف کے ترازو میں تولتی ہے۔ لہٰذا آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اور پھر......"

میں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر ایک گہری سانس لی اور ان الفاظ میں اضافہ کیا۔

"اور پھر جب آپ کی وکالت کے لئے عدالت میں موجود ہوں گا تو آپ کو فکر کس بات کی اکبر صاحب......!"

ان لمحات میں وہ مجھے بہت مطمئن دکھائی دیا۔ امید کی کرن اس کی آنکھوں اور چہرے پر ایک ساتھ چمکی تھی اور پلک جھپکتے میں مایوسی کی جگہ خوشی نے لے لی تھی۔

کہتے ہیں' کسی کام کا مصمم ارادہ کر لینا آدھا کام کر لینے کے برابر ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی پریشانی انسان کو خوشی کی امید دلانا بھی اس کی آدھی پریشانی دور کرنے کے مترادف ہوتا ہے۔ میں اپنے کلائنٹس کو پہلا ٹریٹمنٹ بھی دیتا ہوں کہ ان کے اندر امید اور حوصلے کا دیا روشن کر دیا کرتا ہوں جس کی وجہ سے وہ اپنی سوچ میں ایک خاص قسم کی مثبت توانائی محسوس کرنے لگتے ہیں۔ ان کے دل و دماغ میں جینے کی امنگ اور اپنے حالات سے نمٹنے کی ہمت پیدا ہو جاتی ہے۔ میں نے اس سائیکو تھراپی کے بڑے اچھے نتائج حاصل کئے ہیں۔

آئندہ روز اکبر کی بیوی کنول اپنے دیور کے ساتھ پہلے سے طے شدہ وقت پر مجھ سے ملنے آفس پر آ گئی۔ آج وہ دونوں کل کی بہ نسبت خاصے سنبھلے ہوئے تھے۔ رسمی علیک سلیک کے بعد کنول نے مجھ سے کہا۔

"بیگ صاحب! ہم ابھی تھانے میں اکبر سے ملاقات کرنے کے بعد آپ کے پاس آ رہے ہیں۔ وہ آپ کی بہت تعریف کر رہے تھے۔ لگتا ہے' آپ نے ان کا کیس لینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"آپ کا اندازہ بالکل درست ہے۔" میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "اکبر سے میری خاصی تفصیلی ملاقات ہوئی ہے اور میں اس بات سے مطمئن اور متفق ہوں کہ وہ قاتل نہیں۔ اسے کسی سوچی سمجھی سازش کے تحت اس معاملے میں پھنسانے کی کوشش کی گئی ہے۔"

"آپ کیا سمجھتے ہیں بیگ صاحب!" کاشف نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔ "بھائی صاحب اس مصیبت سے بہ آسانی باہر نکل آئیں گے؟"

''کیوں نہیں بھئی......اللہ نے چاہا تو جیت ہماری ہی ہوگی۔'' میں نے بڑے اعتماد سے کہا۔ ''لیکن اس کے لئے آپ دونوں کو بڑے صبر وتحمل اور برداشت سے کام لینا ہوگا اور خاص طور پر آپ کو میری ہدایات کو ذہن میں رکھ کر آگے بڑھنا ہوگا۔''

''ہم وہی کریں گے جو آپ ہمیں بتائیں گے۔''

وہ فرماں برداری سے بولا۔

میں نے نہایت ہی مختصر مگر جامع الفاظ میں ان دونوں کو اس گفتگو کا خلاصہ سنا دیا جو میرے اور اکبر کے درمیان ہوئی تھی۔ ان میں سے زیادہ تر باتیں ایسی تھیں جوان کے لئے نئی اور حیرت کا باعث تھیں۔ بہرحال انہیں یقین کرنا پڑا کیونکہ یہ ایک سامنے کی حقیقت تھی جسے وہ جھٹلا نہیں سکتے تھے۔

''کاشف صاحب!''

میں نے اکبر کے چھوٹے بھائی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''سب سے پہلے تو آپ اپنے بھائی کی عراقی آئل کمپنی سے رابطہ کر کے انہیں اکبر پر ٹوٹنے والی افتاد کے بارے میں تفصیلاً بتائیں گے تاکہ وہ اس کے انتظار میں نہ بیٹھے رہیں۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس سے اکبر کی ملازمت آئندہ کے لئے محفوظ ہو جائے گی۔''

''جی......یہ کام میں کل صبح ہی کر لوں گا۔'' اس نے کہا۔ ''ابھی بھائی صاحب سے بھی اس موضوع پر بڑی تفصیلی بات ہوئی ہے۔''

''ویری گڈ......!''

میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی۔

کنول نے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ''بیگ صاحب! کوئی اور بات کرنے سے پہلے آپ مجھے اپنی فیس کے بارے میں بتائیں تاکہ میں بھی مطمئن ہو جاؤں کہ یہ کیس آپ ڈیل کر رہے ہیں۔''

''ہاں' یہ ضروری ہے۔'' میں نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا اور اسے فیس کی رقم سے آگاہ کرنے کے بعد واضح الفاظ میں اضافہ بھی کر دیا۔

''یہ صرف میری فیس ہے۔ اس کے علاوہ جو بھی دیگر عدالتی اخراجات ہوں گے وہ سب آپ کے ذمے ہیں۔''

''جی' سمجھ گئی۔''

وہ تائیدی انداز میں بولی۔

''بتانا آپ کا کام ہے' رقم فراہم کرنا میرا کام......''

وہ مزید پندرہ بیس منٹ تک میرے پاس بیٹھے رہے۔ میں نے ان دونوں کو کیس کے مختلف پہلوؤں سے آگاہی دینے کے بعد رخصت کر دیا۔

یہ کیس ابھی ابتدائی مرحلے میں تھا۔ جب تک کیس کا باقاعدہ چالان نہیں پیش کر دیا جاتا' عدالتی کارروائی کا آغاز نہیں ہو پاتا لہٰذا ابھی میرے پاس چار پانچ دن بالکل فری تھے۔ مجھے جس نوعیت کی جو بھی معلومات درکار تھیں ان کے حصول کے لئے میں نے کاشف کی ڈیوٹی لگا دی تھی۔

✧❖✧

ریمانڈ کی مدت پوری ہونے کے بعد پولیس نے اس کیس کا چالان عدالت میں پیش کر دیا۔اس موقع پر میں نے اپنا وکالت نامہ اور ملزم کی درخواست ضمانت، دائر کر دی اور ضمانت کے حق میں دلائل کا آغاز کیا۔

دوسری طرف وکیل استغاثہ میرے مؤکل کی ضمانت رکوانے کے لئے زور لگانے لگا۔میں پہلے بھی کئی بار اس امر کی وضاحت کر چکا ہوں کہ قتل کے کیس میں ملزم کی ضمانت ناممکنات کی حد تک مشکل ہوتی ہے تاہم کوشش کرنا بھی لازمی ہے۔مختصر الفاظ میں یوں سمجھ لیں کہ جج نے ضمانت کی درخواست کو رد کرتے ہوئے ملزم کو جوڈیشل ریمانڈ پر جیل بھیج دیا۔اس کے ساتھ ہی آئندہ پیشی کے لئے پندرہ روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کر دی۔

عدالت کی ابتدائی چند پیشیاں تکنیکی نوعیت کی حامل ہوتی ہیں جن میں کوئی خاص کارروائی دیکھنے میں نہیں آتی۔چند ضابطوں کے تقاضے پورے کرنا ضروری ہوتے ہیں اور یہ تمام تر مراحل انتہائی سست رفتاری سے آگے بڑھتے ہیں۔

مقدمے کی باقاعدہ سماعت شروع ہونے میں لگ بھگ تین ماہ لگ گئے۔اس دوران میں نے کیس فائل کا بڑی باریک بینی سے مطالعہ کر لیا تھا اور میں اس کے تمام پہلوؤں سے کلی طور پر مطمئن تھا۔

یہاں پر میں پوسٹ مارٹم رپورٹ کا خاص طور پر ذکر کرنا چاہوں گا۔مذکورہ رپورٹ کے مطابق مقتول مقبول شاہ کی موت بیس اکتوبر کی رات نو اور دس بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔میڈیکل ایگزامنر کی تحقیق بتاتی تھی کہ مقتول کے بدن پر بتیس بور (اعشاریہ تین دو کیلی بر) کی تین گولیوں کے نشانات کا سراغ ملا تھا۔ایک گولی پیشانی میں اور دو سینے پر' عین

دل کے مقام پر ماری گئی تھیں۔گولیوں کے باعث مقتول کے جسم میں جو چھید بنے تھے ان سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ یہ فائرنگ بہت قریب سے کی گئی تھی۔یہی تینوں گولیاں اس کی موت کا سبب بنی تھیں۔

آلہ قتل کے لیبارٹری ٹیسٹ سے یہ ثابت ہو گیا تھا کہ پولیس نے ملزم اکبر کی گاڑی سے جو پستول برآمد کیا تھا' یہ گولیاں اسی سے چلائی گئی تھیں تاہم ایک نہایت ہی اہم انکشاف بھی اس رپورٹ کا حصہ تھا اور وہ یہ کہ......یہ تینوں گولیاں سائیلنسر لگے پستول سے فائر کی گئی تھیں۔

پستول کی باڈی اور ٹریگر پر ملزم مے فنگر پرنٹس موجود تھے۔پولیس نے فنگر پرنٹس میچنگ کے بعد میرے مؤکل کو اس کیس میں ملزم نامزد کر دیا تھا۔اس کے علاوہ بعض واقعاتی شہادتوں کی مدد سے اتنا مضبوط چالان تیار کیا تھا کہ بظاہر میرے مؤکل کا بچ نکلنا ناممکن نظر آتا تھا' لیکن میں بخوبی سمجھتا تھا کہ مجھے کس موقع پر کیا اور کس طرح کرنا ہے۔جس طرح' چاہے فیلڈ کتنی بھی سخت کیوں نہ کھڑی ہو ایک ماہر بلے باز شاندار اسٹروک کھیلنے کے لئے گیپ تلاش کر ہی لیتا ہے۔

جج کرسی انصاف پر براجمان ہو چکا تو عدالت کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز ہوا۔جج نے فرد جرم پڑھ کر سنائی۔ملزم نے صحت جرم سے انکار کر دیا۔اس کے بعد گواہوں کا سلسلہ شروع ہوا۔

استغاثہ کی جانب سے آٹھ گواہوں کی فہرست عدالت میں دائر کی گئی تھی لیکن میں یہاں پر آپ کا قیمتی وقت کا خیال کرتے ہوئے صرف ان گواہوں کا ذکر کروں گا جن کا بیان اور ان پر ہونے والی جرح کسی زاویئے سے اہمیت کی حامل ہو گی۔

ملزم کے صحت جرم سے انکار کے بعد اس کا تفصیلی حلفیہ بیان ریکارڈ کیا گیا تھا۔ملزم نے نہایت ہی نپے تلے الفاظ میں وہ تمام نکات عدالت کے ریکارڈ میں محفوظ کروا دیئے تھے جن کی ہدایت میں نے اسے کی تھی اور ان میں سے کوئی بھی نکتہ ایسا نہیں تھا جو حقائق کے منافی یا ان سے متصادم ہو۔بس بات یہ تھی کہ ان تمام حالات و واقعات کو ڈھنگ اور سلیقے سے پیش کیا گیا تھا۔

وکیل استغاثہ خاصا جوش میں دکھائی دیتا تھا۔لگتا تھا' وہ پہلی ہی پیشی میں ملزم کو مجرم

ثابت کر کے لمبی سزا دلوانے کا ارادہ باندھ کر عدالت پہنچا ہو۔ویسے یہ بات ماننے کی تھی کہ میرے مؤکل کے خلاف پیش کیا جانے والا چالان خاصا جاندار تھا بادی النظر میں یہی دکھائی دیتا تھا کہ اگر وکیل استغاثہ نے ذرا سا بھی عقل مندی کا مظاہرہ کیا تو ملزم بچ نہیں سکے گا اور...... میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ عقل کسی کی میراث نہیں اور نہ ہی اس پر کسی کی اجارہ داری قائم ہوسکتی ہے۔اگر وکیل استغاثہ عقل مندی کے معمولی سے مظاہرے سے میرے مؤکل کو جیل کی سنگلاخ دیواروں کے پیچھے بھیج سکتا تھا تو میں بھی سیر و تفریح کے لئے کورٹ نہیں پہنچا تھا۔

پہلے بھی کئی بار میں بتا چکا ہوں کہ کسی بھی کیس میں آئی او (انکوائری آفیسر) کی حیثیت استغاثہ کے ایک گواہ ایسی ہوتی ہے اور اسے ہر پیشی پر عدالت میں حاضر رہنا پڑتا ہے۔وہ ایک طرح سے استغاثہ کا وارث ہوتا ہے اور وکیل استغاثہ کی مدد سے اس استغاثہ کی حفاظت کرتا ہے۔

جج نے وکیل استغاثہ کو گواہ پیش کرنے کا اشارہ کیا ہی تھا کہ میں بول پڑا۔میں نے جج کی طرف دیکھتے ہوئے نہایت ہی احترام کے ساتھ کہا۔

"جناب عالی! اگر معزز عدالت کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میں اس کیس کے تفتیشی افسر سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں......"

وکیل استغاثہ نے ناگواری سے گھور کر مجھے دیکھا تاہم جج نے بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی مخصوص بھاری بھرکم آواز میں کہا۔

"نو آبجیکشن!"

انکوائری آفیسر فوراً وٹنس باکس (گواہوں والے کٹہرے) میں آکر کھڑا ہو گیا۔میں نے اس کے بیجز پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"سب انسپکٹر صاحب! کیا میں آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں۔"

"مجھے فریاد حسین کہتے ہیں۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔"

"خاصا افسردہ اور متاثر کن نام ہے۔" میں نے سرسری انداز میں کہا۔"اور آپ کی سنجیدگی بھی یہی ظاہر کرتی ہے کہ آپ کوئی گہرا غم دل سے لگائے کھڑے ہیں......"

اس نے میرے تبصرے پر کچھ نہ کہا اور گہری نظر سے مجھے گھورتا رہا۔

"فریاد حسین صاحب!" میں نے سوالات کے سلسلے کو ہلکے پھلکے انداز میں آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔"کیا میں آپ کو آپ کے نام سے مخاطب کرسکتا ہوں؟"

"آپ مخاطب کر تو چکے۔" وہ طنزیہ انداز میں بولا۔

"اب اجازت حاصل کرنے کا کیا فائدہ......؟"

"ٹھیک ہے جناب! اجازت حاصل کئے بغیر ہی آپ کو فریاد حسین کہہ لیتے ہیں......" میں نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔"فریاد حسین صاحب! میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس حادثے کی اطلاع آپ کو کس نے دی تھی؟"

"مقتول کی بیوی نازش نے۔" اس نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"محترمہ نازش صاحبہ خود یہ اطلاع دینے تھانے آئی تھیں یا......؟"

میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑا تو وہ جلدی سے بولا۔

"نہیں......انہوں نے تھانے فون کر کے یہ اطلاع دی تھی۔"

ہلکی پھلکی چھیڑ چھاڑ سے جرح کا آغاز کرنا بھی میرا ایک آزمودہ کار ہتھیار ہے۔اس سے سامنے والے کا دھیان اصل معاملے کی طرف سے ہٹ جاتا ہے اور وہ خاصا پرسکون ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے مجھے موقع مل جاتا ہے کہ میں اسے الجھن اور جذباتی کشمکش میں مبتلا کر کے کام کی بات اس کے منہ سے اگلوالوں جو عام حالات میں وہ شاید کبھی بھی مجھے بتانے پر تیار نہ ہو۔میرے اس شریر اسٹائل سے وکیل استغاثہ کا بہت خون جلتا تھا اور وہ اکثر و بیشتر "آبجیکشن یور آنر" کا نعرہ بھی بلند کر دیا کرتا تھا۔

اس کیس کا تفتیشی افسر جو عہدے کے اعتبار سے ایک سب انسپکٹر تھا' اس سے مجھے کچھ زیادہ ہی تفریح سوجھ رہی تھی اور اس کی وجہ اس کا ڈیل ڈول اور جسامت تھی۔میں اس کے حلیے اور وضع قطع کی تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔آپ اپنی آسانی کے لئے یہ سمجھ لیں کہ وہ معروف کامیڈین خالد سلیم موٹا سے بہت مشابہت اور مماثلت رکھتا تھا۔میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"فریاد حسین صاحب! نازش صاحبہ نے آپ کو اس افسوسناک واقعہ کی اطلاع کتنے بجے دی تھی؟"

اس نے ایک لمحہ سوچا پھر جواب دیا۔"ہمارے روزنامچے کے مطابق' یہ اطلاع رات

پونے دس بجے دی گئی تھی۔‘‘

’’یعنی بیس اکتوبر کی رات پونے دس بجے؟‘‘

اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

’’اطلاع کنندہ محترمہ نازش نے کن الفاظ میں آپ کو اس واقعے کے بارے میں بتایا تھا؟‘‘ میں نے پوچھا۔

’’اس نے کہا تھا......‘‘ وہ بڑے اعتماد سے بولا۔’’جلدی پہنچیں...... اکبر نے میرے شوہر کو قتل کر دیا ہے......!‘‘

’’یعنی...... اس نے باقاعدہ اکبر کا نام لیا تھا؟‘‘ میں نے تصدیقی نظر سے آئی او کی طرف دیکھا۔

’’جی ہاں‘ مقتول کی بیوی کے یہی الفاظ تھے۔‘‘ اس نے جواب دیا۔’’ جب اس سے پوچھا گیا کہ یہ اکبر کون ہے تو اس نے بتایا کہ یہ بندہ مقتول کا کوئی پرانا جاننے والا ہے۔‘‘

’’اوہ...... آئی سی!‘‘ میں نے متاسفانہ انداز میں ہونٹ سکیڑے اور کہا۔’’ تو پھر آپ قتل کی ایک واردات کی اطلاع پا کر فوراً جائے وقوعہ پر پہنچ گئے تھے......؟‘‘

’’جی ہاں...... یہ تو ہمارا فرض ہے۔‘‘ وہ سینہ پھلاتے ہوئے بولا۔

’’آپ کتنے بجے مقتول کے گھر پہنچے تھے؟‘‘

’’ٹھیک دس بجے!‘‘

’’یعنی واردات کی اطلاع کے ٹھیک پندرہ منٹ بعد!‘‘ میں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔’’اتنی زیادہ پھرتی اور مستعدی اور وہ بھی آپ کی طرف سے...... ؟‘‘

بات ختم کر کے میں نے اس کے سراپا پر ایک گہری نظر ڈالی۔ اسے میری یہ نظر قطعاً پسند نہ آئی اور خاصی برہمی سے بولا۔

’’مطلب کیا ہے آپ کا؟‘‘

میں نے بات بدلتے ہوئے جلدی سے کہا۔

’’مطلب یہ کہ پولیس کی جانب سے عموماً ایسی مستعدی دیکھنے کو نہیں ملتی اس لئے یقین نہیں آ رہا تھا......!‘‘

وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ میں نے ’’مستعدی اور پھرتی‘‘ والے الفاظ اس کے بے

ہنگم جثے پر طنز کرنے کے لئے استعمال کئے تھے اور اس کی برہمی کا سبب بھی یہی تھا۔ بہر حال‘ میں اسے غصہ دلا کر اپنے مقصد میں سو فیصد کامیاب رہا تھا۔

وہ جھنجلاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔’’وکیل صاحب! پولیس کی کارکردگی کے حوالے سے اکثر لوگوں کو غلط فہمی ہے اور اس قسم کی غلط فہمیاں آپ جیسے لوگوں کی پھیلائی ہوتی ہیں۔ آپ کو پولیس کے اندر خرابیاں ہی خرابیاں نظر آتی ہیں۔ اور یہ جو آپ نے پندرہ منٹ کی بات کی ہے نا......!‘‘ لمحاتی توقف کر کے اس نے گہری سانس لی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

’’شاید آپ کو پتا نہیں کہ تھانہ جائے وقوعہ سے محض دس منٹ کی دوری پر ہے۔ ہمارا وہاں پندرہ منٹ میں پہنچ جانا کوئی اچنبھے کی بات نہیں......!‘‘

میں نے اس بحث میں پڑنا ضروری نہ سمجھا کہ مجھے کیا پتا ہے اور کیا نہیں پتا...... میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھانا ہی مناسب سمجھا اور انکوائری آفیسر فریاد حسین سے پوچھا۔

’’جب آپ جائے وقوعہ پر پہنچے تو وہاں کتنے افراد موجود تھے...... مقتول کی لاش کے علاوہ......؟‘‘

’’لاش‘‘ کے ذکر پر اس نے گھور کر مجھے دیکھا تاہم کسی جارحانہ ردعمل کے بجائے اس نے میرے سوال کا سیدھا اور مختصر جواب دیا۔

’’دو......!‘‘

’’کون کون......؟‘‘ میں نے پوچھا۔

’’مقتول کی بیوی نازش اور ان کا گھریلو ملازم توفیق۔‘‘

’’آپ نے جائے وقوعہ پر کیا دیکھا تھا؟‘‘

’’مقتول مقبول شاہ اپنے بیڈ پر مردہ پڑا تھا۔‘‘ وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔’’وہ بستر پر نیم دراز تھا اور اس کی گردن ایک طرف کو ڈھلکی ہوئی تھی۔ اس کے بدن میں تین گولیاں اتاری گئی تھیں۔ ایک کھوپڑی میں اور دو سینے میں۔ اس کا لباس‘ بستر اور......‘‘

’’ایک منٹ آئی او صاحب!‘‘ میں نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا ’’کیا آپ کی آنکھوں میں ایکسرے مشینیں فٹ ہیں؟‘‘

’’کیا مطلب ہے آپ کا؟ وہ جارحانہ انداز میں مجھ سے مستفسر ہوا۔

"مطلب یہ کہ......" میں نے سلگانے والے انداز میں کہا۔ "آپ مقتول کی خون میں لت پت لاش کو دیکھتے ہی یہ جان گئے تھے کہ اسے تین گولیاں مار کر موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔علاوہ ازیں آپ کو یہ بھی پتا چل گیا تھا کہ ان میں سے ایک گولی مقتول کی کھوپڑی اور باقی دو سینے پر فائر کی گئی تھیں۔اس نوعیت کی جان کاری تو اسی وقت ممکن ہے جب آپ مقتول کے جسم کے اندر جھانکنے کی صلاحیت رکھتے ہوں...... اسی حوالے سے میں نے آپ کی آنکھوں میں ایکسرے مشین کی فٹنگ کی بات کی ہے......!"

"آپ خوامخواہ بات کو گھما پھرا کر لمبا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں وکیل صاحب۔" یہ طنزیہ انداز میں بولا۔ "جائے وقوعہ پر مقتول کی لاش کی حالت کو دیکھ کر تو یہی اندازہ قائم کیا گیا تھا کہ اسے شدید فائرنگ کر کے موت کی نیند سلایا گیا تھا۔تین گولیوں والی وضاحت تو میں نے پوسٹ مارٹم رپورٹ کی روشنی میں کی ہے۔"

"اوہ......تو ایسا ہے!" میں نے سادگی سے کہا پھر پوچھا۔ "آپ نے جائے وقوعہ سے ملزم کے فنگر پرنٹس حاصل کرنے کی کوشش بھی کی تھی یا مقتول کی بیوہ کے دعوے کو سچ مان کر ملزم کی گرفتاری کے لئے روانہ ہو گئے تھے؟"

"پولیس اتنے کچے انداز میں تفتیش نہیں کرتی جیسا آپ سمجھ رہے ہیں۔" یہ تمسخرانہ لہجے میں بولا۔ "ملزم کے فنگر پرنٹس جائے وقوعہ پر مختلف مقامات سے حاصل کئے گئے تھے۔اس سلسلے میں خصوصی طور پر میں اس کرسی کا ذکر کروں گا جو مقتول کے بیڈ کے نزدیک ہی بچھی تھی۔ مذکورہ کرسی کی ہتھوں اور پشت گاہ پر ملزم کی انگلیوں کے بڑے واضح نشانات پائے گئے تھے۔ نازش نے ہمیں بتایا تھا کہ مقتول کی موت سے تھوڑی دیر پہلے ملزم اسی کرسی پر بیٹھا مقتول کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔"

"مقتول کی بیوہ نے آپ کو اور کیا بتایا تھا؟" میں نے سوال کیا۔

"نازش صاحبہ کے مطابق ......" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "ملزم اور اس کے شوہر میں پرانی شناسائی تھی لیکن اس نے محسوس کیا تھا کہ ملزم کسی حوالے سے اس کے شوہر کو بلیک میل کر رہا تھا۔اصل معاملہ نازش کے علم میں نہیں تھا۔اس نے مقتول سے کئی بار پوچھا بھی لیکن وہ ہر مرتبہ یہ کہہ کر ٹال گیا کہ اس سلسلے میں وہ اس سے بعد میں بات کرے گا۔نازش اتنا تو جان گئی تھی کہ اس کا شوہر ملزم کو پسند نہیں کرتا تاہم وہ اس سے ملاقات سے

انکار بھی نہیں کرتا تھا۔اسی وجہ سے نازش کو بلیک میلنگ کا شک ہوا تھا۔مقتول نہ چاہتے ہوئے بھی ملزم سے ملنے کے لئے مجبور ہو جاتا تھا۔دوران گفتگو ان کے بیچ گرما گرمی اور تلخ کلامی بھی ہوتی تھی۔نازش نے کئی مرتبہ مقتول سے پوچھا بھی کہ یہ کیا مصیبت آپ نے اپنے اوپر مسلط کر رکھی ہے۔ ہر بار مقتول یہی جواب دیتا تھا کہ......بس' چند دن کی بات ہے۔یہ واپس عراق چلا جائے گا اور سب ٹھیک ہو جائے گا لیکن سب ٹھیک نہ ہو سکا اور وقوعہ کے روز ملزم نے اپنے پستول سے تین گولیاں مقتول کے جسم میں اتاریں اور وہاں سے رخصت ہو گیا۔"

آئی او نے اپنا بیان مکمل کیا جو درحقیقت مقتول کی بیوہ نازش کا مؤقف تھا۔وہ خاموش ہوا تو میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"اور پھر نازش ہی کی ہدایت نما نشاندہی پر آپ نے ملزم کو اس کے گھر سے گرفتار کر لیا۔میں غلط تو نہیں کہہ رہا آئی او صاحب؟"

"نہیں جناب ......آپ بالکل درست فرما رہے ہیں۔" وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "موقع کی کارروائی نمٹانے کے بعد ہم نے اسی رات ملزم کو اس کے گھر واقع شادمان ٹاؤن سے حراست میں لے لیا تھا۔"

"ملزم کی گرفتاری کتنے بجے عمل میں آئی تھی؟" میں نے پوچھا۔

اس نے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے' اس وقت رات کے ساڑھے گیارہ بجے تھے۔"

"میری اطلاع کے مطابق' اور حالات و واقعات بھی اسباب کی تصدیق کرتے ہیں کہ ملزم وقوعہ کی رات ساڑھے نو بجے مقتول کے گھر سے رخصت ہوا تھا اور وہ لگ بھگ رات گیارہ بجے اپنے گھر پہنچا تھا۔" میں نے ملزم کی حمایت میں استعمال ہونے والے ایک نکتے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "جبکہ گارڈن ایسٹ سے شادمان ٹاؤن زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے کی ڈرائیو پر ہے۔کیا آپ نے ملزم سے یہ پوچھنے کی زحمت گوارا کی کہ تیس منٹ کا فاصلہ اس نے ڈیڑھ گھنٹے میں کیوں طے کیا تھا......کیا راستے میں اس کی گاڑی خراب ہو گئی تھی یا......؟"

• مجھے یہ بات بڑی وضاحت کے ساتھ معلوم ہو چکی تھی کہ وقوعہ کی رات میرا مؤکل مقتول کے گھر سے نکلنے کے بعد کہاں کہاں گیا تھا۔میں نے تو محض آئی او کی کارکردگی کو چیک

کرنے کے لئے یہ سوال کر دیا تھا۔

''جی......ہم نے اس سے پوچھا تھا۔'' فریاد حسین نے جواب دیا۔

''پھر اس نے کیا بتایا تھا؟''

وہ اکیوزڈ باکس (ملزم والے کٹہرے) کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔''یہ اپنے کسی دوست سے ملنے پاپوش نگر کی طرف چلا گیا تھا۔''

''واہ وا......سبحان اللہ!'' میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔''ملزم نے کیا کانفیڈنس شو کیا تھا۔ اس نے ایک شخص کو موت کے گھاٹ اتارا پھر بڑے آرام سے اپنے کسی دوست سے ملنے پاپوش نگر پہنچ گیا......''

آئی او نے میرے طنز کا جواب نہیں دیا۔ بس' معاندانہ اندانہ میں مجھے گھور کر رہ گیا۔ میں نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''فریاد حسین صاحب! کیا آپ نے آنکھیں بند کر کے ملزم کی بات پر یقین کر لیا تھا......؟''

''کون سی بات؟'' وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

''یہی کہ......'' میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''مقتول کے بنگلے سے واپسی پر وہ اپنے کسی دوست سے ملنے پاپوش نگر کی طرف چلا گیا تھا؟''

''ہم کسی کی بات پر آنکھیں بند کر کے یقین نہیں کرتے وکیل صاحب۔'' وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

''ہم نے اس کے پاپوش نگری دوست سے اس کے بیان کی باقاعدہ تصدیق کی تھی۔ اس بندے کا نام عرفان ہے۔ وہ ادھر پاپوش نگر میں کتابوں کی دکان چلاتا ہے۔''

''ٹھیک ہے' میں آپ کی کارکردگی سے متاثر ہوا ہوں فریاد صاحب۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔

''استغاثہ کی رپورٹ کے مطابق' آپ نے ملزم کی گاڑی کے ڈیش بورڈ میں سے آلہ قتل بھی برآمد کر لیا تھا؟''

''جی ہاں۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''ملزم کی گرفتاری کے بعد جب اس کی گاڑی کی تلاشی لی گئی تو ڈیش بورڈ کے اندر آلہ قتل یعنی اعشاریہ تین دو کیلی برکا پستول موجود تھا۔ بعد ازاں فنگر پرنٹس ٹیسٹ کے نتیجے میں اس پستول کے مختلف حصوں اور ٹریگر پر ملزم کی انگلیوں کے نشانات کی بھی تصدیق ہو گئی تھی۔''

''وہ پستول ایک لائسنس یافتہ اسلحہ تھا اور ملزم کی ذاتی ملکیت بھی۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔''لہٰذا اس کے ٹریگر یا باڈی کے مختلف حصوں پر اس کے فنگر پرنٹس کی موجودگی ایک عام سی بات ہے۔ آپ اس امر کا ذکر کر کے کیا ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں آئی او صاحب......؟''

میرے استفسار پر وہ ایک لمحے کے لئے گڑبڑایا پھر ''سوال گندم' جواب چنے'' کی عملی تفسیر پیش کرتے ہوئے بولا۔'' جب میں نے اس پستول کو چیک کیا تو اس میں سے تین گولیاں چلی ہوئی تھیں اور......اور...... لمحاتی توقف کر کے اس نے گہری سانس لی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''اور......پوسٹ مارٹم رپورٹ میں بڑے واضح انداز میں لکھا ہوا ہے کہ مقتول مقبول شاہ کے جسم سے برآمد ہونے والی گولیاں اسی پستول سے چلائی گئی تھیں......''

میں اس میز کی جانب بڑھا جس پر آلہ قتل اعشاریہ تین دو کیلی برکا پستول ایک سیلوفین بیگ کے اندر بند پڑا تھا۔ میں نے جج کی اجازت سے وہ سلوفین بیگ اٹھا لیا اور واپس وٹنس باکس کے قریب آ گیا پھر میں نے مذکورہ بیگ کو تفتیشی افسر کی آنکھوں کے سامنے جھلاتے ہوئے سوال کیا۔

''آپ اسی پستول کی بات کر رہے ہیں نا' پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق' مقتول مقبول شاہ کے جسم سے برآمد ہونے والی تینوں گولیاں جس سے چلائی گئی تھیں؟''

''جی ہاں۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔''اور یہ پستول ملزم کی ملکیت ہے۔''

''بے شک یہ پستول میرے مؤکل کی ملکیت ہے۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔''اور اس بات میں بھی شبے کی گنجائش نہیں کہ مقتول کی زندگی کا چراغ گل کرنے والی تینوں گولیاں اسی پستول سے فائر کی گئی ہیں مگر......!''

میں نے ڈرامائی انداز میں بات ادھوری چھوڑی تو آئی او نے اضطراری لہجے میں پوچھا۔''مگر کیا......؟''

"مگر یہ کہ...... میں نے پوسٹ مارٹم رپورٹ کو درجن سے زیادہ مرتبہ نہایت ہی توجہ سے پڑھا ہے۔" میں نے بہ دستور ڈرامائی لہجے میں کہا۔ "لیکن اس میں مجھے کہیں بھی یہ لکھا ہوا نظر نہیں آیا کہ یہ تینوں گولیاں میرے مؤکل اور اس کیس کے ملزم مسٹر اکبر نے چلائی تھیں۔ آپ نے کس بنا پر یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ گولیاں ملزم ہی نے فائرنگ کر کے مقتول کے بدن میں اتاری تھیں؟"

"ظاہری بات ہے۔" وہ گڑبڑائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "پستول' ملزم کی ملکیت ہے' اس کی گاڑی کے ڈیش بورڈ میں سے برآمد ہوا ہے' اس پر ملزم کے فنگر پرنٹس پائے گئے ہیں' پوسٹ مارٹم رپورٹ بتاتی ہے کہ اسی پستول کی فائرنگ سے مقتول مقبول شاہ ہلاک ہوا ہے......" پھولی ہوئی سانس کو ہموار کرنے کیلئے اس نے تھوڑا توقف کیا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"جناب! یہ سارے اشارے ملزم ہی کی طرف جاتے ہیں......!"

"فرض کریں......!" میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کی گاڑی چرا کر کوئی خطرناک ایکسیڈنٹ کر بیٹھتا ہوں۔ آپ کی گاڑی سے کسی راہ گیر کو بری طرح کچل کر ہلاک کر دیتا ہوں اور بعد میں گاڑی کو وہیں کھڑا کر دیتا ہوں جہاں سے چرائی تھی۔ پولیس واقعاتی شہادتوں کی انگلی پکڑ کر آپ کی گاڑی تک اور اس گاڑی کے توسط سے آپ تک پہنچ جاتی ہے......" میں نے لمحاتی توقف کر کے حاضرین عدالت پر ایک طائرانہ نظر ڈالی پھر دوبارہ آئی او کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

"مذکورہ گاڑی آپ کی ملکیت ہے اس کی باڈی کے مختلف حصوں اور اسٹیرنگ پر آپ کے فنگر پرنٹس پائے جاتے ہیں اور یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ قتل آپ ہی کی گاڑی سے ہوا ہے تو پھر...... آپ کو تو پھانسی کی سزا ہو جانا چاہئے؟"

"جناب! یہ کیا اصول بیان کیا ہے آپ نے؟" وہ برہمی سے بولا۔

میں نے تحمل سے کہا۔ "آئی او صاحب! میں نے تو آپ کے بیان کردہ اصول کا اپلی میٹیشن بیان کیا ہے۔"

"جب میری گاڑی چرا کر آپ قتل کی کوئی واردات کریں گے تو سزا مجھے نہیں' آپ کو ہونا چاہئے......؟"

میں نے ترکی بہ ترکی کہا۔ "جب میرے مؤکل کا پستول چرا کر کوئی اس سے مقبول شاہ کو قتل کر ڈالے گا تو پھر اس جرم کی سزا بھی اسی شخص کو ہونا چاہئے' میرے مؤکل کو نہیں۔"

"تو آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ کسی شخص نے ملزم کا پستول چرا کر مقبول شاہ کو موت کے گھاٹ اتارا ہے؟" وہ بے حد حیرت سے بولا۔

"جی ہاں......میرا دعویٰ تو یہی ہے۔" میں نے ٹھوس انداز میں کہا۔

جج گہری دلچسپی اور خاموشی سے ہمارے درمیان ہونے والی دھواں دھار بحث کو دیکھ اور سن رہا تھا۔ وکیل استغاثہ نے بھی ابھی تک مداخلت کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ اس کی "ذمے داری" تفتیشی افسر بڑے احسن طریقے سے نبھا رہا تھا لہٰذا اس کا اطمینان سمجھ میں آنے والی بات تھی۔

وکیل استغاثہ کی خاموشی' انکوائری آفیسر کو شہ دے ہی تھی۔ اس نے خاصے اکھڑے ہوئے لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

"کیا آپ اپنے دعوے کو سچ ثابت کر سکتے ہیں؟"

"بالکل کر سکتا ہوں۔" میں نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔ "وقت آنے پر میں بھری عدالت میں یہ کر کے بھی دکھا دوں گا۔"

"ٹھیک ہے......!" آئی او نے سوچتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھا اور کہا "چند لمحات کے لئے میں آپ کے دعوے کو درست تسلیم کر لیتا ہوں۔ اب آپ کو یہ وضاحت کرنا ہوگی کہ اگر کسی ایکس' وائے' زیڈ نے ملزم کا پستول چرا کر اس کی مدد سے مقبول شاہ کو موت کے گھاٹ اتارا ہے تو پھر اس واردات کے فوراً بعد وہ پستول ملزم کی گاڑی کے ڈیش بورڈ سے کیسے برآمد ہوا؟"

"آپ ایک ذہین پولیس آفیسر ہیں۔" میں نے اسے مسکا لگایا۔ "مجھے پتا تھا کہ آپ یہ سوال ضرور کریں گے......!"

"پھر دیں جواب......!" وہ آنکھیں پٹ پٹا کر بولا۔

"اس سوال کا بڑا مدلل جواب ہے میرے پاس۔"

میں نے جج کی جانب دیکھتے ہوئے کہا پھر دوبارہ آئی او کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "لیکن ابھی اس راز کو کھولنا کسی بھی طور مناسب نہیں ہوگا۔ اس سے یہ کیس اور آگے کی عدالتی

کارروائی متاثر ہونے کا اندیشہ ہے لہٰذا......'' میں نے رک کر وکیل استغاثہ کی طرف دیکھا اور اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔ میرا مخاطب تفتیشی افسر تھا۔

''میں فی الحال اس سلسلے میں معذرت چاہتا ہوں......!''

آئی او بیزاری سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے اپنی جرح کو سمیٹتے ہوئے کہا۔ ''فریاد حسین صاحب! آپ نے پوسٹ مارٹم رپورٹ تو پڑھی ہے نا؟''

''جی ہاں......'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''بڑی توجہ سے پڑھی ہے۔''

''ویری گڈ......!'' میں نے مصنوعی ستائشی انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ ''اس کے بارے میں وہ رپورٹ کیا کہتی ہے؟''

بات ختم کرتے ہی میں نے پستول والا سیلوفین بیگ اس کی آنکھوں کے سامنے سے لہرایا۔ مذکورہ بیگ پچھلے پندرہ منٹ سے میرے ہاتھ ہی میں تھا۔

''رپورٹ اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ مقبول شاہ کو اسی پستول کی فائرنگ سے ہلاک کیا گیا تھا......'' اس نے جواب دیا پھر الجھن زدہ انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔

میں اس کی الجھن کو سمجھ سکتا تھا' وہ میرے سوال کی تہ تک پہنچنے کی کوشش میں بحر سوچ و بچار میں غوطہ زن نظر آتا تھا۔

''ہاں' رپورٹ سے اس امر کی یقیناً تصدیق ہوتی ہے اور یہ حقیقت بھی ہے۔'' میں نے اسے گھسنے کا عمل جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''لیکن اس ''تصدیق'' کے ساتھ ہی ایک اہم معاملہ بھی جڑا ہوا ہے......!''

''کون سا معاملہ؟'' وہ حیران نظر سے مجھے تکنے لگا۔

میں نے اس کے زخموں پر نمک پاشی کرتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''آئی او صاحب! میں محسوس کر رہا ہوں' آپ نے پوسٹ مارٹم رپورٹ کو دھیان سے بالکل نہیں پڑھا ورنہ آپ کے ذہن میں یہ سوال ہی پیدا نہ ہوتا؟''

وہ میرے بار بار کے حملوں سے تڑپ اٹھا اور جھلاہٹ بھرے انداز میں بولا۔ ''آپ ہی بتا دیں' وہ اہم معاملہ کون سا ہے۔ آپ نے تو ماشاء اللہ اس رپورٹ کو درجنوں بار پڑھنے

کا شرف حاصل کیا ہے......!''

میں نے آئی او کی چوٹ کو معنی خیز مسکراہٹ میں اڑا دیا اور ایک بار پھر آلہ قتل والا سیلوفین بیگ اس کی آنکھوں کے سامنے بلند کرتے ہوئے کہا۔

آئی او کے ریمارکس اگرچہ انتہائی عامیانہ اور ناشائستہ تھے' لیکن ان لمحات میں اس کی جھنجلاہٹ دیدنی تھی اور اسی جھنجلاہٹ کے پیش نظر حاضرین عدالت نے ان ریمارکس کو انجوائے کیا تھا۔ میں نے دیکھا' جج کے لبوں پر بھی ہلکا سا تبسم نمودار ہو گیا تھا۔

''میں نے تھوڑی دیر پہلے آپ کو اگر عقل مند انسان کا خطاب دیا ہے تو کچھ غلط نہیں کیا آئی او صاحب۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''ہاں...... بالکل...... پوسٹ مارٹم رپورٹ میں میں اس ''چیز'' کا واضح تذکرہ موجود ہے!''

''کدھر ہے......کہاں ہے......؟'' وہ بوکھلاہٹ آمیز انداز میں بولا۔

''میں نے اپنی فائل میں سے مذکورہ رپورٹ نکال کر پڑھنا شروع کیا اور ایک مقام پر پہنچ کر میں نے آئی او کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''فریاد حسین! یہاں لکھا ہے کہ مقتول مقبول شاہ کو سائیلنسر لگے پستول سے فائرنگ کر کے موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا......!''

''تو......؟'' آئی او حیرت سے منہ کھول کر مجھے تکنے لگا۔

''تو یہ کہ......'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''آپ نے ملزم کی گاڑی کے ڈیش بورڈ میں سے پستول تو برآمد کر لیا اور اس کے سائیلنسر کا کہیں کوئی اتا پتا نہیں ملتا......وہ کہاں چلا گیا؟''

''ملزم نے جائے وقوعہ سے واپسی پر سائیلنسر کو راستے میں کہیں پھینک دیا ہو گا۔'' وہ جان چھڑانے والے انداز میں بولا۔ ''اس رات یہ بہت گھوم پھر کر گھر پہنچا تھا۔''

''بہت خوب آئی او صاحب......!'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اب وہ موقع آ گیا ہے کہ میں آپ کو دیا ہوا ''خطاب'' واپس لے لوں اور یہاں کھڑے کھڑے آپ کی عقل پر ماتم شروع کر دوں......!''

''یہ کیا بکواس ہے......!'' اس کی برداشت جواب دے گئی۔

''آرڈر......آرڈر......!'' جج نے تنبیہ کرنے والے انداز میں کہا۔ ''عدالت کے وقار کا خیال رکھا جائے......''

"یہ بکواس نہیں ہے آئی او صاحب!" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔"میں نے ایک حقیقت بیان کی ہے۔"

جج کی وارننگ کا اثر تھا کہ وہ قدرے نرم پڑتے ہوئے بولا۔"یہ کس قسم کی حقیقت ہے جو آپ کو میری عقل پر ماتم کرنے کا مشورہ دے رہی ہے؟"

"بہت ہی سفاک اور چبھنے والی حقیقت!" میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اور وہ یہ کہ......" میں نے دانستہ توقف کیا پھر ڈرامائی انداز میں اضافہ کیا۔"ایک شخص اپنے سائیلنسر لگے پستول سے تین گولیاں فائر کر کے ایک انسان کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے اور واپسی پر وہ اپنے پستول کے سائیلنسر کو کہیں بھی پھینک دیتا ہے مگر پستول کو اپنی گاڑی کے ڈیش بورڈ میں اطمینان سے رکھ دیتا ہے' اپنی انگلیوں کے نشانات سمیت تاکہ پولیس کو آلہ قتل تلاش کرنے میں کسی دقت کا سامنا نہ ہو۔ ایسا بھولا بھالا اور پولیس دوست قاتل دیکھا ہے کہیں آپ نے......؟"

"اگر......" وہ میری لتاڑ کے جواب میں جزبز ہوتے ہوئے بولا۔"اگر مجرم غلطی نہ کرے تو پھر......پکڑا کیسے جائے......آپ نے سنا نہیں کہ ذہین سے ذہین مجرم بھی کہیں غلطی ضرور کر جاتا ہے......!"

"ہاں سنا ہے۔" میں نے تیکھے انداز میں کہا۔

"اور بعض ذہین مجرم تو میرے مؤکل سے بھی زیادہ سیدھے اور معصوم ہوتے ہیں۔ وہ جرم کے ارتکاب کے فوراً بعد متعلقہ تھانے پہنچ کر اپنی گرفتاری پیش کر دیتے ہیں۔ اللہ اللہ خیر صلا......" میں نے روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے کہا۔

"وِتھ آل یور آنر......!"

اس کے ساتھ ہی عدالت کا مقررہ وقت ختم ہو گیا۔

آئی او سے جرح میں خاصی لمبی چھیڑ چھاڑ ہو گئی تھی تاہم میں سمجھتا ہوں' یہ "چھیڑ چھاڑ" آگے چل کر میرے مؤکل کی بے گناہی کے سلسلے میں انتہائی مفید ثابت ہونے والی تھی۔ میں نے آئی او سے سوال و جواب کے دوران میں عدالت کے سامنے متعدد ایسے نکات اجاگر کر دیئے تھے جو استغاثہ کی خامیوں کی نشاندہی کرتے تھے۔ اب مجھے انہی خطوط پر طبع آزمائی کرتے ہوئے اپنے مؤکل کی باعزت رہائی کی راہ ہموار کرنا تھی اور مجھے قوی امید تھی کہ میں

اپنے اس مقصد میں کلی طور پر کامیاب رہوں گا......!

جج نے آئندہ پیشی کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کر دی۔

اگلی پیشی سے پہلے کنول اور کاشف دو مرتبہ مجھ سے ملنے میرے دفتر آئے تھے۔ وہ میری کارکردگی سے بہت مطمئن اور خوش تھے۔ کنول نے کہا۔

"بیگ صاحب! آپ نے تو کمال کر دیا۔ پہلے ہی اوور میں تین وکٹیں لے لیں۔"

"یہ تو ابتدا ہے۔ آگے آگے دیکھئے' ہوتا ہے کیا۔"

میں نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر پوچھا۔"آپ نے جو مثال دی ہے اس سے تو یہی لگتا ہے' آپ کو کرکٹ سے بہت دلچسپی ہے۔"

"ایسی ویسی دلچسپی جناب۔" وہ فرطِ جذبات سے مغلوب آواز میں بولی۔"میں تمام انٹرنیشنل میچز بہت شوق سے دیکھتی ہوں...... میرا تو بس نہیں چلتا کہ پاکستان کی ایک ویمن کرکٹ ٹیم بنا ڈالوں......!"

جس زمانے کا یہ واقعہ ہے ان دنوں پاکستان کی ویمن کرکٹ ٹیم کے دور دور تک کوئی آثار نہیں نظر نہیں آتے۔ تھے۔ آج کل کی تو بات ہی دوسری ہے۔

"کوئی بات نہیں کنول صاحبہ!" میں نے اس کے شوق و ذوق کو دیکھتے ہوئے کہا۔"آپ دل چھوٹا نہ کریں اور اپنے جذبے کو جوان رکھیں۔ وہ دن دور نہیں جب اس ملک میں عورتوں کی بھی ایک کرکٹ ٹیم بن جائے گی۔"

کاشف نے مجھے بتایا۔"میں نے بھائی صاحب کی کمپنی والوں کو یہاں کی سنگین صورت حالات سے آگاہ کر دیا ہے۔"

"انہوں نے اس معاملے پر کیا کہا؟" میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ اس مصیبت کا سن کر تعاون کے لئے تیار ہیں۔"

کاشف نے بتایا۔"ان کا کہنا ہے' بھائی صاحب جب بھی واپس عراق آئیں گے' ان کی نوکری پکی ہے۔"

"یہ تو خاصی حوصلہ افزا بات ہے۔" میں نے اطمینان کی سانس خارج کرتے ہوئے کہا پھر پوچھا۔"مسٹر کاشف! میں نے آپ کے ذمے جو کام لگائے تھے ان میں سے اِکا دُکا باقی ہیں۔ آئندہ پیشی سے پہلے وہ کام ہو جانا چاہئیں......!"

"آپ بالکل بے فکر ہو جائیں بیگ صاحب۔" وہ پراعتماد انداز میں بولا۔ "میں نے جن کاموں کی ذمے داری اٹھائی ہے انہیں ضرور مکمل کروں گا۔ آئندہ پیشی میں دس دن باقی ہیں اور میں ان شاء اللہ! دو چار روز میں آپ کی مطلوبہ معلومات فراہم کر دوں گا۔"

"بس تو پھر ٹھیک ہے۔" میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلا دی۔

وہ مزید پندرہ بیس منٹ میرے پاس بیٹھ کر اس کیس کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کرتے رہے پھر میرا شکریہ ادا کر کے رخصت ہو گئے۔

آئندہ پیشی پر مقتول کے گھریلو ملازم توفیق کو استغاثہ کے گواہ کی حیثیت سے عدالت میں پیش کیا گیا۔ توفیق کی عمر پچاس سے متجاوز تھی۔ وہ متناسب بدن کا مالک ایک پستہ قامت شخص تھا جس کے بالوں میں سفیدی بڑے طمطراق سے اپنی موجودگی کا احساس دلا رہی تھی۔

توفیق نے سچ بولنے کا حلف اٹھانے کے بعد اپنا بیان ریکارڈ کرا دیا۔ اس کے بیان کو سن کر صاف محسوس ہوتا تھا کہ اس بیان کو رٹوانے میں پولیس کو خاطر خواہ محنت کرنا پڑی ہو گی۔

وکیل استغاثہ جرح کے لئے وٹنس باکس کے قریب پہنچ گیا پھر اپنے گواہ سے مخاطب ہوتے ہوئے سوال کیا۔

"توفیق صاحب! آپ ملزم کو پہچانتے ہیں؟"

بات ختم کرتے ہی اس نے اکیوزڈ باکس میں کھڑے میرے مؤکل کی جانب اشارہ بھی کر دیا۔ گواہ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

"جی جانتا ہوں۔"

"پھر تو آپ کو یہ بھی پتا ہوگا کہ ملزم ملک سے باہر کہیں ملازمت کرتا ہے؟ وکیل استغاثہ نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"جی ...... یہ عراق کی کمپنی میں ملازم ہے۔" گواہ نے بتایا۔ "اور جن دنوں صاحب کا قتل ہوا' یہ چھٹی پر پاکستان آیا ہوا تھا...... بلکہ آیا ہوا ہے کیونکہ اس کیس کی وجہ سے اس کی چھٹی کچھ زیادہ ہی لمبی ہو گئی ہے۔"

"حالانکہ ......" وکیل استغاثہ نے طنزیہ انداز میں گرہ لگائی۔ "یہ بے چارہ صرف ایک ماہ کی چھٹی لے کر یہاں آیا تھا۔"

گواہ توفیق نے اثبات میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔

"کیا یہ درست ہے کہ ملزم جب سے پاکستان آیا تھا' ہر دوسرے تیسرے دن آپ کے صاحب مقتول مقبول شاہ سے ملنے آجاتا تھا۔" وکیل استغاثہ نے ایک خاص زاویئے سے سوال کیا۔ "اور مقتول کی اہلیہ اس کی آمد سے بہت چڑتی تھی؟"

"جی ہاں' یہ سچ ہے......!"

"کیوں چڑتی تھی مقتول کی بیوی!" وکیل استغاثہ نے کافی زور دے کر پوچھا۔ "اس راز کے بارے میں کچھ پتا ہے آپ کو؟"

"نہیں جناب......" وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "باوجود کوشش کے بھی میں یہ راز نہیں جان سکا تھا حالانکہ میں نے کئی بار سوچا بھی کہ اس سلسلے میں نازش بی بی سے بات کروں لیکن پھر میری ہمت نہ ہوئی اور یہ واقعہ پیش آ گیا۔"

"کیا محسوس ہوتا تھا آپ کو......" وکیل استغاثہ نے ٹٹولنے والے انداز میں کہا۔ "جب ملزم مقتول سے طویل ملاقات کر کے واپس جاتا تھا تو گھر کا ماحول کیسا ہو جاتا تھا؟"

"نہایت ہی کشیدہ جناب۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ "اس رات صاحب جی اور نازش بی بی میں لڑائی ضرور ہوتی تھی۔"

"اور آپ سمجھتے ہیں اس فساد کا سبب یہی شخص تھا؟"

وکیل استغاثہ نے ایک مرتبہ پھر اکیوزڈ باکس میں چپ چاپ کھڑے میرے مؤکل کی جانب اشارہ کر دیا۔

"جی ہاں' میرا اندازہ تو یہی کہتا تھا۔" گواہ توفیق بڑے وثوق سے بولا۔ "کیونکہ میاں بیوی کی چپقلش کا سلسلہ اس شخص کی آمد کے بعد ہی شروع ہوا تھا۔ یہ بات تو طے ہے کہ نازش بی بی اسے سخت ناپسند کرتی تھیں۔"

"وقوعہ کی رات آپ گھر میں موجود تھے؟" وکیل استغاثہ نے پوچھا۔

"جی بالکل...... میں نے کہاں جانا ہے۔" وہ سادگی سے بولا۔ "میرا رہنا سہنا' کھانا پینا سب کچھ صاحب جی کے بنگلے میں ہے۔ میں ادھر ہی رہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" وکیل استغاثہ نے اطمینان سے گردن ہلائی۔ "اب وقوعہ کی رات کو ذہن میں لانے کی کوشش کریں......"

وکیل استغاثہ نے توقف کر کے سوالیہ نظر سے گواہ کی جانب دیکھا۔

توفیق کے چہرے پر ایسے تاثرات نمودار ہوئے جیسے وہ ذہن میں بکھرے ہوئے خیالات کو ایک جگہ جمع کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر اس نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔

''جی پوچھیں وکیل صاحب......آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟''

''وقوعہ کی رات ملزم نے مقتول یعنی تمہارے صاحب کے ساتھ کتنا وقت گزارا تھا؟'' وکیل استغاثہ نے استفسار کیا۔

گواہ نے نہایت ہی اعتماد سے جواب دیا۔''لگ بھگ تین گھنٹے جناب۔''

''کیا ملزم آپ کے سامنے ہی وہاں سے رخصت ہوا تھا؟''

''جی ہاں......اس کے لئے گیٹ میں نے ہی کھولا تھا۔'' گواہ توفیق نے جواب دیا۔''اس کی گاڑی بنگلے کے باہر کھڑی تھی۔''

وکیل استغاثہ نے پوچھا۔''ملزم کے جانے کے بعد وہاں کیا حالات پیش آئے تھے؟''

گواہ توفیق نے جھرجھری لیتے ہوئے جواب دیا۔

''جناب! وہ بڑی قیامت خیز رات تھی۔ ملزم کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ہی نازش بی بی کے چیخنے کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز بنگلے کے اندرونی حصے سے آتی تھی۔ میں نے بھاگ کر اندر جانا چاہا۔ ابھی میں راستے ہی میں تھا کہ نازش بی بی پریشان حال میری طرف بڑھتی نظر آئیں۔ اس سے پہلے کہ میں ان سے کوئی سوال کرتا' انہوں نے بکھرے ہوئے لہجے میں بتایا......شاہ صاحب کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔ میں نے پوچھا۔ کس نے؟ انہوں نے جواب دیا' اسی مردود نے جو تھوڑی دیر پہلے ان کے پاس سے اٹھ کر گیا ہے۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ ان کا اشارہ اس شخص کی جانب تھا۔'' بات ختم کر کے گواہ نے اکیوزڈ باکس کی طرف دیکھا اور انگلی سے میرے مؤکل اکبر کی جانب اشارہ کر دیا۔

''پھر......آپ نے کیا' کیا؟'' وکیل استغاثہ کی سرسراتی ہوئی آواز ابھری۔

''میں نازش بی بی کے ساتھ بنگلے کے اندرونی حصے میں پہنچ گیا۔'' وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔''جب ہم صاحب کے بیڈروم میں پہنچے تو میں نے انہیں بیڈ پر خون میں لت پت پڑے دیکھا......''

بات کے اختتام پر استغاثہ کے گواہ نے ایک مرتبہ پھر جھرجھری لی۔ وکیل استغاثہ نے

سوال کیا۔''پھر......پھر کیا ہوا تھا؟''

''پھر جی......'' وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔''نازش بی بی نے فوراً پولیس کو فون کر کے صاحب جی کے قتل کے بارے میں بتا دیا۔ پولیس آئی۔ انہوں نے بنگلے پر ضروری کارروائی کی پھر نازش بی بی کی نشاندہی پر ملزم کو اس کے گھر سے گرفتار کر لیا۔ اب یہ یہاں کھڑا ہے۔''

وکیل استغاثہ نے مزید ایک آدھ سوال کے بعد جرح ختم کر دی۔ میں اپنی باری پر جج سے اجازت حاصل کر کے وٹنس باکس کے قریب پہنچ گیا اور گواہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''توفیق صاحب! آپ کو مقتول کے بنگلے پر کام کرتے ہوئے کتنا عرصہ ہوا ہے؟''

''تقریباً پانچ سال جناب۔'' اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''پھر تو ملزم آپ کے لئے اجنبی نہیں ہوگا۔'' میں نے کہا۔''میری معلومات کے مطابق ملزم اور مقتول کی دوستی کی عمر دس سال سے زیادہ ہے؟''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں وکیل صاحب'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''عراق جانے سے پہلے بھی یہ کبھی کبھار صاحب جی سے ملنے بنگلے پر آیا کرتا تھا۔''

''ابھی تھوڑی دیر پہلے وکیل استغاثہ کے سوال کے جواب میں آپ نے بتایا ہے کہ مقتول کی بیوی ملزم کو سخت ناپسند کرتی تھی۔ وہ ملزم سے چڑتی تھی اور ملزم جب بھی مقتول سے ملاقات کر کے واپس جاتا تھا تو میاں بیوی میں شدید ترین جھگڑا بھی ہوا کرتا تھا۔'' میں نے لمحات توقف کر کے گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''آپ نے ان خیالات کا بھی اظہار کیا ہے کہ نازش بی بی اور مقتول کے بیچ چپقلش کا سلسلہ ملزم کی آمد کے بعد ہی شروع ہوا تھا......؟''

اس نے مختصر سا جواب دیا۔''جی ہاں' یہی بات ہے۔''

میں نے اسے اپنی جرح کے حلقے میں لا کر اس کی زبان سے اہم باتیں اگلوانے کی کوشش جاری رکھتے ہوئے پوچھا۔''توفیق صاحب! ملزم پچھلے تین سال سے عراق میں ملازمت کر رہا تھا۔ یہ ہر سال ایک ماہ کی چھٹی لے کر پاکستان آتا رہا ہے اور ظاہر ہے اس ایک ماہ کے اندر اس کی مقتول مقبول شاہ سے بھی ملاقات ہوتی ہوگی۔ کیا پہلے جب ملزم مقتول سے ملنے بنگلے پر آتا تھا تو نازش بی بی کو اچھا لگتا تھا......؟''

وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میں سمجھا نہیں جناب؟''

''میرا مطلب یہ ہے کہ......'' میں نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا۔ ''آپ کے بیان کے مطابق نازش بی بی ملزم سے شدید نفرت کرتی تھی اور اس کی آمد پر چڑتی تھی۔ کیا پہلے بھی نازش بی بی کا یہی رویہ ہوتا تھا یا......؟''

میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ وہ جلدی سے بولا۔ ''جناب! پہلے تو اس بات کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔''

''سوال ہی نہیں تھا......'' سب کچھ جاننے کے باوجود بھی میں نے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔ ''کیا مطلب ہے آپ کا؟''

''ظاہر ہے جناب۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''ملزم ایک سال کے بعد پاکستان آیا تھا اور شاہ صاحب نے اپنی موت سے صرف دس ماہ پہلے نازش بی بی سے شادی کی تھی۔ وہ پہلی بار ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے تھے۔ اس سے قبل ان کی کسی چپقلش کا کیا سوال پیدا ہوسکتا تھا؟''

''اوہ......تو یہ بات ہے!'' میں نے سانس خارج کرتے ہوئے حیران ہونے والے انداز میں کہا پھر پوچھا۔

''میرے سننے میں یہ بھی آیا ہے کہ مقتول مقبول شاہ کسی حادثے کا شکار ہو کر اپنے جسم کا زیریں حصہ مفلوج کر بیٹھا تھا۔ کیا آپ کے صاحب نے نازش بی بی سے شادی اس حادثے کے بعد کی تھی؟''

''نہیں جناب......!'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''یہ حادثہ تو شادی کے سات آٹھ ماہ بعد پیش آیا تھا۔ جب سے ان کی زندگی بستر کی ہو کر رہ گئی تھی۔ کبھی کبھی وہیل چیئر پر بیٹھ کر گھر کے اندر تھوڑا ''چل پھر'' لیتے تھے۔''

''توفیق صاحب!'' میں نے جرح کے سلسلے کو سمیٹتے ہوئے کہا۔ ''وکیل استغاثہ کے ایک سوال کے جواب میں آپ نے بتایا ہے کہ وقوعہ کی رات ملزم نے لگ بھگ تین گھنٹے مقتول کے بیڈ روم میں گزارے تھے اور جب وہ وہاں سے جانے لگا تو آپ نے اس کے لئے بنگلے کا گیٹ کھولا تھا؟''

''جی ہاں......میں نے بھی بتایا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''آپ نے یہ بھی کہا کہ ملزم کی گاڑی بنگلے کے باہر کھڑی تھی۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ ''کیا ملزم کو آپ نے اپنی آنکھوں سے گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوتے دیکھا تھا؟''

''نہیں جناب۔'' وہ گردن کو نفی میں حرکت دیتے ہوئے بولا۔ ''میں نے اس کے باہر نکلتے ہی گیٹ بند کر دیا تھا۔''

''یعنی آپ وثوق سے نہیں بتا سکتے کہ ملزم کب اپنی گاڑی میں سوار ہوا اور کس سمت میں روانہ ہوا......؟''

''نہیں جناب، مجھے اس بارے میں کوئی خبر نہیں۔'' وہ بے بسی سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے پوچھا۔ ''ملزم کے جائے وقوعہ سے رخصت ہونے کے کتنی دیر بعد آپ نے نازش صاحبہ کو چیختے چلاتے سنا تھا؟''

''یہی کوئی پانچ منٹ......'' وہ ذہن پر زور دیتے ہوئے بولا۔ ''یا زیادہ سے زیادہ دس منٹ......!''

''اچھی طرح سوچ کر بتائیں۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے پوچھا۔ ''وقوعہ کے روز بنگلے پر کون کون موجود تھا؟''

''مقبول صاحب تھے، نازش بی بی تھیں، میں تھا، ملزم تھا......'' وہ فرداً فرداً تذکرہ کرتے ہوئے بولا۔ ''اور......!''

''اور کون؟'' وہ اٹکا تو میں نے فوراً پوچھا۔

''اور فیصل صاحب تھے۔'' وہ اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''کون فیصل صاحب۔''

میں ایک مرتبہ پھر انجان بن گیا حالانکہ اکبر مجھے بتا چکا تھا کہ فیصل نازش کا کزن تھا اور وقوعہ کے روز جب اکبر وہاں سے رخصت ہوا تھا تو اس نے نازش اور فیصل کو ڈرائنگ روم میں بیٹھے باتیں کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ استغاثہ کے گواہ توفیق کی طرف سے جواب آیا۔

''فیصل صاحب نازش بی بی کے کزن ہیں۔''

''جب نازش صاحبہ نے اپنے شوہر کے قتل کے حوالے سے چیخ و پکار شروع کی تو کیا اس وقت فیصل صاحب بھی بنگلے میں موجود تھے؟'' میں نے گواہ سے پوچھا۔

"نہیں جناب! وہ مجھے کہیں نظر نہیں آئے تھے۔"

"وہ اچانک کہاں غائب ہو گئے تھے؟"

"میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"آپ کی نازش بی بی تو ضرور جانتی ہوں گی؟"

"یہ آپ انہی سے پوچھیں......" وہ روکھے انداز میں بولا۔

میں نے جج کی طرف دیکھا اور جرح کے سلسلے کو موقوف کرتے ہوئے بہ آواز بلند کہا۔"مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا جناب عالی!"

مقتول کے گھریلو ملازم توفیق کی گواہی کے بعد استغاثہ کی جانب سے مزید دو گواہ بھگتائے گئے' لیکن مذکورہ گواہوں کے بیانات اور ان پر ہونے والی جرح میں کوئی خاص بات نہیں تھی لہٰذا میں ان کے ذکر کو گول کرتے ہوئے آگے بڑھتا ہوں۔

آئندہ پیشی سے قبل ملزم کے چھوٹے بھائی کاشف نے میرا بتایا ہوا کام مکمل کر دیا۔اب اس کیس کے ہر پہلو سے متعلق اہم معلومات میرے پاس جمع ہو چکی تھیں۔اس اللہ کے بندے کاشف نے کوشش کر کے ایک ایسا شخص بھی ڈھونڈ نکالا تھا جسے بہ وقت ضرورت صفائی کے گواہ کے طور پر عدالت میں پیش کیا جا سکتا تھا۔اس شخص کا نام نوید قریشی تھا اور وہ ایک مقامی اخبار کے لئے رپورٹنگ کا کام کرتا تھا۔کاشف نے نوید قریشی سے میری ملاقات بھی کرادی تھی۔

منظر اسی عدالت کا تھا اور گواہوں والے کٹہرے میں مقتول کی بیوہ اور اس کیس کی مدعی نازش کھڑی تھی۔

نازش کی عمر لگ بھگ پچیس سال رہی ہو گی۔ وہ تیکھے نقوش والی ایک پرکشش اور جاذب نظر عورت تھی۔مگر مقبول شاہ نے خود سے کم از کم آدھی عمر کی عورت سے شادی کی تھی تو یقیناً وہ نازش کے حسن و جمال پر مرمٹا ہو گا۔نازش کو قدرت نے جوانی کی ایسی دولت سے نواز رکھا تھا کہ کوئی بھی مرد اس پر فریفتہ ہو سکتا تھا۔

نازش نے حلفیہ بیان ریکارڈ کرا دیا تو وکیل استغاثہ سوال و جواب کے لئے اس کے قریب پہنچ گیا لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد وکیل استغاثہ نے ہلکی پھلکی جرح سے گزر کرا سے فارغ کر دیا۔

اس کے بعد جرح کی میری باری تھی اور میں استغاثہ کی سب سے اہم گواہ یعنی مقتول کی بیوہ نازش کو اچھی طرح گھسنے کا ارادہ رکھتا تھا۔اپنے بیان میں اس نے ملزم کے خلاف حد سے زیادہ زہر اگلا تھا۔اس کا منہ توڑ جواب دینا مجھ پر لازم تھا۔نازش کے زہر کا تریاق کر کے مجھے اپنے مؤکل کو بچانا تھا۔میں نے بالکل مختلف انداز میں جرح کا آغاز کرتے ہوئے سوال کیا۔

"نازش صاحبہ! کہا جاتا ہے کہ کسی لیڈی سے اس کی عمر کے بارے میں سوال نہیں کرنا چاہئے کیا میں یہ غلطی کرنے کی جسارت کر سکتا ہوں؟"

اس نے گھور کر مجھے دیکھا اور بولی۔"اگلے ماہ میں پچیس سال کی ہو جاؤں گی......بس یا اور کچھ؟"

"مقتول سے شادی آپ کا ذاتی فیصلہ تھا یا......؟"

"آبجیکشن یور آنر!" وکیل استغاثہ نے بہ آواز بلند کہا"اس وقت عدالت میں مقبول شاہ مرڈر کیس کی سماعت ہو رہی ہے اور میرے فاضل دوست استغاثہ کی معزز گواہ کی نجی زندگی کے بارے میں غیر متعلقہ سوالات کر کے عدالت کا قیمتی وقت برباد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

جج نے سوالیہ نظر سے میری طرف دیکھا اور پوچھا۔

"بیگ صاحب! مقتول کی بیوہ کی شادی والا معاملہ اس کیس سے کوئی تعلق رکھتا ہے؟"

"بہت گہرا تعلق جناب عالی!" میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔"استغاثہ کی گواہ نازش مقتول کی بیوہ ہے لہٰذا اس کی نجی زندگی کے بارے میں کوئی بھی سوال غیر متعلقہ کیسے ہو سکتا ہے......"

جج نے وکیل استغاثہ کے اعتراض کو مسترد کرتے ہوئے مجھے جرح جاری رکھنے کا اشارہ کر دیا۔"بیگ صاحب! پلیز پروسیڈ۔"

"جی نازش صاحبہ!" میں دوبارہ گواہ کی جانب متوجہ ہو گیا۔"میں آپ کے جواب کا منتظر ہوں؟"

اس نے خفگی آمیز نظر سے مجھے دیکھا اور بولی۔"یہ میرا ذاتی فیصلہ تھا۔"

"آپ کے والدین نے اس شادی کی مخالفت نہیں کی تھی؟" میں نے اپنے پاس جمع

اہم معلومات کا مناسب استعمال کرتے ہوئے گواہ سے پوچھا۔ ''ظاہر ہے مقتول عمر میں آپ
سے دگنا تھا اور اس کی پرسنیلٹی بھی کوئی خاص نہیں تھی۔ ایسے موقع پر والدین اپنی اولاد کو اس
قسم کے فیصلوں پر سمجھانے یا انہیں روکنے کی کوشش ضرور کرتے ہیں......!''

اس نے ناپسندیدہ انداز میں مجھے دیکھا' لیکن چونکہ جواب دینا اس پر لازم تھا اس لئے
بادل ناخواستہ بولی۔

''میں والدین کے سائے سے محروم ہوں اسی لئے اپنے فیصلے خود کرتی ہوں۔ آپ کو
کوئی اعتراض؟''

میں نے اس کے سوال کا جواب نہیں دیا اور پوچھا۔

''خاندان کے کسی اور بزرگ نے اس کام سے روکنے کی کوشش کی ہو مثلاً ماموں' خالہ'
چچا' پھوپھی وغیرہ؟''

''ان میں سے بھی کوئی دنیا میں موجود نہیں۔'' وہ بڑے اعتماد سے بولی۔ ''اور میں اپنے
معاملات میں کسی ایرے غیرے سے مشورہ کرنا پسند نہیں کرتی۔''

''گویا آپ خودمختار ہیں؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ ترکی بہ ترکی بولی۔ ''جی ہاں!''

''نازش صاحبہ!'' میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''اب تک اس
کیس کی جتنی بھی سماعت ہو چکی ہے اس کے مطابق آپ ملزم کو سخت ناپسند کرتی تھیں اور گھر
میں اس کی آمد پر چڑ جاتی تھیں۔ آپ کے اس ردعمل کا سبب کیا تھا؟''

''سبب یہ خود ہی تھا۔'' وہ نفرت آمیز انداز میں ملزم کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ''اسی سے
پوچھیں......!''

''ملزم اپنا بیان ریکارڈ کرا چکا ہے اور مجھے بھی تمام تر حقائق سے آگاہ کر چکا ہے۔''
میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''یہ کہیں بھاگا نہیں جا رہا۔ اگر میں محسوس کروں گا تو
اس سے دوبارہ بھی پوچھ گچھ کر لوں گا۔ فی الحال......'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری
سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''فی الحال' میں آپ سے جو پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دیں؟''

چند لمحات تک متذبذب رہنے کے بعد وہ زہریلے لہجے میں بولی۔ ''ملزم انتہائی بدنیت

اور اوباش قسم کا شخص ہے۔ مجھے اس بات پر سخت افسوس ہوتا تھا کہ میرا شوہر اسے اپنا دوست
کہتا تھا اور اس کے خلاف کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھا۔ یہ جب بھی مقبول سے ملنے آتا تھا'
اس کے جانے کے بعد ہمارے درمیان خاصا سنگین جھگڑا ہوا کرتا تھا۔''

''نفرت' ناپسندیدگی اور جھگڑے فساد کی تمام باتیں عدالت کے ریکارڈ پر محفوظ ہو چکی
ہیں۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''معزز عدالت یہ جاننا چاہتی ہے کہ جو شخص آپ
کو جانتا تک نہیں تھا۔ وہ مقتول کو آپ کے خلاف کیوں بھڑکایا کرتا تھا۔ آخر اس فتنہ گری میں
اس کا کون سا مفاد چھپا ہوا تھا؟''

''آپ نے دو سوال کئے ہیں وکیل صاحب!'' وہ گھمبیر انداز میں بولی۔ ''میں آپ
کے دونوں سوالات کا جواب دوں گی لیکن پہلے دوسرے کا اور بعد میں پہلے کا......!''

''ٹھیک ہے' مجھے منظور ہے۔'' میں نے بڑی رسان سے کہا۔

''اس تمام تر سازش اور فتنہ گری میں اس کا ایک نہایت ہی اہم مفاد چھپا ہوا تھا۔'' وہ
بڑے اعتماد سے بتانے لگی۔ ''مقبول شاہ ایکسیڈنٹ کے بعد بستر کا ہو کر رہ گیا تھا لہٰذا اس کے
بزنس کو دیکھنے کے لئے مجھے میدان میں اترنا پڑا۔ یہ کوئی آسان آزمائش نہیں تھی لیکن میں نے
نہایت ہی کم عرصے میں ثابت کر دکھایا کہ میں بیک وقت کئی محاذوں پر لڑ سکتی ہوں۔ دن بھر
میں بزنس کی نگرانی کرتی تھی پھر گھر آ کر اپنے شوہر کا خیال بھی رکھتی تھی اور دیگر گھریلو ذمے
داریوں کو بھی نبھاتی تھی۔ میرا شوہر نہ صرف یہ کہ مجھ پر بے پناہ بھروسا کرتا تھا بلکہ وہ میرا
احسان مند بھی تھا' لیکن اس عیار شخص نے ہماری خوشیوں کو آگ لگانے کی کوشش کی اور مقبول
شاہ کو شیشے میں اتار کر اس بات کے لئے راضی کر لیا کہ وہ اسے اپنا بزنس منیجر بنا لے۔ یہ
واپس عراق نہیں جانا چاہتا تھا بلکہ منیجر بننے کی آڑ میں یہ مقبول شاہ کے بزنس کو ہائی جیک کرنا
چاہتا تھا۔ یہ تھا اس کا عظیم مالی مفاد......'' وہ یہاں تک پہنچنے کے بعد رکی' دو چار گہری سانسیں
لیں پھر اپنی جذباتی تقریر کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔

''اپنے مقصد کے حصول کے لئے اس نے بڑا اوچھا طریقہ اختیار کیا تھا۔ اس نے
نہایت ہی گھٹیا اور بے ہودہ انداز میں مقبول شاہ کو میرے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا تھا۔ وہ
کس بنا پر میرے شوہر کے کان بھر رہا تھا اس کی تفصیل میں آپ کے پہلے سوال کا جواب
چھپا ہوا ہے جو میں اب آپ کو بتا رہی ہوں......'' وہ ایک بار پھر متوقف ہوئی۔

حاضرین عدالت پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی پھر اپنا بیان مکمل کرتے ہوئے بولی۔

''ہماری پہلی ملاقات میرے لئے انتہائی کوفت کا باعث بنی تھی کیونکہ اس بدکردار شخص نے مجھے گھیرنے کی کوشش کی تھی۔ جب میں نے شدید ردعمل کا مظاہرہ کیا تو یہ قدرے محتاط تو ہوگیا تاہم مجھے بھوکی نظر سے دیکھتا رہتا تھا۔ میں اس سے دور رہنے لگی تھی پھر ایک روز موقع پر اس کمینے نے مجھ سے دست درازی کرنے کی کوشش کی۔ میں نے بڑی مشکل سے' اس بھیڑیئے سے اپنی عزت بچائی۔ اس روز میرے ضبط کے سارے بند ٹوٹ گئے اور میں نے اپنے ساتھ ہونے والی بدتمیزی کے بارے میں مقبول شاہ کو بتا دیا......''

یہاں تک پہنچنے کے بعد وہ رکی تو میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''پھر مقتول نے آپ کی شکایت کے جواب میں کیا کہا تھا؟''

''یہ پہلا موقع تھا جب میں نے مقبول کو اس کے دوست کے کالے کرتوتوں کے بارے میں بتایا تھا۔'' وہ دکھی لہجے میں بولی۔ ''میں توقع کر رہی تھی کہ مقبول میری شکایت سنتے ہی آگ بگولا ہو جائے گا اور اپنے دوست کو نہ صرف یہ کہ کھری کھری سنائے گا بلکہ اس سے قطع تعلق کر کے آئندہ گھر میں اس کے داخلے پر پابندی عائد کر دے گا لیکن افسوس کہ ہوا اس کے برعکس ......'' ذرا دیر کو رک کر اس نے مایوسی سے گردن ہلائی اور اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔

''مقبول میری بات سننے کے بعد مجھی پر برس پڑا۔ تب پہلی بار مجھے پتا چلا کہ یہ شیطان میری ذات کے حوالے سے کس کس انداز میں مقبول کے کان بھرتا رہا تھا۔'' اس نے باقاعدہ کٹہرے میں کھڑے میرے مؤکل کی جانب انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔

''اس نے مقبول کو میرے خلاف بری طرح ورغلا دیا تھا۔ اس نے مجھ پر الزام لگایا کہ میرے فیصل کے ساتھ ناجائز تعلقات ہیں...... اور یہ کہ...... میں مقبول سے بے وفائی کر رہی ہوں......!''

نازش نے حقائق کی تصویر کو توڑ مروڑ کر بلکہ بگاڑ کر پیش کرنے کی کوشش کی تھی' لیکن میں مطمئن تھا کہ شروعات اس کی طرف سے ہوئی تھی۔ جواب دینا اب میرے لئے نہایت ہی آسان ہوگیا تھا۔ اس کے خاموش ہونے پر میں نے نہایت ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔

''نازش صاحبہ! ابھی آپ نے معزز عدالت کے سامنے اپنا جو دکھڑا رویا ہے اگر اسے سوفیصد درست بھی مان لیا جائے تو ایسے بہت سے سوالات سر اٹھائیں گے جن کے جواب صرف تین افراد دے سکتے ہیں......''

''کون سے تین افراد؟'' اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

''نمبر ایک مقتول مقبول شاہ' نمبر دو ملزم اکبر' نمبر تین مقتول کی بیوہ نازش۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''مقتول جس دنیا میں منتقل ہو چکا ہے وہاں سے اس کا جواب دینا ممکن نہیں۔ ملزم اکبر جو کچھ بھی کہے گا' اس کی بات کا کوئی یقین نہیں کرے گا۔ باقی بچیں آپ ......'' میں نے لمحاتی توقف کر کے حاضرین عدالت پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی پھر ڈرامائی انداز میں کہا۔

''میرے ذہن میں جو بھی سوال سر اٹھائے گا' اس کا جواب اب صرف آپ ہی کو دینا ہوگا۔ کیا آپ ریڈی ہیں؟''

اس نے پریشان نظر سے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھا پھر دوبارہ میری جانب متوجہ ہوتے ہوئے متذبذب لہجے میں بولی۔

''جی' ریڈی ہوں۔ پوچھیں' کیا پوچھنا ہے؟''

میں نے پوچھا۔ ''آپ نے اپنی حمایت میں جو کچھ بھی فرمایا اگر وہ سوفیصد درست ہے تو پھر آپ ہی بتائیں' ملزم نے مقتول کو کیوں قتل کیا...... مقبول شاہ تو اس کی باتوں پر یقین کر کے آپ کے خلاف ہو گیا تھا یعنی ملزم اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا پھر ایسا کیوں ہوا......؟''

''یہ صورت حال وقوعہ سے ایک روز پہلے کی ہے۔''

وہ بڑی چالاکی سے بولی۔ ''جس روز مقبول شاہ کو موت کے گھاٹ اتارا گیا' اس کا دماغ میں نے صاف کر دیا تھا......''

''دماغ صاف کر دیا تھا۔'' میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ''کیا مطلب ہے آپ کا......؟''

''وقوعہ سے صرف ایک دن پہلے میں نے فیصل کو اپنے گھر بلایا اور مقبول شاہ کی موجودگی میں اس حساس موضوع پر ہماری خاصی سنجیدہ گفتگو ہوئی تھی۔'' وہ بڑے اعتماد کے

ساتھ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ”فیصل نے بڑے جامع اور متاثر کن انداز میں مقبول شاہ کو یقین دلا دیا تھا کہ میرے اور فیصل کے بیچ ایسا کوئی معاملہ نہیں جس کا ذکر ملزم نے اس سے کیا تھا لہٰذا وقوعہ کی رات جب ملزم‘ مقبول شاہ سے ملنے آیا تو اس نے تبدیل شدہ سوچ کے ساتھ ملزم سے بات کی۔ میں سمجھتی ہوں‘ جب ملزم نے اپنی منصوبہ بندی کو فیل ہوتے دیکھا تو جھنجھلا کر مقبول کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور خاموشی کے ساتھ وہاں سے رخصت ہو گیا۔“

”وقوعہ کی رات......“ میں نے اپنی جرح میں تیزی لاتے ہوئے کہا۔ ”جب ملزم آپ کے بنگلے سے رخصت ہوا تو آپ اس وقت کہاں تھیں؟“

”میں اس وقت کچن میں تھی......“ اس نے جواب دیا۔

وہ سراسر جھوٹ بول رہی تھی۔ اکبر نے مجھے بتایا تھا کہ جب وہ مقتول سے ملاقات کے بعد واپس جا رہا تھا تو اس نے نازش اور فیصل کو ڈرائنگ روم میں بیٹھے‘ باتیں کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

”نازش صاحبہ!“ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ ”وقوعہ کی رات جب آپ اپنے شوہر کے کمرے میں پہنچیں تو آپ نے وہاں کیا دکھا تھا؟“

”مقبول شاہ اپنے خون میں لت پت بستر پر مردہ پڑا تھا۔“ وہ بولی۔ ”میں چیختے ہوئے باہر کو لپکی۔ توفیق پر میری نظر پڑی تو میں نے اسے اس واردات کے بارے میں بتایا۔ اس نے بھی بیڈ روم میں جا کر مقبول شاہ کی لاش دیکھی۔ پھر میں نے فوراً پولیس کو فون کر دیا......“

”اور جب تھانے میں آپ کا فون اٹینڈ کیا گیا تو آپ نے چھوٹتے ہی کہا تھا......“ میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ”آپ جلدی سے آ جائیں...... اکبر نے میرے شوہر کو قتل کر دیا ہے......“ میں نے لمحاتی توقف کر کے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ”یہی الفاظ تھے نا آپ کے؟“

”جی‘ میں نے یہی کہا تھا۔“ وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔

”نازش صاحبہ!“ میں نے طنزیہ لہجے میں استفسار کیا۔ ”اپنے شوہر کو خون میں لت پت دیکھ کر کس چیز سے آپ کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ قتل ملزم اکبر ہی نے کیا تھا؟“

”ظاہر ہے‘ اس کے سوا یہ کسی اور کا کام ہو ہی نہیں سکتا تھا۔“ وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولی۔ ”میں یا گھریلو ملازم توفیق تو مقبول شاہ کو قتل کرنے سے رہے......!“

”آپ دونوں کے علاوہ بھی تو ایک شخص اس وقت بنگلے میں موجود تھا......“ میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ ”اور ...... میں ملزم اکبر کی بات نہیں کر رہا......؟“

”پھر آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟“ وہ بری طرح الجھ کر مجھے دیکھنے لگی۔

”فیصل!“ میں نے ڈرامائی انداز میں کہا۔ ”میں آپ کے کزن کی بات کر رہا ہوں نازش صاحبہ......؟“

”وہ ......اس دن ہمارے گھر آیا ضرور تھا......“ وہ بات کو سنبھالتے ہوئے بولی۔ ”لیکن پھر واپس چلا گیا تھا۔“

”کب آیا تھا وہ اور کب واپس گیا تھا؟“ میں نے تیز آواز میں استفسار کیا۔

وہ چند لمحے سوچنے کے بعد بولی۔ ”جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے‘ وہ کوئی آٹھ بجے بنگلے پر پہنچا تھا اور ساڑھے آٹھ بجے واپس چلا گیا تھا۔ جب اس کو پتا چلا کہ ملزم اندر مقبول شاہ کے بیڈ روم میں موجود ہے تو اس نے زیادہ دیر رکنا مناسب نہ سمجھا اور دوبارہ آنے کا کہہ کر وہ واپس چلا گیا تھا۔“

یہ بھی وہ صریحاً جھوٹ بول رہی تھی کیونکہ اکبر کی واپسی رات ساڑھے نو بجے ہوئی تھی اور جب وہ مقتول کے بنگلے سے رخصت ہوا تو نازش اپنے کزن فیصل کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ اس نے دانستہ وقوعہ کے وقت فیصل کی جائے وقوعہ سے غیر حاضری کو ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی اور نازش کی اسی بات نے مجھے خطرناک حد تک ہوشیار کر دیا تھا۔ فیصل کے حوالے سے میرے پاس جو معلومات تھیں وہ تسلی بخش نہیں تھیں یعنی اس کی ذات میری نظر میں قابل بھروسا نہیں تھی اور نازش کے حالیہ رویئے نے مجھے اور بھی چوکنا کر دیا تھا۔ میں نے کریدنے والے انداز میں پوچھا۔

”نازش صاحبہ! تھوڑی دیر پہلے آپ نے میرے ایک سوال کے جواب میں بتایا تھا کہ آپ خودمختار ہیں۔ آپ کے سر پر والدین کا سایہ موجود نہیں۔ خاندان کا دیگر کوئی بزرگ مثلاً چچا‘ تایا‘ ماموں‘ خالو‘ خالہ‘ پھوپھی وغیرہ بھی باقی نہیں ہیں۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں اور...... میرے توسط سے معزز عدالت بھی یہ جاننے کی مشتاق ہے کہ فیصل آپ کا کس قسم کا کزن تھا؟“

"کیا قانون کی کتابوں میں کزنز کی بھی مختلف اقسام ہوتی ہیں؟" وہ منہ بگاڑ کر بولی۔ اس کے سوال میں حقارت آمیز طنز جھلکتا تھا۔

"جی ہاں......" میں نے بڑی شدومد سے اثبات میں گردن ہلائی۔ "قانون کی کتابوں میں تو نہیں البتہ ہماری معاشرتی روایات میں کزنز کی تین اقسام پائی جاتی ہیں......"

"مثلاً......؟" وہ خشمگیں انداز میں مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔

"مثلاً......!" میں نے مزے لے لے کر بتایا۔

"فرسٹ کزن' سیکنڈ کزن اور تھرڈ کزن......"

"فرسٹ اور سیکنڈ کزن کے بارے میں تو سنا ہے۔"

وہ متاملانہ انداز میں بولی۔ "یہ تھرڈ کزن کیا بلا ہے۔"

"آپ نے درست فرمایا نازش صاحبہ!" میں نے گہرا طنز کیا۔ "یہ تھرڈ کزن واقعی کسی بلا سے کم نہیں ہوتا۔ یہ چور رشتوں کو بڑی آسانی سے چھپانے کے کام آتا ہے اور......کسی کو بتانا بھی ضروری نہیں ہوتا کہ وہ فرسٹ کزن ہے یا سیکنڈ کزن ...... بس "کزن" کہہ دینا ہی کافی ہوتا ہے......جیسا کہ آپ نے فیصل کے بارے میں کہا ہے......؟"

وہ تلملا کر رہ گئی اور امداد طلب نظر سے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھا۔ وہ بے چارہ خاصی دیر سے خاموش تماشائی بنا کھڑا تھا فوراً خدائی فوجدار بن کر لپکا۔

"آبجیکشن یور آنر......" وہ جج کی جانب دیکھتے ہوئے چیخ سے مشابہ آواز میں بولا۔

"میرے فاضل دوست استغاثہ کی معزز گواہ کی توہین کر رہے ہیں۔"

"مثلاً...... میں نے نازش صاحبہ کی کیا توہین کی ہے؟"

میں نے سوالیہ نظر سے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھا۔

"آپ نے پہلے تھرڈ کزن کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہ چور رشتوں کو چھپانے کے کام آتا ہے۔" وہ جارحانہ انداز میں وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "اور بعد میں گواہ کے کزن فیصل کو اسی نوعیت کا کزن قرار دے کر آپ نے معزز گواہ پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی ہے۔"

جج نے ہمیں باہم بحث و تکرار دیکھا تو مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "بیگ صاحب! آپ "تھرڈ کزن" کے ٹاپک کو ایک طرف رکھ کر اپنی جرح کو جاری رکھیں۔"

جج کی اس ہدایت پر وکیل استغاثہ نے فاتحانہ نظر سے مجھے دیکھا جیسے کوئی بہت بڑا میدان مار لیا ہو۔ میں اسے نظر انداز کر کے نازش کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"نازش صاحبہ! آپ کے کزن فیصل صاحب کرتے کیا ہیں؟"

"وہ گاڑیوں کی خرید و فروخت کا کام کرتا ہے۔"

"یعنی کار شوروم......؟"

"یہی سمجھ لیں۔" وہ روکھے لہجے میں بولی۔

"فیصل صاحب کی رہائش کہاں پر ہے؟" میں نے پوچھا۔

"سوسائٹی میں۔" اس نے جواب دیا۔

"کراچی میں ایک درجن سے زیادہ سوسائٹیز ہیں۔"

میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "آپ سوسائٹی کا نام بھی بتا دیں تو بہتر ہوگا۔"

"سوسائٹی آفس......!"

میں نے ازراہ مذاق کہہ دیا۔ "اوہ ......تو آپ کے کزن فیصل کے پاس کوئی باقاعدہ رہائش نہیں ہے بلکہ وہ کسی سوسائٹی کے آفس میں رہتے ہیں......!"

"میں نے سوسائٹی آفس کہا ہے' سوسائٹی کا آفس نہیں۔" وہ سلگتے ہوئے لہجے میں بولی۔ "آپ کس قسم کے وکیل ہیں کہ آپ کو یہ بھی پتا نہیں' "سوسائٹی آفس" کراچی کا ایک رہائشی علاقہ ہے۔"

"اس معلومات افزائی کے لئے میں تہ دل سے آپ کا شکر گزار ہوں۔" میں نے گردن کی خفیف جنبش کے ساتھ کہا۔

"اب یہ بھی بتا دیں کہ کیا فیصل شادی شدہ ہے؟"

"جی ہاں!" وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئی بولی۔

میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"نازش صاحبہ! آپ کا کزن فیصل شادی شدہ ہے' اس کی رہائش سوسائٹی آفس کے علاقے میں ہے' وہ کاروں کا شوروم چلاتا ہے......کیا میں درست کہہ رہا ہوں؟"

"جی......جی ہاں......!" اس نے جواب دیا۔

میں نے روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے کہا۔

''جناب عالی! مجھے مقتول کی بیوہ سے اور کوئی سوال نہیں کرنا۔ اس کی گواہی مکمل ہو چکی۔ اس کے عدالتی بیان کو فیصل کے بیان سے چیک کیا جائے گا۔ معزز عدالت سے میری درخواست ہے کہ آئندہ پیشی پر فیصل کی عدالت میں موجودگی کو یقینی بنایا جائے۔ دیٹس آل یور آنر......!''

جج نے وکیل استغاثہ سے پوچھا۔ ''کیا مسٹر فیصل کا نام استغاثہ کے گواہوں کی فہرست میں شامل ہے؟''

''یس سر!'' اس نے اثبات میں جواب دیا۔ ''مسٹر فیصل استغاثہ کے آخری گواہ ہیں۔''

جج نے وکیل استغاثہ کو ہدایت کی کہ آئندہ پیشی پر فیصل کو عدالت میں ضرور پیش کیا جائے پھر اس روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کرنے کا اعلان کر دیا۔

''دی کورٹ از ایڈ جارنڈ......!''

فیصل کی عمر پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہوگی۔ وہ دراز قامت اور مضبوط بدن کا مالک تھا۔ اس نے سچ بولنے کا حلف اٹھانے کے بعد اپنا بیان ریکارڈ کرایا۔ نازش نے فیصل کے حوالے سے جتنی معلومات فراہم کی تھیں' یہ بیان اس کی مکمل عکاسی کرتا تھا۔ وکیل استغاثہ نے رسمی سی جرح کے بعد اسے فارغ کر دیا تو میں اپنی باری پر جج سے اجازت حاصل کر کے وٹنس باکس کے قریب پہنچ گیا اور ابتدا ہی آڑے ہاتھوں سے کی۔

''مسٹر فیصل! کیا مقتول کی بیوہ میڈم نازش واقعی آپ کی کزن ہیں؟''

''ج......جی......'' وہ بوکھلا گیا۔ ''آپ کو کوئی شک ہے؟''

''شک وک کا فیصلہ عدالت پر چھوڑ دیں۔'' میں نے خاصے جارحانہ انداز میں کہا۔ ''یہ بتائیں' آپ دونوں کزنز میں سے زیادہ بڑا جھوٹا کون ہے؟''

''کک......کیا مطلب ہے......آپ کا......؟'' وہ میرے وار کو برداشت نہیں کر پایا تھا۔

''سوال نہیں کریں' صرف جواب دیں!'' میں نے اسے ڈانٹ پلائی۔

وکیل استغاثہ نے احتجاجی انداز میں کہا۔ ''مجھے سخت اعتراض ہے جناب عالی۔ میرے فاضل دوست کس قسم کی جرح کر رہے ہیں؟''

''بیگ صاحب!'' جج مجھ سے مستفسر ہوا۔ کیا آپ کے اس سوال کا زیر سماعت کیس

سے کوئی تعلق ہے؟''

''بہت گہرا تعلق ہے۔ جناب عالی!'' میں نے مستحکم لہجے میں کہا۔ ''آج میں معزز عدالت کے سامنے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دوں گا۔''

''ٹھیک ہے' آپ جرح جاری رکھیں۔'' جج نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''جی فیصل صاحب!'' میں گواہ کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''آپ دونوں میں سے بڑا جھوٹا کون ہے؟''

وہ ''نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن'' ایسی کیفیت میں نظر آیا پھر تھوک نگلتے ہوئے بولا۔

''میں تو جھوٹا نہیں ہوں جناب......!''

''پھر آپ کو میری بات سے اتفاق کرنا پڑے گا؟''

''کون سی بات؟'' وہ حیرت سے مجھے تکنے لگا۔

''یہ کہ......'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''آپ کی ابھی شادی نہیں ہوئی' آپ ایک اعلیٰ درجے کے موٹر میکینک ہیں اور پی آئی بی کالونی کے ایک کوارٹر میں رہتے ہیں......؟''

وہ گڑبڑا کر رہ گیا۔ ''یہ......یہ آپ......کیا کہہ رہے ہیں......؟''

''میں نے کہا ہے نا' سوال نہیں کریں صرف جواب دیں۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''میں نے ابھی آپ کے جن اوصاف اور حقائق کا ذکر کیا ہے انہیں ثابت کرنے کے لئے ایک درجن گواہ بھی پیش کر سکتا ہوں۔ آپ کی بھلائی اسی میں ہے کہ صرف سچ کہیں اور سچ کے سوا کچھ نہ کہیں......!''

''جب آپ کو سب کچھ پتا ہے تو پھر مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں!'' وہ جزبز ہوتے ہوئے بولا۔

''اس لئے پوچھ رہا ہوں تاکہ آپ کی نام نہاد کزن کی دروغ گوئی کو ثابت کیا جا سکے۔'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''وہ معزز عدالت کے روبرو پچھلی پیشی پر بتا چکی ہے کہ آپ کا کاروں کا شوروم ہے' آپ سوسائٹی آفس کے علاقے میں رہتے ہیں اور آپ شادی شدہ ہیں......؟''

''یہ میری مستقبل کی خواہشات ہیں جو نازش نے بیان کی ہیں۔'' وہ بات کو سنبھالتے ہوئے بولا۔ ''ایک دوست کو ایسا خیر خواہ تو ہونا ہی چاہئے۔''

"بہت خوب......!" میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ "تو گویا نازش آپ کی کزن نہیں بلکہ محض دوست ہے؟"

"کیا کزن سے دوستی نہیں ہوسکتی؟" اس نے کمزور سی آواز میں پوچھا۔

"ضرور ہوسکتی ہے۔" میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ "دوستی بھی ہوسکتی ہے اور شادی بھی۔ کیا آپ نازش سے شادی کی منصوبہ بندی کر رہے تھے کیونکہ جن خواہشات کا تھوڑی دیر پہلے آپ نے ذکر کیا ہے وہ نازش سے شادی کے بعد ہی پوری ہوسکتی تھیں؟"

"پتا نہیں، آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں......!" وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔

میں نے اپنی جرح میں تندی بھرتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ زاہد حسین کو جانتے ہیں؟"

"کون زاہد حسین؟" وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

"آپ کا دوست زاہد حسین!" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "جو پٹیل پاڑا میں رہتا ہے اور رکشہ چلاتا ہے۔"

"اچھا وہ۔" اس نے ایک گہری سانس لی۔ "ہاں، وہ زاہد حسین میرا بہت اچھا دوست ہے۔"

"زاہد حسین پچھلے دو اڑھائی یا تین ماہ سے رکشا چلا رہا ہے۔" میں نے بہ دستور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس سے پہلے وہ ایک ٹرک ڈرائیور تھا؟"

"جی......" اس نے تھوک نگل کر حلق تر کیا۔ "آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

"زاہد حسین جو ٹرک چلاتا تھا اس کا نمبر "ٹو تھری ون نائن" تھا" میں نے کہا۔ "میں غلط تو نہیں کہہ رہا فیصل صاحب؟"

"نن......نہیں......" وہ گھبراہٹ آمیز انداز میں بولا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

میں نے جج کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ "جناب عالی! معزز عدالت کے ریکارڈ پر یہ بات موجود ہے کہ مقتول مقبول شاہ کی موت سے دو اڑھائی ماہ پہلے اسے ایک خطرناک حادثہ پیش آیا تھا۔ ایک بدمست ٹرک نے اس کی گاڑی کو روندنے اور کچلنے کی کوشش کی تھی۔ مقتول اس حادثے میں جان تو نہیں ہارا تھا البتہ اس کے جسم کا زیریں حصہ مفلوج ہو کر رہ گیا تھا۔

میں اس بات کو ثابت کرسکتا ہوں کہ......" میں نے ڈرامائی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"جس ٹرک نے مقتول کی گاڑی کو کچلنے کی کوشش کی تھی اس کا نمبر "ٹو تھری ون نائن" تھا اور جس وقت یہ حادثہ پیش آیا اس وقت ٹرک کو فیصل کا دوست زاہد حسین ڈرائیو کر رہا تھا......!"

"آپ اس بات کو کس طرح ثابت کریں گے؟" جج نے مجھ سے پوچھا۔

"میں ایک ایسے گواہ کو عدالت میں پیش کرسکتا ہوں جو ایک مقامی اخبار میں کرائم رپورٹر کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔ میں نے ابھی جس حادثے کا ذکر کیا ہے اس کی کوریج اس صحافی نے بھی اپنے اخبار کے لئے کی تھی۔ اس ٹرک کا نمبر خبروں میں آتا رہا ہے مگر مذکورہ ٹرک منظر سے غائب ہوگیا تھا......" میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"استغاثہ کے انتہائی معتبر گواہ مسٹر فیصل کا اس ٹرک ڈرائیور کے ساتھ خاصا گہرا یارانہ ہے جو اب ایک رکشا چلا رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں، اگر زاہد حسین کو شامل تفتیش کر کے اس کا ٹرائل کیا جائے تو وہ بڑی شرافت سے بتا دے گا کہ اس نے کس کے ایماء پر مقتول مقبول شاہ کی گاڑی کو کچل کر اسے موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کی تھی......"

ادھر میری بات ختم ہوئی ادھر فیصل نے وٹنس باکس سے نکل کر عدالت کے دروازے کی سمت دوڑ لگا دی لیکن دروازے پر متعین مستعد مسلح افراد نے اسے پلک جھپکتے ہی قابو کر لیا۔

فیصل کے فرار نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیا تھا۔ اس کی حرکت سے یہ ثابت ہوگیا تھا کہ اسی کے ایماء پر ٹرک ڈرائیور زاہد حسین نے مقبول شاہ کو موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کی تھی۔

صورت حال واضح ہو جانے کے بعد عدالت نے آئندہ پیشی پر میرے مؤکل کو باعزت بری کر دیا اور نازش، فیصل، زاہد حسین کو شامل تفتیش کر کے اس کیس کا نیا چالان پیش کرنے کے لئے پولیس کو خصوصی ہدایت کر دی۔

اصل مجرم پولیس کے ہتھے چڑھے تو ان کی زبان کھلوانے کیلئے کسی وقت کا سامنا نہیں

ہوا۔فیصل اور نازش نے اپنے جرائم کا اقبال کر لیا۔

فیصل اور نازش کی بہت پرانی دوستی تھی۔مقبول شاہ اور نازش کی شادی کے لئے انہوں نے باقاعدہ پلاننگ کی تھی۔ پہلے فیصل نے زاہد حسین کی مدد سے مقبول شاہ کو موت کی نیند سلانے کی کوشش کی۔ جب اس مقصد میں کامیابی نہ ہوئی تو اس نے اکبر کی آڑ لے کر اکبر ہی کے پستول سے مقبول شاہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور ملی بھگت سے اکبر ہی کو مقبول شاہ کا قاتل ٹھہرانے کا ڈرامہ رچایا لیکن وہ کہتے ہیں نا' جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے!

اس قادر مطلق نے میری وکالت کے بہانے اکبر کو اس مصیبت سے بال بال بچا لیا تھا۔

جو سوال آپ کے ذہن میں گردش کر رہا ہے وہ میں نے فیصل سے بھی پوچھا تھا اور اس نے جواب دیا تھا کہ اپنی ''مکینکی'' کو کام میں لاتے ہوئے' دستانے پہن کر اس نے اکبر کی گاڑی کے ڈیش بورڈ میں سے اس کا پستول اسی وقت نکال لیا تھا' جب وہ مقتول سے ملنے وہاں پہنچا تھا' پھر اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ اپنی گاڑی میں جا کر بیٹھتا' فیصل نے اس پستول کو واپس ڈیش بورڈ میں رکھ دیا تھا۔ جتنی دیر میں توفیق آ کر گیٹ کھولتا اور اکبر کو باہر نکلنے کا راستہ دیتا' اسی مہلت میں نہایت ہی ''پھرتی'' کے ساتھ فیصل نے مقبول شاہ کو ٹھکانے لگا دیا تھا۔ عقبی دیوار پھاند کر اکبر سے پہلے اس کی گاڑی تک پہنچنا فیصل کے لئے مشکل ثابت نہیں ہوا تھا۔

◇❖◇

وقت کا دھارا

آپ نے اکثر لوگوں کی زبان سے اس قسم کے الفاظ نکلتے سنے ہوں گے' دولت میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔اس کے بل بوتے پر دنیا کی ہر شے خریدی جا سکتی ہے حتیٰ کہ جج' وکیل' گواہ......سب ''برائے فروخت'' ہیں۔سب کا اپنا اپنا ایک مخصوص ریٹ ہے۔اگر آپ میں قوت خرید ہے تو ان لوگوں سے اپنی مرضی کے مطابق کام نکلوا سکتے ہیں۔وکیل اگر مٹھی میں ہو تو سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ ثابت کرنا چنداں مشکل نہیں۔بعض تو تمسخرانہ انداز میں یہ جملہ بھی بول جاتے ہیں۔

''صاحب! غریب آدمی وکیل کرتا ہے اور صاحب ثروت جج......!''

عدالت' انصاف' وکیل اور جج کے حوالے سے اس نوعیت کی آراء سے میں مکمل اختلاف کرتا ہوں۔اس امر سے انکار ممکن نہیں کہ سو میں سے کسی ایک آدھ کیس میں جزوی یا کلی طور پر اس قسم کی صورت حال پیش آ گئی ہو تاہم اس کو فارمولا بنا کر ایک فتویٰ جاری کر دینا کسی بھی طور مناسب نہیں۔ایسی باتیں عموماً وہی لوگ کرتے ہیں جو قانون کی پیچیدگیوں اور انصاف کے تقاضوں سے کماحقہٗ واقف نہیں ہوتے۔کسی بھی معاملے کی تہ میں اتر کر حقائق سے آگاہی حاصل کرنے کے بجائے وہ لغو اور فروعی باتوں کو سچ جان کر نہ صرف یہ کہ خود بدگمان ہو جاتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کا سبب بنتے ہیں۔

اس تمہید کے بعد میں اصل واقعے کی طرف آتا ہوں۔

ایک روز میں عدالتی بکھیڑوں سے نمٹ کر اپنے آفس پہنچا تو انتظار گاہ میں فرد واحد کو بیٹھے دیکھا۔ مجھ پر نگاہ پڑتے ہی وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔اس کی اس فوری حرکت سے شناسائی جھلکتی تھی۔ میں اس کے پاس سے گزرا تو اس نے مجھے سلام کیا۔ میں اس کے سلام کا جواب

دینے کے بعد اپنے مخصوص کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔

میں نے پیشہ ورانہ مسکراہٹ کے ساتھ استقبال کیا اور رسمی علیک سلیک کے بعد پوچھا۔

''جی فرمائیں میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟''

ابتدائی تعارف میں اس نے اپنا نام خالد نیازی بتایا تھا۔ اس کی عمر پینتالیس سے متجاوز تھی۔ وہ عام سی شکل وصورت کا مالک ایک دبلا پتلا شخص تھا۔ جب میں انتظار گاہ میں اس کے قریب سے گزرا تھا تو میں نے اس کے ہاتھ میں ایک فائل دبی دیکھی تھی۔ وہ مذکورہ فائل کو اپنے سامنے میز پر رکھنے کے بعد بولا۔

''بیگ صاحب! میں اپنا ایک کیس آپ کے حوالے کرنا چاہتا ہوں۔''

وہ میرا شناسا نہیں تھا ورنہ کیس کی بات کرنے سے پہلے وہ تعارف کے دوران میں مجھے یہ ضرور باور کرانے کی کوشش کرتا کہ مجھے کیوں کر جانتا ہے۔ اب بھی ہوسکتا تھا کہ جب میں آفس میں داخل ہوا تو آفس بوائے نے اشارے سے اسے میرے بارے میں بتا دیا ہو اور اس نے کسی واقف کار کی طرح اٹھ کر میرا استقبال کیا ہو۔ بہرحال' اس کی بات کے جواب میں' میں نے کہا۔

''نیازی صاحب! میں اس بلڈنگ میں اسی لئے دفتر کھولے بیٹھا ہوں کہ لوگوں کے کیس لوں۔ آپ بتائیں' کیا مسئلہ ہے......؟''

''میرا مسئلہ اس فائل کے اندر موجود ہے بیگ صاحب!'' وہ اپنے سامنے' میز پر رکھی فائل کو تھپتھپاتے ہوئے بولا۔

''لائیں......'' میں نے اس کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''میں دیکھوں' آپ کا مسئلہ کیا ہے......؟''

وہ فائل کو میرے حوالے کرنے کے بجائے عجیب سے لہجے میں بولا۔ ''جناب میں چاہتا ہوں' پہلے فیس کا معاملہ طے کرلیں۔''

مجھے خالد نیازی کا یہ انداز قطعاً پسند نہ آیا تاہم وہ کہتے ہیں نا کہ جب دکان کھول کر بیٹھ جائیں تو پھر کسی بھی طرح کا گاہک آسکتا ہے۔ مجھے بھی ہر ورائٹی کے کلائنٹس سے واسطہ پڑتا رہتا تھا اور میں کسی کے بھی اسٹائل کو مائنڈ نہیں کرتا تھا۔ پسند اور ناپسند کی بات الگ ہے۔

''خالد نیازی صاحب!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا' ''دراصل' فیس کی بات پہلے ہو نہیں سکتی۔''

''جی...... میں کچھ سمجھا نہیں۔'' وہ الجھن زدہ انداز میں مجھے تکنے لگا۔ ''آپ اپنی بات کی وضاحت کریں گے؟''

''بالکل کروں گا۔'' میں نے خالص پیشہ ورانہ انداز میں کہا۔ ''نیازی صاحب' میں کلائنٹ کو اپنی فیس کے بارے میں اس وقت بتاتا ہوں جب میں اس کا کیس لینے کا حتمی فیصلہ کرلوں اور یہ فیصلہ میں تمام تر حالات و واقعات کی پوری جان کاری کے بعد کرتا ہوں۔ ایک اہم بات اور......''

میں نے لمحاتی توقف کرکے ایک گہری سانس لی پھر بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''جب میں کسی کیس کو لینے کا ارادہ ظاہر کردوں تو اپنی فیس ایڈوانس میں وصول کرتا ہوں۔''

''اوہ......!'' اس نے ایک گہری سانس خارج کی اور بولا۔ ''آپ تو دوسرے وکیلوں سے بہت مختلف ہیں۔''

''رزق کے حوالے سے میرا عقیدہ یہ ہے کہ اس کی ذمے داری کسی اور ہی ذات نے اٹھا رکھی ہے۔'' میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''انسانوں میں سے کوئی نہ تو مجھے رزق دے سکتا ہے اور نہ ہی میرا رزق چھین سکتا ہے۔ لہٰذا میں فیس وصول کرنے سے پہلے اس بات کی تسلی ضروری سمجھتا ہوں کہ میں جس کام کے پیسے وصول کر رہا ہوں وہ انسانی' اخلاقی' معاشرتی اور قانونی بنیادوں پر درست بھی ہے یا نہیں۔ میں رزق حلال کے اطمینان کے بعد کیس لیتا ہوں......''

''بیگ صاحب! آپ نے اتنی بڑی بات کہہ دی ہے کہ میرے پاس کہنے کے لئے کچھ بچا ہی نہیں۔'' وہ فائل کو میری جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''آپ اچھی طرح ان کاغذات کا مطالعہ کرلیں جناب پھر بات کرتے ہیں۔''

میں نے اس کے ہاتھ سے فائل لی اور کھول کر اس کے اندر لگے ہوئے کاغذات کا جائزہ لینے لگا۔

فائل کے اندر مختلف قسم کی ادائیگی کے ذیل میں حاصل ہونے والی رسیدیں لگی ہوئی

تھیں۔ایک دو ایسی دستاویزات بھی تھیں جنہیں ایگری منٹ کہا جا سکتا تھا۔کسی ایفی ڈیوٹ کی ایک فوٹو کاپی بھی نظر آ رہی تھی۔ بیشتر رسیدوں سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کسی فلیٹ وغیرہ کی بکنگ کے سلسلے میں ادا کی جانے والی ماہانہ اقساط کے حوالے سے ہیں۔علاوہ ازیں چند بھاری رقوم کی ادائیگیوں کی رسیدیں بھی موجود تھیں۔ یہ تمام تر کاغذات کسی ''ڈائمنڈ پلازا'' نامی اپارٹمنٹس بلڈنگ سے تعلق رکھتے تھے۔

میں نے ان تمام کاغذات کا معائنہ کرنے کے بعد فائل کو بند کیا اور اپنے سامنے بیٹھے خالد نیازی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''ان دستاویزات سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے ڈائمنڈ پلازا نامی کسی اپارٹمنٹس بلڈنگ میں کوئی فلیٹ بک کرایا تھا جس کے سلسلے میں آپ ماہانہ اقساط ادا کرتے رہے ہیں اور دو تین مرتبہ بھاری رقوم بھی جمع کرائی ہیں۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا......؟''

''نہیں جناب' آپ بالکل درست فرما رہے ہیں۔''

''وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

''آپ کا پریشان حال میرے پاس آنا اور اس فائل کی بنیاد پر کوئی کیس میرے حوالے کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بلڈر کے ساتھ آپ کا کوئی تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا ہے۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔''کیا میں درست اندازہ لگا پایا ہوں۔''

''جی ہاں!'' اس نے ایک بار پھر سر کو اثباتی جنبش دی۔''آپ کا اندازہ وہی ہے جو حقیقت ہے۔بیگ صاحب! میں بے حد پریشان ہوں۔آپ اگر میرا مسئلہ حل کرانے کو تیار ہو جائیں تو میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر یاد رکھوں گا۔''

''کاغذات کو میں نے اچھی طرح دیکھ لیا ہے۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔''اب آپ حالات و واقعات کی تفصیل بھی بتا دیں۔''

اس نے چند لحات تک خاموش رہ کر ذہن میں بکھرے خیالات کو مجتمع کیا پھر مجھے اپنی بپتا سنانے میں مصروف ہو گیا۔

خالد نیازی کی زبانی مجھے اس کیس کے حوالے سے جو معلومات حاصل ہوئیں ان میں سے غیر ضروری باتوں کو حذف کر کے میں خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں تا کہ عدالتی کارروائی کے دوران آپ کا ذہن کسی الجھن کا شکار نہ ہو۔ایک بات کی وضاحت کرتا

چلوں کہ ان میں سے بہت ساری باتیں مجھے بعد میں پتا چلی تھیں تاہم واقعات کی ترتیب کے پیش نظر انہیں بھی شامل کر لیا گیا ہے۔اسی طرح بعض باتیں میں نے دانستہ آپ سے چھپا لی ہیں۔ان کا ذکر عدالتی کارروائی کے دوران میں سنسنی خیز مواقع پر کیا جائے گا۔

✧✣✧

خالد نیازی محدود آمدنی والا ایک غریب شخص تھا۔ وہ کسی مقامی ڈائجسٹ میں پروف ریڈنگ کی جاب کرتا تھا۔مذکورہ ڈائجسٹ کا نام ظاہر کرنا مناسب نہیں ہوگا۔بہرحال' پروف ریڈر کی جو تنخواہ ہوتی ہے اس میں وہ کھینچ تان کر گزارہ کر رہا تھا۔ وہ لوگ پٹیل پاڑا کے علاقے میں ایک چھوٹے سے دو کمروں کے گھر میں رہتے تھے۔ان کے دو بچے تھے۔فائزہ کی عمر آٹھ سال تھی جبکہ عمران پانچ سال کا تھا۔ نیازی کی بیوی ریحانہ ایک روایتی قسم کی گھریلو عورت تھی۔

ایک رات جب دونوں بچے سو چکے تھے تو ریحانہ نے نیازی سے کہا۔''تمہاری آدھی کے لگ بھگ تنخواہ تو مکان کے کرائے میں نکل جاتی ہے۔باقی پیسوں سے میں گھر کیسے چلاؤں......؟''

''میں اپنی پوری تنخواہ لا کر تمہارے ہاتھ میں دے دیتا ہوں'' خالد نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔''بس تم سے کرائے بھاڑے کے پیسے لیتا ہوں۔ میں کوشش تو کر رہا ہوں کہ آفس ہی میں مجھے کوئی اضافی کام مل جائے۔ میں نے پیسٹر کی منت خوشامد کر کے کاپی پیسٹنگ کا ہنر سیکھ لیا ہے۔اگر مجھے یہ کام پارٹ ٹائم بھی مل گیا تو آمدنی میں اچھا خاصا اضافہ ہو جائے گا۔''

''وہ تو جب ہوگا نا جب تمہیں پیسٹنگ کا کام ملے گا'' ریحانہ نے عجیب سے لہجے میں کہا۔''میں تو ابھی کی سوچ رہی ہوں۔''

''سوچنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔'' نیازی نے گہری سنجیدگی سے کہا۔''لیکن ایک بات ذہن میں رکھو ریحانہ......ہتھیلی پر کبھی سرسوں نہیں جما کرتی۔''

''لیکن ہتھیلی پر مہندی رچ جاتی ہے۔'' وہ فلسفیانہ لہجے میں بولی۔

خالد نیازی نے الجھن زدہ انداز میں اپنی بیوی کی طرف دیکھا اور پوچھا''کیا مطلب ہے تمہارا ریحانہ؟''

وہ اس کے سوال پر توجہ دیئے بغیر بولی۔ ''میرے ذہن میں ایک آئیڈیا ہے نیازی!''

''اس آئیڈیا کو اپنے ذہن سے باہر نکالو۔'' نیازی نے گہری دلچسپی سے کہا۔ ''میں بھی تو دیکھوں وہ آخر ہے کیا؟''

''کسی طرح اگر ہمارا چھوٹا سا اپنا گھر ہو جائے تو بہت سارے مسئلے خود بہ خود حل ہو جائیں گے۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''کرائے کی مد میں جانے والی رقم بچے گی تو پھر تمہاری اسی تنخواہ میں بھی بہت اچھا گزارہ ہونے لگے گا۔''

''مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اپنا گھر ہوگا کیسے!''

نیازی نے سوال اٹھایا۔ ''تم نے آئیڈیا تو آسانی سے سوچ لیا۔ اب میرے سوال کا جواب بھی دے دو؟''

ریحانہ نے ایک مرتبہ پھر اس کی بات پر توجہ نہ دیتے ہوئے کہا۔ ''لگتا ہے' میں تو اپنے گھر کے خواب دیکھتے دیکھتے ہی قبر میں اتر جاؤں گی۔''

''مایوسی گناہ ہے ریحانہ۔'' نیازی نے سرزنش کرنے والے انداز میں کہا۔

''جب ساری زندگی کرائے کے گھر میں گزرتی دکھائی دے رہی ہو تو کیا گناہ اور کیا ثواب۔'' وہ بیزاری سے بولی۔ ''لگتا ہے' تمہیں میرا ذرا سا بھی خیال نہیں۔''

''تم ہر بات کے لئے مجھے ہی قصوروار ٹھہراتی رہتی ہو۔'' نیازی نے جھنجلاہٹ آمیز انداز میں کہا۔ ''بتاؤ' میں اس تنخواہ میں تمہارے لئے ذاتی گھر کیسے خرید سکتا ہوں؟''

''میں خریدنے کو کب کہہ رہی ہوں۔'' وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

نیازی نے الجھن زدہ انداز میں بیوی کو دیکھا۔ ''پھر......؟''

''آج کل گھر حاصل کرنا بہت آسان ہو گیا ہے نیازی۔'' وہ مدبرانہ انداز میں بولی۔

''وہ کیسے؟'' نیازی کی الجھن حیرت میں بدل گئی۔

''میں فلیٹ بک کرانے کی بات کر رہی ہوں......'' وہ گویا انکشاف کرنے والے انداز میں بولی۔

''اوہ......تو تمہارا یہ مقصد تھا۔'' نیازی نے ایک گہری سانس خارج کی۔ ''تم قسطوں والے فلیٹ کی بات کر رہی ہو؟''

ریحانہ نے اثبات میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔

نیازی نے کہا۔ ''اللہ کی بندی! یہ اتنا بھی آسان نہیں ہے جیسا تم سوچ رہی ہو۔ یہ قسطوں کا گورکھ دھندا بڑا عجیب اور پھنسانے والا ہے۔ اگر بک کرانے والا کسی وجہ سے ڈیفالٹر ہو جائے تو لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں۔''

''سوچتے رہنے سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔'' وہ خفگی آمیز لہجے میں بولی۔ ''انسان عملی قدم اٹھائے تو مشکل سے مشکل کام بھی آسان ہو جاتا ہے۔ جن کے پاس کچھ نہیں ہوتا ان کے بارے میں بھی سننے میں آتا ہے کہ انہوں نے فلیٹ بک کرا لیا ہے۔ اب ہم اتنے بھی گئے گزرے نہیں ہیں......''

وہ لمحے بھر کے لئے تھمی' ایک گہری سانس خارج کی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولی۔

''آخر کسی نہ کسی طرح ہم ہر ماہ اس گھر کا کرایہ بھی تو دے ہی رہے ہیں نا۔ اسی میں دو چار سو ملا کر فلیٹ کی قسط بھر دیا کریں گے۔ اگر تم کسی بلڈنگ میں فلیٹ بک کرانے کے لئے تیار ہو جاؤ تو میں کم سے کم پیسوں میں گھر چلانے کا وعدہ کرتی ہوں۔''

ریحانہ کا منصوبہ تو خاصا پرکشش تھا لیکن خالد نیازی بہت ہی محتاط واقع ہوا تھا۔ وہ پھونک پھونک کر قدم اٹھانے کا عادی تھا۔ جب تک وہ کسی معاملے سے پوری طرح مطمئن نہیں ہو جاتا تھا' حامی نہیں بھرتا تھا۔ ریحانہ کی بات اس نے توجہ سے سنی اور یہ اعتراض اٹھایا۔

''یہاں تک تو ٹھیک ہے کہ ہم کرائے والی رقم میں دو چار سو ڈال کر فلیٹ کی قسط ادا کر دیا کریں گے۔'' وہ سمجھانے والے انداز میں بولا۔ ''لیکن شاید تم اس حقیقت کو فراموش کر رہی ہو کہ فلیٹس وغیرہ تیار ہونے میں سال' دو سال اور بعض پروجیکٹس تو تین چار سال کا عرصہ بھی کھینچ جاتے ہیں......''

''ہاں......'' وہ قطع کلامی کرتے ہوئے بولی۔ ''یہ بات میں اچھی طرح جانتی ہوں۔''

''اچھی طرح جانتی ہو تو......'' نیازی نے قدرے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''پھر یہ بھی بتا دو کہ اتنا عرصہ ہم رہیں گے کہاں کیونکہ فلیٹ کی قسط تو اسی صورت جا سکے گی اگر ہم گھر کا کرایہ ادا نہ کریں اور ایسا ممکن بنانے کے لئے ہمیں کرائے کا یہ گھر چھوڑنا پڑے گا۔''

''مجھے پتا تھا کہ تم یہ سوال ضرور کرو گے......'' وہ ایسی نظر سے اپنے شوہر کو دیکھنے لگی

جیسے وہ ابھی اس کے قدموں میں گر کر اس کی لیاقت کا اعتراف کرے گا۔

"ٹھیک ہے، تمہیں پتا تھا۔" خالد نیازی معتدل انداز میں بولا۔ "جب تمہیں اس سوال کا پہلے سے علم تھا تو پھر جواب بھی دے دو۔"

"تمہارے اس سوال کا جواب ہے ظفر ماموں ......!" وہ معنی خیز لہجے میں بولی۔

"ظفر ماموں ......" نیازی چونک اٹھا۔ "کیا مطلب ہے تمہارا؟"

ریحانہ کا ایک ماموں موٹر میکینک تھا۔ جس کا نام ظفر حسین تھا۔ فلستان کے قریب اس کا موٹر مرمت کا ایک گیراج تھا۔ وہ گاڑیوں کی مرمت کے علاوہ خرید و فروخت میں بھی گھسا ہوا تھا۔ وہ پرانی، خصوصاً خراب گاڑیوں کو خرید کر ان کی مرمت وغیرہ کرتا اور پھر انہیں اچھی قیمت پر فروخت کر دیا کرتا تھا۔ ظفر حسین کی رہائش گولیمار کے علاقے میں تھی۔ پٹیل پاڑا گولیمار اور فلستان میں زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ آپ انہیں ایک دوسرے سے واکنگ ڈسٹینس آپ سمجھ لیں۔ یہ وضاحت میں نے صرف ان قارئین کے لئے کی ہے جو کراچی کے اندرونی جغرافیہ سے واقفیت نہیں رکھتے۔

"مطلب یہ کہ ہم ظفر ماموں کے گھر شفٹ ہو جائیں گے۔" ریحانہ اسے اپنے منصوبے سے آگاہ کرتے ہوئے بولی۔ "ان کا گولیمار میں دو منزلہ مکان ہے۔ زیریں منزل پر وہ خود رہتے ہیں اور اوپر کا پورشن وہ اکثر کرائے پر اٹھائے رکھتے ہیں۔ آج کل وہ پورشن خالی پڑا ہے۔ ہم کرائے کا یہ مکان چھوڑ کر فوری طور پر ظفر ماموں کے اس پورشن میں منتقل ہو سکتے ہیں۔"

"مجھے تو یوں محسوس ہو رہا ہے......" وہ اپنی بیوی کو ٹٹولتی ہوئی نظر سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم نے اس سلسلے میں اپنے ظفر ماموں سے بات کر لی ہے۔"

"اور نہیں تو کیا ......" وہ اترا کر بولی۔ "تم سے ضد ایسے ہی تو نہیں کر رہی۔ میں تمہارے مزاج سے اچھی طرح واقف ہوں۔ جب تک تم بال کی کھال نہ نکال لو مطمئن ہی نہیں ہوتے......"

"ٹھیک ہے۔" نیازی نے کہا۔ "فرض کرو، ہم کرائے کا یہ گھر چھوڑ کر تمہارے ماموں کے گھر کی بالائی منزل پر شفٹ ہو جاتے ہیں۔ ہم جتنا عرصہ بھی وہاں رہیں گے کیا ظفر ماموں ہم سے کرایہ نہیں لیں گے......؟"

"میں نے اس سلسلے میں بھی ماموں سے بات کر لی ہے۔" ریحانہ فخریہ انداز میں بتانے لگی۔ "ماموں کا کہنا ہے وہ ہمارے لئے رعایتی کرایہ مقرر کر دیں گے اور اس کے ساتھ ہی یہ سہولت بھی دیں گے کہ ہمیں جب بھی آسانی ہو انہیں کرایہ دے دیا کریں۔ جب ہم ان کا گھر چھوڑ کر اپنے فلیٹ میں منتقل ہو جائیں گے تو واجبات کا حساب بھی کر لیں گے۔ جب کہ جب دیکھی جائے گی۔"

"واہ بھئی ......" نیازی مسرت آمیز حیرت سے بولا۔

"تمہارے ماموں تو ہمارے لئے بہت بڑی قربانی دے رہے ہیں۔"

"وہ میرے اکلوتے ماموں ہیں اور میں ان کی اکلوتی بھانجی۔" ریحانہ نے بڑے اعتماد سے کہا۔ "وہ میرے لئے جو بھی کریں کم ہے۔"

"اللہ ان کو اس کا اجر دے گا۔" نیازی نے کہا۔ پھر تشویش بھرے انداز میں بولا۔ "لیکن ریحانہ! فلیٹ کی بکنگ کے سلسلے میں ہم نے سب سے زیادہ سنگین معاملے پر تو ابھی بھی بات ہی نہیں کی......"

"مثلاً کون سا معاملہ؟" ریحانہ نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

خالد نیازی وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "جب کوئی فلیٹ بک کرایا جاتا ہے تو بکنگ کے وقت ایک بھاری رقم بھی ادا کرنا ہوتی ہے۔ ماہانہ اقساط کا مرحلہ تو بعد میں شروع ہوتا ہے۔ وہ رقم یکمشت کہاں سے آئے گی؟"

"تمہارے آفس سے۔" ریحانہ نے ٹھوس انداز میں کہا۔

"آفس سے......کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اس رقم کے حصول کے لئے تم اپنے دفتر میں قرض کی درخواست دو گے۔" ریحانہ نے کہا۔

"تمہیں اس آفس میں کام کرتے ہوئے آٹھ دس سال ہو گئے ہیں۔ مجھے یقین ہے تمہارا باس اس درخواست کو رد نہیں کرے گا......" وہ سانس ہموار کرنے کے لئے متوقف ہوئی پھر اضافہ کرتے ہوئے بولی۔

"میں نے آج تک تمہارے باس کے جو بھی قصے سنے ہیں ان سے تو یہی لگتا ہے کہ وہ ایک نیک دل اور خدا ترس انسان ہے وہ اپنے ورکرز کا بہت خیال رکھتا ہے۔ چپراسی کی بہن کی

شادی ہو یا کسی کے گھر میں میت کا معاملہ، وہ مالی مدد کرنے میں کسی حیل و حجت سے کام نہیں لیتا۔ پھر آپ ہی تو بتاتے ہو کہ آفس کی طرف سے ہر سال کسی ایک شخص کو حج پر بھی بھیجا جاتا ہے۔"

"ہاں......" نیازی نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔ "یہ سب تو درست ہے۔"

"بس تو پھر دیر کس بات کی ہے۔" وہ حوصلہ بڑھانے والے انداز میں بولی۔ "تمہارا تو ریکارڈ بھی کورے کاغذ کی طرح صاف ہے۔ مجھے امید ہے، جب تم پہلی مرتبہ قرض کے لئے درخواست ڈالو گے تو تمہیں انکار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور باس اس بات پر بھی راضی ہو جائے گا کہ واپسی کے لئے تمہاری تنخواہ میں سے کم سے کم کٹوتی ہو......"

"ہاں، یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔" خالد نیازی نے بڑے اعتماد سے کہا۔ "مجھے بھی یقین ہے کہ میری قرض کی درخواست ضرور منظور ہو جائے گی۔"

"سب تو پھر ہم کل ہی جا کر کسی اچھے سے پروجیکٹ میں قسطوں والے فلیٹ کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہیں۔" ریحانہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔ "پہلے سارا نقشہ ہمارے سامنے آ جائے، پھر آرام سے بیٹھ کر پلاننگ کریں گے کہ وہ رقم ہم کس طرح اور کہاں کہاں سے جمع کر سکتے ہیں۔"

ریحانہ کی تجویز نے خالد نیازی کے دل کو چھولیا تھا لہٰذا اگلے روز اس نے آفس سے چھٹی ماری اور بیوی کو ساتھ لے کر ایک سنسنی خیز اور مستقبل سنوار مشن پر روانہ ہو گیا۔ دو چار مقامات کا سروے کرنے کے بعد ان کی نگاہ انتخاب گارڈن ویسٹ کے ایک پروجیکٹ پر آ کر ٹھہر گئی۔ مذکورہ پروجیکٹ کا نام تھا "ڈائمنڈ پلازا"

وہ دونوں "ڈائمنڈ پلازا" کے بکنگ آفس پہنچ گئے۔ یہ پروجیکٹ چڑیا گھر کے بہت قریب واقع تھا۔ یہی چڑیا گھر جو کسی زمانے میں گاندھی گارڈن کہلاتا تھا۔ "ڈائمنڈ پلازا" والا پروجیکٹ "شاہ بلڈرز" والوں کا تھا۔ وہاں ان کے علاوہ اور بھی بہت سارے لوگ بکنگ کرانے آئے ہوئے تھے۔ اپنی باری پر وہ بکنگ کلرک کے پاس پہنچ گیا۔

کلرک نے مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ ان کا استقبال کیا پھر پوچھا۔ "آپ کس قسم کا فلیٹ بک کرانا چاہتے ہیں؟"

"دیکھیں صاحب!" نیازی نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "اس وقت تو ہم

صرف معلومات حاصل کرنے آئے ہیں۔ بکنگ کا فیصلہ گھر جا کر اپنے بجٹ کو دیکھتے ہوئے کریں گے۔"

"عقل مندی کا تقاضا بھی یہی ہے۔" بکنگ کلرک نے مسکا پالش سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "انسان کو اپنی چادر دیکھ کر ہی پاؤں پھیلانا چاہئیں......"

ریحانہ نے پوچھا۔ "بھائی صاحب! آپ نے یہ کیوں کہا کہ ہمیں کس قسم کا فلیٹ چاہئے۔ کیا آپ کے پروجیکٹ میں تمام فلیٹ ایک جیسے نہیں ہیں؟"

"بہت اچھا سوال کیا ہے آپ نے۔" وہ تعریفی نظر سے ریحانہ کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "دراصل ہمارے اس پروجیکٹ میں تین ٹائپ کے فلیٹس ہیں۔"

"کون کون سی ٹائپ؟" نیازی نے پوچھ لیا۔

"ٹائپ ون، کلرک وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "ٹائپ ون کی تفصیل کچھ اس طرح ہے......ٹو اینڈ تھری۔" ایک ڈرائنگ، ٹی وی تین بیڈ اٹیچڈ باتھ، ایک ڈرائنگ، ایک ڈائننگ، ٹی وی لاؤنج، کچن اور دو جانب گیلریاں۔ ٹائپ ٹو میں دو بیڈ روم اٹیچڈ باتھ، ایک ڈائننگ، ایک ڈرائنگ، کچن اور ایک گیلری جبکہ......" اس نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے بولا۔

"جبکہ ٹائپ تھری میں دو بیڈ روم اٹیچڈ باتھ، ایک ڈرائنگ روم، کچن اور ایک گیلری ہے۔"

"یہ ٹائپ تھری والا فلیٹ ہمارے لئے مناسب رہے گا۔" نیازی، کلرک کے خاموش ہوتے ہی بول پڑا۔

"ٹھیک ہے۔" کلرک نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"گویا آپ ٹائپ تھری کا فلیٹ بک کرانا چاہتے ہیں......؟"

"جی ہاں۔" ریحانہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ "آپ ہمیں ٹائپ تھری کے حوالے سے مکمل معلومات فراہم کر دیں۔"

کلرک رٹا رٹایا ہوا سبق دہرانے لگا۔ "دیکھیں جناب! ٹائپ تھری کی بکنگ آٹھ ہزار روپے سے ہے۔

ہمارا یہ پروجیکٹ دو سال کے تعمیراتی عرصے پر محیط ہے یعنی چوبیس ماہ۔ آٹھ سو ماہانہ

کے حساب سے آپ کو چوبیس قسطیں بھی ادا کرنا ہوں گی۔"

خالد نیازی کے حسابی ذہن نے فوراً تخمینہ جوڑا اور بولا۔"یعنی صرف ستائیس ہزار دوسو روپے میں ہم فلیٹ کے مالک بن جائیں گے۔" ایک لمحے کے توقف کے بعد اس نے بے یقینی سے پوچھا۔"یہ رقم خاصی کم نہیں ہے؟"

"یہ رقم آپ کو کم اس لئے لگ رہی ہے کہ ابھی بہت سی چیزیں آپ کے علم میں نہیں ہیں۔" کلرک نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

"مثلاً کون سی چیز؟" ریحانہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

"مثلاً یہ کہ......" کلرک وضاحت کرتے ہوئے بولا۔"ان دو سالوں میں ہر چھ ماہ کے بعد آپ کو آٹھ ہزار روپے ادا کرنا ہوں گے۔یعنی یہ چار ادائیاں بتیس ہزار کی ہو جائیں گی۔ بتیس اور ستائیس ہو گئے انسٹھ ہزار روپے۔اس کے بعد قبضہ کے وقت آپ کو ایک بھاری ادائی کرنا ہوگی۔مبلغ بیس ہزار روپے۔چنانچہ جب آپ کو تیار فلیٹ کی چابی تھمائی جائے گی تو آپ ہمیں لگ بھگ اسی ہزار ادا کر چکے ہوں گے۔آپ چوبیس ہزار کی آخری پے منٹ دیں گے اس میں فلیٹ کے مکمل ڈاکومنٹس بھی تیار کرا کے آپ کے حوالے کئے جائیں گے۔"

"اللہ کا شکر ہے!" ریحانہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔"دو سال کے بعد ہم اپنے ذاتی فلیٹ میں منتقل ہو چکے ہوں گے اور وہ بھی صرف اسی ہزار کی ادائی کے بعد۔"

"ابھی ایک مرحلہ باقی ہے۔" کلرک نے گویا ریحانہ کی خوشیوں پر اوس ڈالتے ہوئے کہا۔"آپ کو اس فلیٹ پر آسان قسطوں کی صورت کم و بیش ساٹھ ہزار روپے مزید ادا کرنا ہوں گے۔"

"وہ کس مد میں جناب؟" ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن......!"

"کیا مطلب؟" ریحانہ نے سوال کیا۔

"ہم جو بھی رہائشی پروجیکٹ شروع کرتے ہیں اس کے لئے "ایچ۔بی۔ایف۔سی" سے قرضہ منظور کراتے ہیں جو بعد میں تمام فلیٹس پر تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ٹائپ تھری کے چھوٹے فلیٹس پر لگ بھگ ساٹھ ہزار کا قرضہ ہوگا۔"

"یہ قرضہ تو کارپوریشن سے آپ لوگ لیں گے۔"

ریحانہ نے اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق ایک نکتہ اٹھایا۔"اس کی ادائی بھی آپ ہی کو کرنا

چاہئے۔"

"ہماری شکل پر کیا بنا ہوا ہے؟" کلرک نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"جی کیا مطلب؟" ریحانہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے الجھن زدہ لہجے میں بولی۔

خالد نیازی نے پوچھا۔"بھائی صاحب! اس "ب" سے آپ کی کیا مراد ہے؟"

"بے وقوف!" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔"کیا ہم آپ کو بے وقوف نظر آتے ہیں جو آپ سے لگ بھگ اسی ہزار دو سال میں قسطوں کی صورت وصول کرنے کے بعد ایک لاکھ چالیس ہزار روپے مالیت کا فلیٹ آپ کے حوالے کر دیں گے......؟"

"ہمارا یہ مطلب نہیں تھا کہ آپ خدانخواستہ بے وقوف ہیں۔" خالد نے جلدی سے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔"ہم تو اصل میں اس سسٹم کو سمجھنا چاہتے تھے۔"

"ٹھیک ہے......!" کلرک گویا ان دونوں پر احسانات کے ڈونگرے برساتے ہوئے بولا۔"تو پھر سمجھیں اس نکتے کو کہ آپ نے دو سال میں کم و بیش اسی ہزار ہمیں ادا کرنا ہے اور جب آپ اپنے فلیٹ کا قبضہ حاصل کر لیں گے تو باقی کے ساٹھ ہزار آسان اقساط میں ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن کو ادا کرنے ہوں گے۔اسی طرح کل ملا کر آپ کو یہ ٹائپ تھری فلیٹ ایک لاکھ چالیس ہزار میں پڑے گا اور......" اس نے لمحاتی توقف کر کے ایک آسودہ سی سانس خارج کی پھر ریحانہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"میڈم! آپ کو ایک فائدے اور راز کی بات بتاؤں......"

"جی بتائیں۔" وہ بے ساختہ بولی۔

"جب ڈائمنڈ پلازا مکمل ہو جائے گا تو اس کے فلیٹ کی اہمیت کا اندازہ آپ اس بات سے لگائیں۔" وہ شاطرانہ انداز میں بولا۔"آپ کا ٹائپ تھری فلیٹ جو آپ کو آسان اقساط پر ایک لاکھ چالیس ہزار میں پڑے گا اس کی مارکیٹ ویلیو کم از کم دو لاکھ ہو جائے گی۔اگر آپ کا موڈ بنے تو دو سال کے بعد یہ فلیٹ آپ مجھے دے دیجئے گا...... پورے دو لاکھ روپے میں!"

بکنگ کلرک کی لچھے دار باتوں نے دونوں میاں بیوی کو بے حد متاثر کیا اور وہ مزید معلومات حاصل کرنے کے بعد یہ کہہ کر اس کے آفس سے اٹھ گئے۔

"جناب! ہم گھر جا کر آپس میں مشورہ کر لیں۔ایک دو دن کے بعد آ کر بکنگ کرائیں

گے۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔" کلرک نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔"باہمی صلاح ومشورہ بہت ضروری ہے۔آپ کا جب بھی آنے کا ارادہ ہو' ہم آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہیں لیکن زیادہ دیر نہ کر دیجئے گا ورنہ یہ نہ ہو کہ آپ جب تشریف لائیں' پلازا کی بکنگ مکمل ہو چکی ہو......"

"نہیں نہیں ......" ریحانہ نے اضطراری لہجے میں کہا۔"ہم زیادہ سے زیادہ دو دن میں آپ کے پاس آ رہے ہیں۔"

"تب تو ٹھیک ہے۔" بکنگ کلرک نے ایک آسودہ سانس خارج کی۔"یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ ہمارا آفس ہر چھٹی کے دن بھی آپ لوگوں کی سہولت کے لئے کھلا رہتا ہے۔"

وہ دونوں مذکورہ آفس سے نکل کر گھر آ گئے۔

آپ ٹائپ تھری والے اس فلیٹ کی قیمت پر بالکل حیران نہ ہوں۔یہ واقعہ آج سے کم وبیش چالیس سال پہلے کا ہے۔فلیٹ کی بکنگ کے حوالے سے وہ اچھی خاصی معلومات کر چکے تھے۔اب ان کے بیچ بجٹنگ پر تبادلہ خیالات ہونے لگا۔ریحانہ نے صلاح دی۔

"نیازی! تم کل ہی باس کو پندرہ ہزار روپے کے قرض کے لئے درخواست دے دو۔مجھے امید ہے' ایک آدھ دن میں تمہیں آفس سے یہ رقم مل جائے گی۔" لمحاتی توقف کے بعد اس نے ایک گرہ بھی لگا دی۔"باس کو یہ ضرور بتا دینا کہ تم فلیٹ بک کرانے کا ارادہ رکھتے ہو۔مجھے یقین ہے' باس تمہاری بات سن کر بہت خوش ہو گا۔"

"فلیٹ ہم بک کرا رہے ہیں اور خوش باس ہو گا۔"

نیازی نے الجھن زدہ انداز میں اپنی بیوی کی طرف دیکھا۔

"میں تمہاری بات کو سمجھ نہیں پایا ہوں ریحانہ؟"

"تم نے ہی تو بتایا تھا کہ باس کو اس بات سے بہت اطمینان ہوتا ہے کہ اس کے ملازمین کے پاس ذاتی رہائش ہو۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔"کئی سال پہلے تو باس نے اپنے آفس کے لوگوں کے لئے لیاقت آباد کے علاقے میں آٹھ دس فلیٹ ایک بلڈنگ میں خرید لئے تھے اور ان سے کہا تھا کہ وہ فلیٹ میں رہ کر تھوڑے تھوڑے پیسے ہر ماہ اپنی

تنخواہ سے کٹواتے رہیں۔تقریباً اتنا ہی اماؤنٹ جو وہ گھر کے کرائے میں دے رہے تھے۔"

"وہ گئے زمانے کی باتیں ہیں ریحانہ!" نیازی ایک ٹھنڈی سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔"ان ملازمین میں سے اکثر نے باس کو دھوکا دیا تھا......باس کا دل کھٹا ہو گیا اور آئندہ پھر کبھی اس کے دل میں ایسی رہائشی اسکیم کا خیال نہیں آیا۔بہرحال ......" اس نے پھر لمحاتی توقف کیا اور اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"میں کل ہی باس سے بات کرتا ہوں......"

"شاباش۔" ریحانہ نے سراہنے والے انداز میں کہا۔"اگر میرے دماغ سے سوچو گے تو ہر مشکل آسان ہو جائے گی۔"

"اچھا!" نیازی نے حیرت بھرے انداز میں کہا۔

"فوری طور پر تو تم میری یہ مشکل آسان کر دو کہ پندرہ ہزار قرض لینے کا مشورہ کیوں دے رہی ہو۔فلیٹ کی بکنگ تو آٹھ ہزار سے ہو رہی ہے؟"

"تم اسے آٹھ نہیں بلکہ دس ہزار سمجھو!" وہ سمجھانے والے انداز میں بولی۔"آٹھ ہزار بکنگ کے' آٹھ سو پہلی قسط اور کچھ دیگر دستاویزاتی اخراجات بھی ہو سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے......!" نیازی نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔"اور باقی کے پانچ ہزار......؟"

"ہاتھ میں رکھنے کے لئے" ریحانہ نے کہا۔"کچھ رقم ہاتھ میں رہے گی تو بعد میں کوئی پرابلم نہیں ہو گی اور میں فریج بھی تبدیل کرنے کے بارے میں سوچ رہی ہوں......"

"فریج کیوں تبدیل کرنا چاہتی ہو؟" نیازی نے پوچھا۔

"دس سال سے چل رہا ہے۔" ریحانہ نے کہا۔

"اس کی باڈی کئی جگہ سے گل چکی ہے۔کمپریسر میں بھی جان نہیں رہی۔ظہور صاحب کی بیوی اپنا فریج بیچ رہی ہیں۔صرف ایک ڈیڑھ ہزار ہی ملانا پڑے گا۔میں سوچ رہی ہوں اپنے فریج کو نکال کر وہ فریج لے لوں۔وہ دو سال چلا ہوا ہے۔ظفر ماموں کے گھر جا رہے ہیں تو کھٹارا فریج کو ساتھ لے جانا مناسب نہیں۔وہ کیا سوچیں گے ہمارے بارے میں......؟"

فریج کے موضوع پر نیازی نے اپنی بیوی سے بحث کرنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ اس کا

کوئی حاصل وصول نہیں تھا۔اس کے ذہن میں ایک بار جو بات سما جاتی تھی پھر وہ اس پر عمل کئے بغیر چین سے نہیں بیٹھتی تھی۔ وہ موجودہ موضوع کی طرف آتے ہوئے بولا۔

"ریحانہ !اگر مجھے آفس سے قرض مل جاتا ہے تو سمجھو فلیٹ کی بکنگ کا ابتدائی مرحلہ تو طے ہو جائے گا۔لیکن اک بات میرے ذہن کو پریشان کر رہی ہے......"

"کون سی بات؟" ریحانہ نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

"یہ جو ہر چھ ماہ کے بعد آٹھ ہزار روپے ادا کرنا ہیں وہ کہاں سے آئیں گے۔" وہ فکرمندی سے بولا۔"اور فلیٹ کا قبضہ لیتے وقت تو پورے بیس ہزار ادا کرنا ہوں گے۔"

"فلیٹ کے قبضے میں ابھی دو سال پڑے ہیں نیازی اور آٹھ ہزار کی ادائی بھی چھ ماہ کے بعد کرنا ہوگی۔" وہ تسلی بھرے انداز میں بولی۔" اللہ کوئی نہ کوئی سبب پیدا کر ہی دے گا۔ابھی سے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

ریحانہ کی "اطمینان بھری" وضاحت جب نیازی کو ہضم نہیں ہوئی تو اس کا ذہن الجھ کر رہ گیا۔ریحانہ نے اس کی کیفیت کو فوراً بھانپ لیا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

"دل چھوٹا نہیں کرو نیازی !اگر رقم کا بندوبست کسی بھی طرح نہ ہو سکا تو میں اپنا زیور بیچ دوں گی۔"

"زیور......!" نیازی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔"یہ تم کیا کہہ رہی ہو ریحانہ؟"

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔"اپنے گھر کا خواب میں ایک عرصے سے دیکھ رہی ہوں۔زیور کا کیا ہے۔یہ تو دوبارہ بن جائے گا۔"

"لیکن تمہارے پاس اتنا زیور ہے ہی کہاں جس سے......"

"جو بھی ہے!" وہ نیازی کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول اٹھی۔"اور مجھے یہ بھی امید ہے کہ تم اس کی نوبت نہیں آنے دو گے۔زیور بکنے سے پہلے ہی تم کہیں نہ کہیں سے رقم کا بندوبست کر لو گے۔"

خالد نیازی یک ٹک اسے دیکھتا چلا گیا۔

چند روز کے بعد وہ لوگ ظفر ماموں کے ہاں منتقل ہو گئے۔آفس سے پندرہ ہزار کا قرضہ منظور ہو گیا تھا لہٰذا وہ پہلی فرصت میں "ڈائمنڈ پلازا" کے بکنگ آفس پہنچ گئے۔

ابتدائی معاملات نمٹانے کے بعد انہیں ایگری منٹ کی کاپی فراہم کر دی گئی۔ یہ ایگری

منٹ خالد نیازی اور "شاہ بلڈرز" کے درمیان ڈائمنڈ پلازا کے تھرڈ فلور پر واقع ٹائپ تھری کے فلیٹ نمبر تین سو تین کے لئے تیار کیا گیا تھا۔آٹھ ہزار بکنگ کی رقم اور پہلی آٹھ سو ماہانہ قسط کی ادائی کی رسیدیں بھی ایگری منٹ کے ساتھ منسلک تھیں۔یہ تمام کاغذات ایک فائل میں لگا کر انہیں پیش کئے گئے تھے۔

فائل کے کور پر "شاہ بلڈرز" چھپا ہوا تھا۔مذکورہ ایگری منٹ کی پشت پر قواعد وضوابط بہت ہی مہین تحریر میں درج تھے۔خالد نیازی نے جب ان قواعد وضوابط کا مطالعہ کیا تو پریشان ہو گیا۔دیگر چھوٹے موٹے اصولوں کے علاوہ دو شرائط بڑی کڑی تھیں۔

نمبر ایک 'اگر ماہانہ قسط مسلسل دو ماہ تک ادا نہ کی گئی تو فلیٹ کی بکنگ خود بہ خود کینسل ہو جائے گی اور جس وقت ایسا ہوگا اس وقت تک کمپنی کے پاس جمع ہونے والی رقم پروجیکٹ کی تکمیل کے بعد ڈی فالٹر الاٹی کو ادا کی جائے گی۔نمبر دو' اگر چھ ماہ بعد دی جانے والی آٹھ ہزار کی کوئی قسط ایک ماہ کے اندر ادا نہ کی گئی تو الاٹی ایسی صورت میں بھی ڈی فالٹر تصور کیا جائے گا اور یقینی طور پر اس کی بکنگ کو کینسل کر دیا جائے گا۔' "شاہ بلڈرز" اس بات کا مجاز ہو گا کہ اپنی مرضی سے وہ فلیٹ کسی اور پارٹی کو الاٹ کر دے۔

یہ شرائط پڑھ کر نیازی فکرمند ہو گیا۔اس نے ریحانہ کو اپنی پریشانی سے آگاہ کیا۔کائیاں بکنگ کلرک بڑی توجہ سے ان کے چہروں پر ابھرنے والے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔انہیں الجھن میں مبتلا دیکھ کر وہ جلدی سے بولا۔

"جناب ان نکات کو پڑھ کر آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔اسے آپ بس رسمی سی کارروائی سمجھ لیں۔"

"کیا مطلب!" نیازی نے پوچھا۔"کیا ان اصولوں کا اطلاق الاٹی پر نہیں ہوتا؟"

"ہر الاٹی پر نہیں ہوتا صاحب!" وہ ذومعنی انداز میں بولا۔"کم از کم آپ جیسے شریف لوگوں پر تو بالکل نہیں ہوتا۔"

"میں سمجھ نہیں سکا؟" نیازی کی الجھن میں اضافہ ہو گیا۔

بکنگ کلرک سمجھانے والے انداز میں بولا۔"جناب! اس دنیا میں ہر طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں۔آپ خوامخواہ پریشان نہ ہوں۔اس قسم کی شرائط محض پھڈے باز قسم کے لوگوں کو قابو کرنے کے لئے ایگری منٹ میں شامل کر دی جاتی ہیں تاکہ بعد میں کوئی قانونی

مسئلہ کھڑا نہ ہو۔ آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی کہ......'' وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لئے تھما پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''بعض عادی مجرم تو ایسے بھی ہیں اس شہر میں کہ وہ دھونس دھاندلی سے رقم جمع کرائے بغیر ہی فلیٹ پر قابض ہونے کے چکر میں رہتے ہیں۔ یہ شرائط ایسے لوگوں سے کورٹ میں نمٹنے کے لئے بڑی مؤثر ثابت ہوتی ہیں۔''

بکنگ کلرک کی وضاحت نے دونوں میاں بیوی کی تسلی کر دی اور وہ سائٹ آفس سے اٹھ کر گھر آ گئے۔ ویسے بھی وہ ایگری منٹ پر دستخط کر چکے تھے۔ اگر انہوں نے قواعد وضوابط کا مطالعہ بعد میں کیا تھا تو اس میں ''شاہ بلڈرز'' کا کوئی ''قصور'' نہیں تھا۔

بکنگ کے بعد' خالد نیازی نہایت پابندی کے ساتھ ماہوار اقساط ادا کر رہا تھا۔ بیچ میں چھ ماہ کے بعد اس نے کہیں سے پکڑ کر آٹھ ہزار روپے بھی ''شاہ بلڈرز'' کے دفتر میں جمع کرا دیئے تھے۔ یعنی آٹھ ہزار شروع میں بکنگ کے وقت اور آٹھ ہزار چھ ماہ کے بعد۔ پھر جب ماہانہ قسطیں ادا کرتے ہوئے ایک سال گزر گیا تو نیازی کو گہری تشویش نے آ گھیرا۔ وہ جب بھی قسط جمع کرانے جاتا' سائٹ کا معائنہ بھی ضرور کرتا تھا۔ یہ دیکھ کر اسے بہت مایوسی ہوئی کہ ابھی تک ''ڈائمنڈ پلازا'' کی باقاعدہ تعمیر کا کام شروع نہیں ہو سکا تھا۔ وہ کسی طرح گھس گھسا کے ''شاہ بلڈرز'' کے مالک سے ملنے میں کامیاب ہو گیا۔

''شاہ بلڈرز'' نامی وہ تعمیراتی کمپنی دراصل دو بھائیوں کی مشترکہ کاوشوں سے چل رہی تھی۔ بڑے بھائی کا نام قربان شاہ اور چھوٹے بھائی کا نام فرقان شاہ تھا جو علی الترتیب ''بڑے شاہ جی'' اور ''چھوٹے شاہ جی'' سے ہوئی تو اس نے اپنی تشویش کو کھل کر بیان کر دیا۔

''شاہ جی! بکنگ کو تقریباً ایک سال ہونے والا ہے۔ میں نہایت ہی پابندی کے ساتھ قسطیں جمع کرا رہا ہوں اور ابھی تک کل ملا کر پچیس ہزار چھ سو روپے میں آپ کے آفس میں جمع کرا چکا ہوں۔ آپ کے بندے نے بکنگ کے وقت بتایا تھا کہ دو سال میں یہ پروجیکٹ مکمل ہو جائے گا......''

''ہمارے بندے نے آپ کے ساتھ کسی قسم کی غلط بیانی نہیں کی جناب۔'' چھوٹا شاہ جی کراری آواز میں بولا۔

''ہماری پلاننگ کے مطابق یہ تعمیراتی منصوبہ دو سال کی مدت ہی میں مکمل ہو گا۔''

''لیکن شاہ جی......!'' نیازی نے فکر مندی سے کہا۔ ''ان دو سال میں سے ایک سال تو گزر گیا اور آپ بھی دیکھ رہے ہیں کہ ابھی تک باقاعدہ تعمیر کا کام شروع ہی نہیں ہو سکا؟''

''جی ہاں' میں بالکل دیکھ رہا ہوں' ہم سے زیادہ اس معاملے کو اور کون دیکھے گا۔'' شاہ جی نے کہا۔ ''لیکن اگر ابھی تک تعمیراتی کام میں تیزی نظر نہیں آ رہی تو اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں۔''

''پھر کس کا قصور ہے؟'' نیازی پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

شاہ جی نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ ''ایچ بی ایف سی والوں کا۔''

''جی......!'' نیازی نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔ ''میں سمجھا نہیں شاہ جی۔ ایچ بی ایف سی والوں کا قصور کس طرح ہے......؟''

''انہوں نے ابھی تک لون سنکشن نہیں کیا۔''

''کیوں جناب!'' نیازی نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔ ''ایک سال ہونے کو آ رہا ہے آپ نے ابھی تک لون کے لئے کوشش کیوں نہیں کی؟''

''ہماری کوششیں برابر جاری ہیں جناب!'' چھوٹے شاہ جی نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''ایچ بی ایف سی میں بھی انسان ہی بیٹھے ہوئے ہیں اور ان سے ہمارے مذاکرات چل رہے ہیں۔ ان شاء اللہ! بہت جلد کوئی مثبت نتیجہ سامنے آ جائے گا۔''

فرقان شاہ کی باتوں سے خالد نیازی کی تسلی نہ ہوئی تو اس نے قدرے بدگمان لہجے میں پوچھا۔ ''جناب! ایچ بی ایف سی سے آپ کے کس قسم کے مذاکرات چل رہے ہیں؟''

''یہ مذاکرات قرضے کی منظوری کے سلسلے میں ہیں۔''

شاہ جی وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''آپ کو کیا پتا کہ ہمارے ملک کے ہر محکمے میں کام کروانے کے لئے مال کھلانا پڑتا ہے......''

''شاہ جی! ماشاء اللہ آپ تو کافی عرصے سے یہ کام کر رہے ہیں۔'' نیازی نے شاکی نظر سے فرقان شاہ کو دیکھا۔

''مال کھلانے والی یہ راز کی بات آپ کو پہلے معلوم نہیں تھی؟''

''بالکل معلوم تھی صاحب!'' وہ بڑے زوردار انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

''بلکہ ہم تو ہر پروجیکٹ کے وقت ان کی ''خدمت'' کرتے ہیں مگر اس مرتبہ وہ دوگنا کا مطالبہ

کر رہے ہیں۔"

"اوہ......!" نیازی ایک گہری سانس خارج کر کے رہ گیا۔

"ہم اگر ان کا مطالبہ مان لیں تو اس میں ہمارا کوئی نقصان نہیں۔" چھوٹا شاہ' نیازی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ٹھوس لہجے میں بولا۔ "بلکہ اس خسارے کو پورا کرنے کے لئے ہمیں مجبوراً الاٹیز پر بوجھ ڈالنا پڑے گا جس کے نتیجے میں فی فلیٹ بیس' تیس ہزار قیمت بڑھ جائے گی اور ہم ایسا نہیں چاہتے۔"

"یہ تو خاصی تشویشناک صورتحال ہے۔" نیازی پریشان ہو گیا۔

"آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ تھوڑا صبر سے کام لیں۔" فرقان شاہ نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ "ہم ایچ بی ایف سی والوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیں گے۔"

چھوٹے شاہ کی وضاحت پر یقین کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ نیازی قرضہ جات اور اس کی منظوری کے گھماؤ پھراؤ سے واقفیت نہیں رکھتا تھا تاہم اس نے سر میں محو گردش خدشے کا اظہار کرنے میں کوئی قباحت نہ سمجھی اور مستفسر ہوا۔

"شاہ جی! اگر ایچ بی ایف سی والوں نے مزید ایک سال تک آپ لوگوں کو قرضہ نہ دیا تو پروجیکٹ کی تعمیر کا کام شروع نہیں ہو سکے گا۔ اس صورت میں بے چارے ہم کہاں جائیں گے۔ میرے تو پچیس ہزار چھ سو پھنس گئے نا......؟"

"دیکھیں صاحب!" چھوٹا شاہ نہایت ہی متحمل انداز میں بولا۔ "پہلی بات تو یہ کہ دیر یا سویر' اس پروجیکٹ پر کام ضرور ہونا ہے اس لئے آپ کی ادا کردہ رقم کے ضائع ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں۔ دوسری بات یہ کہ آپ کے تو پچیس چھبیس ہزار لگے ہوئے ہیں اور ہمارے صرف پلاٹ پر ہی لاکھوں کی انویسٹمنٹ ہے۔ پھر پچھلے ایک سال سے سائٹ آفس کھولے بیٹھے ہیں۔ پانچ چھ افراد کا اسٹاف رکھا ہوا ہے۔ ان کی تنخواہیں اور آفس کے دیگر اخراجات ہیں۔ آپ کیا سمجھتے ہیں' اگر ہم اس پروجیکٹ کے ساتھ سنجیدہ نہ ہوتے تو کیا ہمارا دماغ خراب ہے جو اتنا پیسا لگاتے......'

"مجھے آپ کی نیت یا سنجیدگی پر کوئی شک نہیں شاہ جی!" نیازی اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔

"آپ کو شاید علم نہیں کہ ہم اپنے ماموں کے گھر میں عارضی طور پر رہائش اختیار کئے

ہوئے ہیں۔ امید تھی کہ دو سال کے بعد ذاتی فلیٹ میں منتقل ہو جائیں گے مگر یہاں تو سارے ارمانوں پر پانی پھرتا نظر آ رہا ہے۔"

"نیازی صاحب! آپ مسلمان ہیں نا؟" چھوٹا شاہ شاطرانہ انداز میں مستفسر ہوا۔

اس غیر متوقع سوال پر نیازی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور بہ آواز بلند جواب دیا۔ "الحمدللہ...... میں مسلمان ہوں۔"

"اگر آپ سچے مسلمان ہیں تو آپ کو یہ بھی پتا ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے مایوسی کو سخت ناپسند فرمایا ہے۔" چھوٹا شاہ بہ دستور نیازی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ "بلکہ مایوسی کو گناہ تصور کیا جاتا ہے۔"

"جی......!" نیازی ندامت آمیز لہجے میں بولا۔

"میں یہ بات جانتا ہوں۔"

"میں سمجھتا ہوں۔" چھوٹا شاہ نیازی کا نفسیاتی ٹریٹمنٹ کرتے ہوئے بولا۔ "آپ مایوس نہیں بلکہ پریشان ہیں۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا......؟"

"نہیں شاہ جی......" وہ جلدی سے بولا۔ "آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ بالکل یہی بات ہے۔"

"فی الحال......" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

"آپ کی پریشانی کا میرے پاس صرف ایک ہی حل ہے۔"

نیازی دلچسپی بھری سوالیہ نظر سے چھوٹے شاہ جی کو تکتے ہوئے بولا۔ "کون سا حل؟"

"اگر آپ مزید انتظار کے متحمل نہیں ہو سکتے تو اپنی بکنگ کینسل کرا دیں......!" فرقان نے جذبات سے عاری لہجے میں کہا۔

"تو کیا ایسی صورت میں میرے پچیس ہزار چھ سو روپے مجھے فوراً مل جائیں گے؟" نیازی نے پراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"فوری طور پر کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

چھوٹے شاہ جی نے دوٹوک انداز میں جواب دیا۔ "یہ ادائی ایگریمنٹ میں درج شرائط کے عین مطابق پروجیکٹ کی تکمیل پر ہو سکے گی۔"

نیازی سوچ میں پڑ گیا۔ وہ ہر زاویے سے پھنس گیا تھا۔ اگر وہ فلیٹ کی بکنگ کو کینسل

کراتا تھا تو اس کے پچیس ہزار چھ سو پروجیکٹ کی تکمیل سے پہلے نہیں مل سکتے تھے اور ایک سال گزر جانے کے باوجود بھی ابھی تک پروجیکٹ کا عملی کام شروع نہیں ہو سکا تھا۔ اگر یہ کام اسی رفتار سے آگے بڑھنا تھا تو آئندہ دس سال میں بھی اس کی تکمیل کے آثار نظر نہیں آتے تھے۔ دوسری صورت یہ تھی کہ وہ کڑوا گھونٹ سمجھ کر قسطوں کی ادائی کا سلسلہ جاری رکھے اور اللہ سے دعا کرتا رہے کہ ایچ بی ایف سی والے جلد از جلد لون سنکشن کر دیں۔

"آپ کن سوچوں میں گم ہیں نیازی صاحب؟"

چھوٹا شاہ ٹٹولنے والے انداز میں بولا۔ "آپ اگر آج بکنگ کینسل کرتے ہیں تو اس فلیٹ کے دس خریدار کھڑے ہوں گے۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ "ڈائمنڈ پلازا" کتنی پرائم لوکیشن پر بننے جا رہا ہے......"

"نہیں شاہ جی۔" نیازی نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "بکنگ کینسل کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ کیا کہتے ہیں کہ...... جب اوکھلی میں سر دے دیا تو پھر موسلوں سے کیا ڈرنا!"

"شاباش" چھوٹا شاہ ستائشی نظر سے نیازی کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "اب آپ نے کی ہے نا مردوں والی بات...... بس آپ صبر کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھیں۔ اللہ کوئی نہ کوئی راستہ نکال ہی دے گا۔"

خالد نیازی نے چھوٹے شاہ جی کا شکریہ ادا کیا اور اس کے دفتر سے نکل آیا۔

گھر آ کر اس نے ریحانہ کو تمام تر صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ باہمی مشاورت کے بعد یہی طے پایا کہ بکنگ کو کینسل کرانا حماقت ہو گی لہٰذا قسطوں کی ادائی کا سلسلہ جاری رکھا گیا پھر دو ماہ کے بعد انہیں ایک خوش خبری سننے کو ملی کہ ایچ بی ایف سی نے "شاہ بلڈرز" کو قرضہ جاری کر دیا ہے۔ اس کے بعد پروجیکٹ پر بڑی تیزی سے کام شروع ہو گیا تھا۔

ریحانہ اور خالد نیازی بہت خوش تھے کہ بہت جلد وہ اپنے ذاتی فلیٹ میں شفٹ ہو جائیں گے تاہم ماہانہ قسطوں کی ادائی میں ان کا جلوس نکل گیا تھا۔ خاص طور پر چھ ماہ بعد آٹھ ہزار روپے کی ادائی نے انہیں قرض کی دلدل میں گردن تک دھنسا دیا تھا۔ ریحانہ کا زیور فروخت ہو گیا' نیازی اپنے جس جاننے والے سے جو بھی لے سکتا تھا وہ اس نے لیا' آخری بیس ہزار کی بھاری پے منٹ کے لئے انہیں ظفر ماموں کے سامنے بھی ہاتھ پھیلانا پڑے تھے

بہرحال سب خیریت سے نمٹ گیا تھا لیکن اس تمام تر ادائی کے دوران میں تین چار مرتبہ گڑبڑ ہو گئی تھی۔ وہ تین بار ماہانہ قسطیں تاخیر سے جمع کرائی گئی تھیں' ایک دفعہ آٹھ ہزار والی پے منٹ بھی مقررہ دورانیے سے لیٹ ہو گئی تھی اور بیس ہزار والا اماؤنٹ بھی چند روز کی تاخیر سے جمع کرایا گیا تھا۔ ان مواقع پر نیازی نے اکاؤنٹ ڈیپارٹمنٹ سے پوچھا۔

"جناب! یہ جو پے منٹ میں تھوڑی بہت تاخیر ہو گئی ہے اس کا بکنگ پر کوئی اثر تو نہیں پڑے گا؟"

"ارے نہیں صاحب!" کیشئر نے سرسری لہجے میں جواب دیا تھا۔ "آپ کا ریکارڈ بہت صاف ہے۔ شاہ جی آپ سے بہت خوش ہیں۔ آپ کو کسی قسم کی فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

نیازی مطمئن ہو گیا تھا۔ "ڈائمنڈ پلازہ" کا پروجیکٹ تکمیل کے آخری میں مراحل میں داخل ہوا تو ایک ناخوشگوار خبر نے نیازی کے ہاتھوں کے طوطے اڑا دیئے۔ یقیناً دیگر الاٹیز کی ذہنی کیفیت بھی ویسی ہی ہوئی ہو گی جو نیازی اور ریحانہ کی تھی۔ پتا یہ چلا تھا کہ دونوں بھائیوں میں کسی بات پر شدید ترین جھگڑا ہو گیا تھا یعنی بڑے شاہ جی قربان علی اور چھوٹے شاہ جی فرقان علی میں پھوٹ پڑ گئی تھی۔

یہ بات کسی الاٹی کے علم میں نہیں تھی کہ دونوں بھائیوں کی لڑائی کا سبب کیا تھا۔ بس چھوٹا شاہ اچانک منظر سے غائب ہو گیا تھا۔ البتہ بڑا شاہ گنڈے دار آفس کا چکر لگا رہا تھا تاکہ الاٹیز کو زیادہ مایوسی نہ ہو۔ آفس کا عملہ الاٹیز کو تسلی دلاسے دے رہا تھا کہ وہ فکر نہ کریں' بہت جلد اس مسئلے کو حل کر لیا جائے گا۔ بڑا شاہ جی عموماً الاٹیز سے ملاقات نہیں کرتا تھا۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے آفس آتا' الاٹیز کو جھلک دکھلاتا اور اپنی گاڑی میں بیٹھ کر واپس چلا جاتا۔ دونوں بھائیوں کی پھوٹ کا سب سے زیادہ اثر پروجیکٹ پر پڑا تھا۔ تعمیر کا کام رک گیا تھا۔ پروجیکٹ آخری مراحل میں تھا اور ایک آدھ ماہ میں الاٹیز کو قبضہ دیا جانے والا تھا۔

بڑا شاہ جی' قربان علی اگرچہ الاٹیز کو فیس نہیں کر رہا تھا تاہم اس نے اپنا "سیاسی بیان" آفس کے عملے کو رٹا رکھا تھا جو کچھ اس طرح تھا کہ "دراصل دونوں بھائیوں میں کوئی جھگڑا وغیرہ نہیں ہوا بلکہ چھوٹا شاہ فراڈ کر کے کہیں غائب ہو گیا ہے۔ زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ وہ ملک سے باہر نکل گیا ہو۔ پیسے کا سارا حساب کتاب فرقان شاہ کے پاس تھا۔ لگ بھگ تیس

لاکھ روپے تھے اس کے ہاتھ میں۔ بڑا شاہ جی بالکل خالی ہو گیا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ الاٹیز کے بیچ موجود ہے اور بڑی شد و مد سے رقم کے انتظام میں لگا ہوا ہے تاکہ پروجیکٹ کو جلد از جلد مکمل کر کے الاٹیز کے حوالے کیا جا سکے۔ وہ اپنے فراڈ یا بھائی کو تو ڈھونڈ کر نہیں لا سکتا تاہم اس کی نیت بالکل صاف ہے۔ وہ جلد یا بہ دیر الاٹیز کی امیدوں پر پورا اتر کے دکھا دے گا۔ وغیرہ وغیرہ......!''

یہ صورت حال خاصی مایوس کن تھی تاہم الاٹیز کے پاس صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا لہٰذا دوسرے لوگوں کی طرح نیازی بھی صبر کرنے پر مجبور تھا۔ ممکن تھا کہ وہ کافی عرصہ صبر کئے بیٹھا رہتا کہ ایک سنسنی خیز واقعے نے اس کی رات کی نیند اور دن کا سکون اڑا کر رکھ دیا۔ ایک روز وہ آفس سے واپسی پر جب ڈائمنڈ پلازہ کی طرف سے گزرا تو اس کے جی میں آئی کہ سائٹ آفس جا کر تازہ ترین صورت حال سے آگاہی حاصل کرے۔ جب وہ پلازا کے سامنے پہنچا تو یہ دیکھ کر اس کے ہوش اڑ گئے کہ پلازا کے دس فیصد فلیٹ آباد ہو چکے تھے۔ گیلریوں کے باہر بندھی ہوئی الگنیاں اور ان پر لہلہاتے ہوئے کپڑے اس بات کا بین ثبوت تھے کہ وہاں فیملیز رہائش پذیر ہو چکی ہیں جس کا واضح مطلب یہی تھا کہ ان لوگوں کو فلیٹ کا قبضہ مل چکا تھا۔ یہ منظر دل خوش کن تھا۔ وہ اپنے فلیٹ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے دفتر کے اندر گھس گیا۔

آفس کے عملے میں اکثر نئے چہرے نظر آ رہے تھے۔ بکنگ کلرک، کیشئر، چپراسی سب نئی بھرتی تھی۔ نیازی نے معلوماتی کاؤنٹر پر جا کر مسرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''جناب! کیا ڈائمنڈ پلازہ کے الاٹیز کو قبضہ دینے کا کام شروع ہو گیا ہے؟''

''جی صاحب! بالکل......'' اس شخص نے بتایا۔

''مجھے اپنے فلیٹ کے بارے میں پوچھنا تھا؟''

''آپ اس کاؤنٹر پر چلے جائیں۔'' وہ شخص بکنگ کلرک کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔'' وہ آپ کو سب کچھ بتا دیں گے۔''

نیازی نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور بکنگ کلرک کے پاس پہنچ گیا۔ پہلے والا بکنگ کلرک اسے اچھی طرح جانتا تھا اور نیازی جب بھی وہاں پہنچتا وہ مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ اس کا استقبال کرتا تھا اور رسمی علیک سلیک بھی لازمی تھی لیکن نئے کلرک نے نیازی پر نظر

پڑتے ہی کھرے لہجے میں کہا۔

''جی فرمائیں......؟''

''وہ پہلے والے کلرک صاحب کہاں چلے گئے ہیں؟'' نیازی نے پوچھا۔

''ان کی چھٹی کر دی گئی ہے۔'' اس نے بتایا۔'' بلکہ جن ملازموں کو چھوٹے شاہ جی نے رکھا تھا، بڑے شاہ جی نے ان سب کو فارغ کر دیا ہے۔ بڑے شاہ جی کہتے ہیں......فرقان شاہ فراڈ نکلا ہے تو اس کے رکھے ہوئے بندے بھی کسی موقع پر دھوکا دے سکتے ہیں۔ صاحب بڑا خراب وقت آ گیا ہے۔ لوگوں کے خون سفید ہو گئے ہیں۔ بھائی، بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔ اللہ معاف کرے......!''

''یہ تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' نیازی نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔

''اللہ ہم سب کی حفاظت کرے۔''

''خیر......!'' کلرک ایک ٹھنڈی سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔''فرمائیں، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

''میں نے بھی اس پلازہ میں ایک ٹائپ تھری فلیٹ بک کرا رکھا ہے۔'' نیازی نے بتایا ''اسی کے قبضے کے بارے میں معلوم کرنے آیا ہوں۔''

''آپ فلیٹ کی فائل ساتھ لائے ہیں؟'' کلرک نے استفسار کیا۔

''نہیں جناب! فائل تو گھر میں رکھی ہے۔''

''فائل مکمل تو ہے نا؟'' کلرک نے پوچھا۔

''جی ہاں......بالکل مکمل ہے۔'' نیازی نے جوش بھرے لہجے میں بتایا۔''میں نے ہر چھوٹی بڑی ادائی کر دی ہے۔ سب رسیدیں بھی فائل کے اندر لگی ہوئی ہیں۔''

''تب تو ٹھیک ہے۔'' وہ اطمینان سے گردن ہلاتے ہوئے بولا۔'' آپ کل کسی وقت فائل لے کر آ جائیں۔ آپ کو کاغذات کی اوریجنل فائل کے ساتھ قبضہ دے دیا جائے گا۔''

نیازی کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اس نے جذبات سے مغلوب آواز میں کہا۔'' آپ چاہیں تو اپنے ریکارڈ میں چیک کر کے تسلی کر سکتے ہیں۔ میرے فلیٹ کا نمبر ہے تین سو تین......!''

''سوری جناب!'' کلرک نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔'' بڑے شاہ جی نے سختی

سے منع کر رکھا ہے کہ غیر متعلقہ افراد کو کسی بھی نوعیت کی معلومات فراہم نہ کی جائیں۔ جب سے چھوٹے شاہ جی فراڈ کر کے غائب ہوئے ہیں' بڑے شاہ جی اس پروجیکٹ کے حوالے سے بہت محتاط ہو گئے ہیں۔"

"لیکن صاحب! میں تو غیر متعلق شخص نہیں ہوں۔"

نیازی نے شکایتی نظر سے نئے کلرک کی طرف دیکھا۔"پچھلے تین سال سے میرا یہاں آنا جانا ہے۔اس پلازہ میں مجھے ایک فلیٹ الاٹ ہوا ہے۔ میں نے باقاعدگی کے ساتھ اس کی ساری اقساط بھری ہیں۔ میں غیر متعلق کیسے ہو سکتا ہوں؟"

"آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں۔ میں آپ کی باتوں کو جھٹلا تو نہیں رہا۔" کلرک نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔"میں نے تو ایک اصولی بات بیان کی ہے۔ میں چونکہ آپ کو شکل وصورت سے نہیں جانتا اس لئے مجھے اس وقت آپ کے الاٹی ہونے کا یقین آئے گا جب آپ فلیٹ کی فائل اپنے ساتھ لے کر آئیں گے۔"

کلرک کے ساتھ بحث کا کوئی جواز نظر نہیں آتا تھا لہٰذا نیازی واپس آ گیا تاہم واپسی کے سفر میں اس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ وہ بڑے فخر کے ساتھ ریحانہ کو یہ خوش خبری دینے والا تھا کہ کل انہیں ان کے ذاتی فلیٹ کا قبضہ مل جائیگا۔

ریحانہ کی خوشی کا بھی کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ یہ خبر تھی ہی ایسی کہ انہیں جسم وجاں سے نہال کر گئی تھی۔ وہ لمحہ آن پہنچا تھا جس کے لئے انہوں نے ایک ایک دن گن گن کر گزارہ تھا۔ ان تین سال کے دوران میں دو تین ایسے مرحلے بھی آئے تھے جب انہیں فلیٹ ہاتھ سے نکلتا اور رقم ڈوبتی محسوس ہوئی تھی لیکن پھر تقدیر ان پر مہربان ہو گئی تھی۔ ظفر ماموں بھی ان کی خوشی میں برابر کے شریک تھے۔ انہوں نے اخلاقی اور مالی دونوں طریقوں سے ان کی حتی الامکان مدد کی تھی۔

اگلی صبح نیازی اور ریحانہ ناشتے کے فوراً بعد "ڈائمنڈ پلازا" کے آفس پہنچ گئے۔ نیازی نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ وہ قبضہ ملنے کے بعد اپنے فلیٹ پر نیا تالا ڈالے گا اور پھر آفس چلا جائے گا۔ اس مقصد کے لئے اس نے رات ہی کو چائنا کا ایک بڑا سا مضبوط تالا بھی خرید لیا تھا۔ وہ لوگ کلرک کی آمد سے بھی پہلے پلازہ کے آفس پہنچ گئے تھے۔ فائل کو نیازی نے بڑی حفاظت سے تھام رکھا تھا۔

کلرک اپنی سیٹ پر متمکن ہوا تو نیازی اس کے پاس پہنچ گیا۔ کلرک نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"آپ رات کو بھی آئے تھے نا......؟"

"جی......جی......" نیازی نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

"لائیں فائل دکھائیں۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔

نیازی نے فائل اس کی جانب بڑھا دی۔

کلرک نے بہ غور فائل کا جائزہ لیا۔ نیازی یک ٹک کلرک کے چہرے کو دیکھے جا رہا تھا کلرک کے چہرے پر الجھن کے آثار پیدا ہوئے تو نیازی کو گھبراہٹ محسوس ہونے لگی۔ وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"جناب! آپ خاموش کیوں ہیں؟"

"خالد نیازی آپ ہی ہیں نا؟" کلرک نے اس کے سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں' میں ہی ہوں" اس نے جلدی سے اثبات میں گردن ہلائی۔"آپ کو کوئی شک ہو رہا ہے تو میں اپنا کارڈ دکھاتا ہوں......"

"بات شک کی نہیں ہے نیازی صاحب......!"

"پھر کیا بات ہے؟" ریحانہ جو نیازی کے قریب ہی بیٹھی تھی چونک کر مستفسر ہوئی۔

"ایک منٹ......!" کلرک نے ان کی طرف دیکھے بغیر کہا۔"میں پہلے اپنا ریکارڈ چیک کرلوں پھر بتاتا ہوں۔"

ریحانہ اور نیازی نے پریشان نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ریحانہ بولی۔"نیازی' یہ کیا چکر ہے؟"

"مجھے کیا معلوم......!" وہ الجھی ہوئی آواز میں بولا۔

"تم تو رات کو بھی یہاں سے ہو کر گئے ہو نا......!" وہ ٹٹولتی ہوئی نظر سے اپنے شوہر کو دیکھتے ہوئے بولی۔"اگر کوئی ایسی ویسی بات تھی تو......"

"آپ لوگ آپس میں نہ الجھیں پلیز۔" کلرک نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے سپاٹ آواز میں کہا۔"سارا چکر میری سمجھ میں آ گیا ہے۔"

"کیسا چکر؟" وہ دونوں بہ یک زبان ہو کر بولے۔

"دیکھیں صاحب!" کلرک نیازی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ "کیا یہ درست ہے کہ ماہانہ اقساط کی ادائی میں ایک قسط دس دن اور دوسری قسط بارہ دن مقررہ تاریخ سے لیٹ جمع کرائی تھی......؟"

"جی ہاں' ایسا ہوا تھا۔" نیازی نے تصدیق کی۔

"اور ہر چھ ماہ کے بعد جو آٹھ ہزار ادائی والی پے منٹ تھیں ان میں سے بھی آپ نے ایک پے منٹ مقررہ تاریخ گزر جانے کے ڈیڑھ ماہ بعد جمع کرائی تھی؟"

"جی' یہ حقیقت ہے۔" نیازی نے ایک مرتبہ پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "لیکن آپ سے پہلے جو کلرک تھے انہوں نے مجھے یقین دلایا تھا کہ اس معمولی تاخیر سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

کلرک اس کی سنی ان سنی کرتے ہوئے بولا۔ "اور سب سے آخر والی بیس ہزار کی پے منٹ جو لگ بھگ تین ماہ پہلے آپ نے جمع کرائی ہے وہ بھی مقررہ تاریخ سے کوئی ڈیڑھ دو ماہ لیٹ تھی؟"

"جناب! میں نے عرض کیا ہے نا کہ آپ سے پہلے والے کلرک نے کہا تھا' مجھے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

نیازی اپنی صفائی دیتے ہوئے بولا۔ "یہ معمولی سی......"

"دیکھیں نیازی صاحب!" کلرک قطع کلامی کرتے ہوئے خشک لہجے میں بولا۔ "کوتاہی معمولی سی ہو یا بہت بڑی......وہ کوتاہی ہی کہلائے گی۔ ہم لوگ ایگری منٹ پر درج قواعد وضوابط کا بڑی سختی سے پاسداری کرتے ہیں اور آپ کو بھی ایسا ہی کرنا ہوگا......!"

"مطلب کیا ہے' آپ کا؟" پہلی مرتبہ نیازی کے لہجے میں درشتی آئی۔

"صاف سی بات ہے۔" وہ بے پروائی سے بولا۔ "قواعد وضوابط کی رو سے آپ تین بار ڈی فالٹر ہو چکے ہیں......"

"تو......؟" ریحانہ نے بکھری ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"تو آپ کی بکنگ کینسل کر دی گئی ہے۔" کلرک نے ٹھہرے ہوئے انداز میں بتایا۔ "دو ماہ پہلے آپ کا فلیٹ کسی اور پارٹی کو الاٹ کر دیا گیا ہے۔"

یہ اطلاع ان دونوں میاں بیوی کے لئے کسی دھماکے سے کم نہیں تھی۔ نیازی نے

احتجاجی لہجے میں کہا۔

اگر ایسی کوئی بات تھی تو مجھے اسی وقت کیوں نہیں بتا دیا گیا جب پہلی بار پے منٹ لیٹ ہوئی تھی؟"

"آپ کا اعتراض جائز ہے نیازی صاحب۔"

کلرک نے تحمل سے جواب دیا۔ "مجھ سے پہلے جو کلرک تھا اسے یقیناً آپ پر یہ واضح کر دینا چاہئے تھا۔ پہلی بار نہیں تو دوسری مرتبہ' دوسری مرتبہ نہیں تو تیسری دفعہ......"

"یہ تو آپ کے کلرک کی غلطی ہوئی نا۔" ریحانہ نے برہمی سے کہا۔ "اس کے کئے کی سزا ہم کیوں بھگتیں۔ ہم نے تو فلیٹ کی پوری قیمت چکا دی ہے......"

"میڈم! بڑے شاہ جی کے ساتھ لاکھوں کا فراڈ ہوا ہے۔ کسی اور نے نہیں بلکہ سگے چھوٹے بھائی نے انہیں دھوکا دیا ہے۔" کلرک اپنی کمپنی کی حمایت کرتے ہوئے بولا۔

"پہلے والا کلرک بھی چھوٹے شاہ جی ہی کا رکھا ہوا بندہ تھا۔ اس کے بھی کافی گھپلے سامنے آئے ہیں اسی لئے بڑے شاہ جی نے اسے ملازمت سے نکال دیا ہے۔"

"شاہ جی اسے ملازمت سے نکالیں یا جہنم میں پھینکیں' ہمیں اس بات سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ ہی غرض۔" ریحانہ غصے سے بولی۔ "ہم نے فلیٹ کی قیمت کلرک کو نہیں بلکہ "شاہ بلڈرز" کو ادا کی ہے اور "شاہ بلڈرز" بڑے شاہ جی کی کمپنی ہے۔ ان کے چھوٹے بھائی نے ان کے ساتھ کیا کیا' وہ ہمارا مسئلہ نہیں۔"

"یقیناً وہ آپ کا مسئلہ نہیں۔" کلرک نے تائیدی انداز میں کہا۔ "کمپنی نے آپ کا فلیٹ اس لئے کینسل نہیں کیا کہ چھوٹے شاہ جی کمپنی کے ساتھ کسی قسم کا فراڈ کر کے غائب ہو گئے ہیں......"

"پھر......" ریحانہ کلرک کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی بول اٹھی۔ "پھر ہمارا فلیٹ کینسل کر کے کسی اور پارٹی کو کیوں الاٹ کر دیا گیا ہے؟"

"اس لئے کہ قواعد وضوابط کی رو سے ایک نہیں' آپ تین بار ڈی فالٹر ہو چکے تھے۔"

کلرک نے واشگاف الفاظ میں کہا۔ "آپ نے وہ ایگری منٹ سائن کیا ہے جس پر درج قواعد وضوابط کا میں ذکر کر رہا ہوں......"

"کیا کسی فلیٹ کو کینسل کرنے یا کسی نئی پارٹی کو الاٹ کرنے کے اختیارات آپ کے

پاس ہیں؟" نیازی نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

"فائنل اتھارٹی تو بڑے شاہ جی ہی ہیں۔" کلرک نے بتایا۔ "ہم لوگ انہیں مشورہ دے سکتے ہیں اور وہ خود بھی ہم سے گاہے بگاہے مشورہ لیتے رہتے ہیں۔"

"میں بڑے شاہ جی سے ملنا چاہتا ہوں۔" نیازی نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"فوری طور پر تو یہ ممکن نہیں جناب۔" کلرک روکھے انداز میں بولا۔

"میں شام میں آجاتا ہوں۔"

"نہیں جناب!" کلرک دوٹوک لہجے میں بولا۔ "اگر آپ کو شاہ جی سے ملنا ہے تو دو ماہ تک انتظار کرنا ہوگا......" لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک گہری سانس خارج کی اور بولا۔

"میں سمجھتا ہوں' بڑے شاہ جی سے ملاقات کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ قصور آپ کا ہے۔ کمپنی کے اصول کے مطابق' ہم نے آپ کی بکنگ کینسل کر کے دوسری پارٹی کو اس فلیٹ کا قبضہ دے دیا ہے۔ وہ لوگ تو اب فلیٹ نمبر تین سو تین میں رہائش بھی اختیار کر چکے ہیں۔ انہوں نے یکمشت پے منٹ کر دی تھی۔"

"کون ہیں وہ لوگ؟" ریحانہ نے سرسراتی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"کامران نام ہے ان کا۔" کلرک نے بتایا "وہ اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ اس فلیٹ میں شفٹ ہوئے ہیں۔ کامران صاحب کا تعلق پولیس ڈیپارٹمنٹ سے ہے۔"

"پولیس......!" ریحانہ اور نیازی نے بیک وقت ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

پولیس کا نام سن کر ان کی رہی سہی امید بھی جاتی رہی تھی۔ ایک تو بلڈر ہی سے نمٹنا تقریباً ناممکن دکھائی دے رہا تھا اوپر سے وہ فلیٹ کسی پولیس والے کو الاٹ ہو چکا تھا۔

نیازی نے مریل سی آواز میں کلرک سے پوچھا۔

"شاہ جی سے ملاقات کے لئے دو ماہ تک انتظار کیوں کرنا پڑے گا؟"

"بڑے شاہ جی حج پر گئے ہوئے ہیں۔" کلرک نے بتایا۔ "ان کی واپسی دو ماہ کے بعد ہوگی۔"

ریحانہ نے بڑا اہم سوال کیا۔ "فرض کریں' ہماری ہی کسی غلطی کے سبب وہ فلیٹ کسی اور کو الاٹ ہو چکا ہے لیکن یہ بھی تو ایک ٹھوس حیثیت ہے نا کہ ہم نے اس فلیٹ کے حصول کے لئے "شاہ بلڈرز" کو ایک لاکھ چالیس ہزار روپے ادا کئے ہیں۔ ہمارے پاس ہر چھوٹی بڑی

ادائی کی رسید موجود ہے۔"

"میں کب اس حقیقت سے انکار کر رہا ہوں میڈم!"

کلرک زیر لب مسکراتے ہوئے بولا۔ "آپ کی ادا کردہ رقم ایک امانت کی حیثیت سے "شاہ بلڈرز" کے پاس محفوظ ہے اور آپ کمپنی کے قواعد کی روشنی میں وہ رقم واپس لے سکتے ہیں۔"

"ایگری منٹ میں تو یہی اصول درج ہے۔ کہ بکنگ کینسل ہونے کی صورت میں پروجیکٹ کی تکمیل کے بعد جمع شدہ رقم واپس کر دی جائے گی۔" نیازی نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "اور یہ پروجیکٹ تو اب مکمل ہو چکا۔"

"جی ہاں' بالکل......" کلرک تائیدی انداز میں بولا۔ "نہ صرف پروجیکٹ مکمل ہو چکا بلکہ دس سے پندرہ فیصد فلیٹس میں تو لوگوں نے رہائش بھی اختیار کر لی ہے۔"

"تو پھر براہ مہربانی آپ ہماری رقم واپس کر دیں۔"

نیازی نے دانش مندی کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے نہ تو بڑے شاہ جی سے ملنا ہے اور نہ ہی کسی اور سے۔"

ریحانہ نے بھی شوہر کی تائید میں کہا۔ "ہم کسی سے لڑائی جھگڑا تو کر نہیں سکتے۔ اب اس مسئلے کا آخری حل یہ ہے کہ آپ ہمارے ایک لاکھ چالیس ہزار لوٹا دیں۔"

"آپ کی ادا کردہ رقم میرے نہیں بلکہ شاہ جی کے اکاؤنٹ میں محفوظ ہے۔" کلرک انہیں ہری جھنڈی دکھاتے ہوئے بولا۔ "آپ کو ہر صورت میں شاہ جی کی واپسی کا انتظار کرنا ہوگا البتہ......" لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک بوجھل سانس خارج کی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

"البتہ......میں آپ کو اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی رقم بالکل محفوظ ہے۔ اس سلسلے میں آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

وہ دونوں گردنیں جھکا کر ستے ہوئے چہروں اور بوجھل دلوں کے ساتھ آفس سے باہر نکل آئے۔ یہ حقیقت تھی کہ جو صورت حال ان کے سامنے آئی تھی اس میں اگر ان کے ایک لاکھ چالیس ہزار ہی واپس مل جاتے تو وہ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے۔

واپسی کی راہ اختیار کرتے ہوئے ریحانہ نے کہا۔

"نیازی کیوں نہ ہم ایک نظر اپنے فلیٹ کو دیکھتے چلیں......!"

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔" وہ جھنجھلاہٹ بھرے انداز میں بولا۔ "تم کس فلیٹ کو اپنا کہہ رہی ہو......وہ جو ہمارا ہونے سے پہلے ہی کسی پولیس والے کا ہو چکا ہے۔"

"اس میں بھی تو تمہارا ہی قصور ہے نا۔" ریحانہ بگڑ کر بولی۔ "اگر تم بروقت قسطیں......!"

"بکواس بند کرو......" وہ یکدم غصے میں آ گیا۔ "اس دنیا کے ہر الٹے کام میں تمہیں میرا ہی ہاتھ نظر آتا ہے۔ میں بلڈر کا حرامی پن صاف سمجھ رہا ہوں۔ یہ لوگ کسی بھی حیلے بہانے سے الاٹیز کو ڈی فالٹر کرنے کے چکر میں رہتے ہیں۔ ان کی رقم سے یہ پلازا کھڑے کرتے ہیں پھر جب بلڈنگ رہائش کے قابل ہو جاتی ہے تو کسی دوسری پارٹی سے زیادہ رقم لے کر فلیٹ اس کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اگر شاہ جی کی نیت صاف تھی تو ہمیں اسی وقت ڈی فالٹر کر دینا چاہئے تھا جب میری طرف سے پہلی قسط لیٹ ہوئی تھی۔ یہ بدمعاش بلڈرز پروجیکٹ مکمل ہونے کا انتظار کرتے رہتے ہیں کیونکہ تیار فلیٹ کی زیادہ قیمت مل جاتی ہے۔ مجھے یقین ہے شاہ جی نے پولیس والے کامران کو دو ڈھائی لاکھ سے کم میں یہ فلیٹ نہیں بیچا ہوگا۔ جب وہ ہمارے ایک لاکھ چالیس ہزار واپس کرے گا تو کم از کم ایک لاکھ کا پرافٹ پھر بھی اس کی جیب میں چلا جائے گا......" وہ لمحے بھر کو رکا پھر زہریلے انداز میں اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"سچ کہتے ہیں ...... پیسا پیسے کو کھینچتا ہے۔ کاروبار چاہے بے ایمانی کا ہو یا نیک نیتی کا...... ہر جگہ یہی اصول کارفرما دکھائی دیتا ہے......"

"کچھ بھی ہے۔" ریحانہ ایک ٹھنڈی سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔ "فلیٹ تو ہاتھ سے نکل گیا۔ اب تم گھر جاؤ گے یا آفس؟"

"گھر ہی چلتے ہیں۔" وہ بوجھل آواز میں بولا۔ "آج آفس جانے کو جی نہیں چاہ رہا......"

دو ماہ تک وہ شاہ جی کی واپسی کا انتظار کرتے رہے۔ پھر پتا چلا، وہ سعودیہ سے ایران چلے گئے ہیں۔ بہرحال ایران، عراق اور شام وغیرہ سے ہوتے ہوئے جب وہ واپس کراچی پہنچے تو اس دوران میں چار ماہ سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔ یہاں آتے ہی ان کی طبیعت ناساز ہو گئی۔ ہفتے دس دن میں ایک آدھ چکر اس کا لگ جاتا۔ نیازی نے ہمت اور کوشش کر

کے شاہ جی سے ایک آدھ ملاقات بھی کر لی لیکن رقم وصول ہونے کی کوئی سبیل نہ بن سکی۔ شاہ جی یہ تو مانتے تھے کہ وہ نیازی کی رقم ضرور واپس کریں گے مگر کبھی حالات کا رونا اور کبھی طبیعت کا بہانہ کر کے وہ چکنی مچھلی کی طرح نیازی کے ہاتھ سے نکل جاتے تھے۔

جب خالد نیازی کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ شاہ جی کی نیت میں خرابی ہے اور وہ کسی بھی صورت مین اس کی رقم ادا کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے تو اس نے اپنا حق وصول کرنے کے لئے قانونی چارہ جوئی کے بارے میں سوچا تھا۔ مجھ سے اس کی ملاقات اسی سلسلے کی کڑی تھی۔

✧✧✧

پچھلی ملاقات پر وہ فائل میرے حوالے کرتے ہوئے بڑے شاہ جی یعنی قربان شاہ کی چکر بازیوں سے مجھے تفصیلاً آگاہ کر گیا تھا لہٰذا میں نے فیس وصول کر کے یہ کیس اپنے ہاتھ میں کر لیا تھا۔ اب کی بار جو وہ دوبارہ مجھ سے ملنے آیا تو امید بھرے انداز میں پوچھا۔

"بیگ صاحب! آپ نے اس فائل کا مطالعہ تو کر لیا ہوگا؟"

"جی ہاں ...... بہت اچھی طرح!" میں نے پراعتماد لہجے میں جواب دیا۔

"تو پھر کیا رائے ہے آپ کی۔" وہ بہ دستور امید بھری نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "آپ کو میرے کیس میں کوئی جان نظر آتی ہے؟"

"ایسی ویسی جان ......" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "نیازی صاحب! یہ ایک جاندار اور ایمان دار کیس ہے جس میں مجھے آپ کی کامیابی کے روشن امکانات نظر آ رہے ہیں۔ یہ دوسرے کیسوں کی بہ نسبت مختلف نوعیت کا کیس ہے۔"

"گویا میری ڈوبی ہوئی رقم وصول ہو جائے گی؟" وہ امید بھری، تصدیق طلب نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

"کیوں نہیں۔" میں نے پروثوق انداز میں کہا۔

"لیکن اس کے لئے آپ کو میری ہدایات پر من وعن عمل کرنا ہوگا نیازی صاحب!"

"آپ جو بھی حکم کریں گے، میں اس کی تعمیل کروں گا۔" وہ فرماں برداری سے بولا۔

میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "نیازی صاحب! شاہ جی جیسے فراڈیا لوگوں کو بڑے طریقے سلیقے سے گھیرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ لوگ چونکہ بہ یک وقت کئی افراد سے فراڈ کر رہے ہوتے ہیں اس لئے کورٹ کچہری کا سامنا کرنے یا ان کے معاملات کو اخبارات کی

زینت بننے میں انہیں خاصی گھبراہٹ ہوتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ کیس کو کورٹ میں لے جائے بغیر‘ میں یہاں‘ اس آفس ہی میں شاہ جی سے بہ آسانی نمٹ لوں گا۔‘‘

’’اچھا......وہ کیسے؟‘‘ وہ بے یقینی سے مجھے تکنے لگا۔

میں نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا۔’’شاہ جی کی فطرت ایسے لوگ اس اصول کے تحت دھوکا دہی کا کاروبار کرتے ہیں کہ کمزور کو دباؤ اور خاموشی سے ہڑپ کر جاؤ اور اگر کسی زور آور سے پالا پڑ جائے تو اس کے سامنے فوراً گھٹنے ٹیک دو۔ اس دنیا میں چونکہ کمزور افراد کی تعداد زیادہ ہے لہٰذا اس قسم کے فراڈیئے زیادہ تر فائدے میں اور کبھی کبھار نقصان میں رہتے ہیں۔‘‘

’’میں پہلے کمزور تھا۔‘‘ وہ پرعزم لہجے میں بولا۔’’لیکن اب مجھے آپ جیسے قابل وکیل کا ساتھ اور تعاون حاصل ہے اس لئے میں خود کو کافی طاقتور محسوس کر رہا ہوں۔‘‘

’’اس لئے آپ کے معاملے میں شاہ جی کے ساتھ کبھی کبھار والی صورت حال پیش تو آئے گی۔‘‘ میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔’’وہ گھٹنے ٹیک دے گا اور خود نقصان میں رہ کر آپ کی رقم واپس کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔‘‘

’’وہ مگر مچھ میرے ایک لاکھ چالیس ہزار روپے بڑے مزے سے ہڑپ کر کے بیٹھا ہے۔‘‘ وہ زہر خند لہجے میں بولا۔’’اسے میری رقم اگلنا ہی ہو گی......‘‘

’’نیازی صاحب!‘‘ میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔’’یہاں میں ایک بات کی تصحیح کرنا ضرور سمجھتا ہوں۔‘‘

’’کون سی بات؟‘‘ وہ سوالیہ نظر سے مجھے تکنے لگا۔

’’جہاں تک میں سمجھ پایا ہوں یا جہاں تک آپ کے فلیٹ کی فائل نے میری رہنمائی کی ہے اس کے مطابق آپ نے ’’شاہ بلڈرز‘‘ کو مختلف اقساط کی صورت میں لگ بھگ اسی ہزار روپے ادا کئے ہیں۔ ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن کے ساٹھ ہزار ملانے کے بعد فلیٹ کی کل قیمت ایک [illegible] لیس ہزار بنتی ہے‘ چونکہ آپ کو فلیٹ کا قبضہ نہیں ملا لہٰذا ’’ایچ بی ایف سی‘‘ کی اقساط بھی شروع نہیں ہو سکیں۔ یہ ساٹھ ہزار تو آپ نے فلیٹ میں رہائش اختیار کرنے کے بعد آسان اقساط کی صورت ادا کرنا تھے......آپ میری بات سمجھ گئے نا؟‘‘

’’جی......اچھی طرح سمجھ گیا۔‘‘ وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔’’آپ حکم کریں‘

مجھے کیا کرنا ہو گا؟‘‘

آئندہ پندرہ بیس منٹ میں اسے میں نے اچھی طرح سمجھا دیا کہ میں اس سے کس نوعیت کا تعاون چاہتا ہوں۔ اس نے پوری توجہ سے میری بات سنی اور میرے خاموش ہونے پر کہا۔

’’آپ بالکل بے فکر ہو جائیں بیگ صاحب! میں آپ کی مطلوبہ معلومات دو تین دن میں آپ کو فراہم کر دوں گا۔‘‘

’’دو تین دن نہیں‘ میں اس کام کے لئے آپ کو پورا ایک ہفتہ دیتا ہوں۔‘‘ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

’’میں اس دوران خود بھی شاہ جی پر تھوڑی ریسرچ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کو ایک بات کا خاص طور پر خیال رکھنا ہو گا......‘‘

میں سانس ہموار کرنے کے لئے تھما تو اس نے پوچھ لیا۔’’جی‘ کون سی بات بیگ صاحب؟‘‘

’’کسی بھی قیمت پر شاہ جی کو یہ بھنک نہیں پڑنا چاہئے کہ آپ نے اپنا کیس کسی وکیل کے ہاتھ میں دے رکھا ہے۔‘‘ میں نے تھوڑا آگے جھک کر سمجھانے والے انداز میں کہا۔’’اور یہ کہ آپ شاہ جی کے خلاف کسی قسم کی قانونی چارہ جوئی کا ارادہ رکھتے ہیں۔‘‘

’’جی میں اچھی طرح سمجھ گیا۔‘‘ وہ سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے بولا۔’’میں آپ کی ہدایات کا پوری طرح خیال رکھوں گا۔ میری کارکردگی آپ کو مایوس نہیں کرے گی۔‘‘

میں نے اسے رخصت کر دیا۔

آئندہ چند روز میں‘ میں نے اپنے تعلقات کے گھوڑے ہر سمت دوڑائے اور ’’شاہ بلڈرز‘‘ خصوصاً بڑے شاہ جی قربان علی کے حوالے سے بہت سی سنسنی خیز معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس مہم جوئی میں کئی ایک تہلکہ خیز انکشافات بھی ہوئے جن کا ذکر میں آگے چل کر عدالتی کارروائی کے دوران میں کسی مناسب موقع پر کروں گا‘ بشرطیکہ ایسا کوئی موقع آیا تو......!

ایک ہفتے کے بعد خالد نیازی میرے دفتر آیا۔ س کے چہرے پر دبا دبا جوش اس امر کا غماز تھا کہ میں نے اس کے ذمے جو کام لگایا تھا وہ اسے کرنے میں خاطر خواہ کامیاب رہا

تھا۔رسمی علیک سلیک کے بعد میں نے پوچھا۔

''نیازی صاحب!کیا رہا؟''

''آپ کے حکم کے مطابق' میں نے وہ ساری معلومات جمع کرلی ہیں جن کی بنا پر شاہ جی کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔'' اس نے سرسراتی ہوئی آواز میں بتایا۔''آپ کی ہدایت کی روشنی میں مجھے کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔''

''ویری گڈ!'' میں نے سراہنے والے انداز میں کہا۔

ہمارے درمیان تھوڑی دیر تک اس کیس کے مختلف پہلوؤں پر بات ہوتی رہی۔ پھر میں نے تسلی دینے کے بعد اسے رخصت کردیا۔

دوروز کے بعد ان حاصل شدہ معلومات کو ذہن میں رکھتے ہوئے میں نے ''شاہ بلڈرز'' کے روح رواں شاہ جی قربان علی کے نام ایک قانونی نوٹس بذریعہ رجسٹری ڈاک پوسٹ کر دیا۔اس نوٹس کا مضمون انگلش میں کچھ اس طرح تھا۔

''میرے موکل مسمی خالد نیازی ولد افضل نیازی رہائشی گولیمار مکان نمبر فلاں بٹا فلاں جو کہ آپ کے رہائشی پروجیکٹ ''ڈائمنڈ پلازا'' واقع گارڈن ویسٹ نزد چڑیا گھر کا الاٹی ہے۔اس نے مجھے بتایا ہے کہ آپ نے اپنے مختلف تعمیراتی ہتھکنڈوں کے ذریعے مرحلہ وار فراڈ کر کے اس سے لگ بھگ اسی ہزار بٹور لئے ہیں لیکن پروجیکٹ کی تکمیل کے بعد آپ نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔مذکورہ اپارٹمنٹس بلڈنگ ''ڈائمنڈ پلازا'' کا فلیٹ نمبر تھری ناٹ تھری یعنی تین سو تین جس کی بکنگ میرے موکل کے نام سے تھی اور وہی اس فلیٹ کا الاٹی بھی تھا مگر آپ نے مختلف حیلوں بہانوں سے خالد نیازی کو ڈی فالٹر قرار دے کر مذکورہ فلیٹ کسی پولیس والے کے ہاتھ مہنگے داموں فروخت کر دیا ہے۔آپ کا یہ فعل سراسر غیر اخلاقی' غیر قانونی اور غیر انسانی ہے۔میں خالد نیازی کا وکیل مرزا امجد بیگ اس لیگل نوٹس کے ذریعے آپ کو متنبہ کرتا ہوں کہ اس نوٹس کی ترسیل کے بعد عرصہ دس یوم کے اندر میرے مؤکل کی رقم مبلغ اسی ہزار روپے' شرافت کے ساتھ اسے واپس کر دیں۔ بہ صورت دیگر آپ کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائے گی......''

اس نوٹس کے اندر بعض خالصتاً قانونی نوعیت کی ٹیکنیکل باتیں بھی شامل تھیں جن کا ذکر آپ کو بور کرنے کے مترادف ہوگا لہٰذا ہم چپکے سے آگے بڑھتے ہیں۔

اس نوٹس کو پوسٹ کئے پانچ یا چھ دن ہوئے تھے کہ ایک باریش شخص میرے دفتر میں داخل ہوا۔اس کی عمر پچاس کے آس پاس رہی ہوگی۔چہرہ سرخ و سپید' ڈاڑھی درمیانے سائز کی اور شب دیجور کی طرح سیاہ۔ڈاڑھی کے بالوں کا رنگ سر کے بالوں سے مماثلت نہیں رکھتا تھا۔ڈاڑھی کی ایک دم سیاہ رنگت کو دیکھتے ہی اندازہ ہوجاتا تھا کہ اس نے کوئی اعلیٰ درجے کا خضاب (ہیئر ڈائی) استعمال کر رکھا تھا۔لباس سفید اور کلف دار تھا۔اس کے اوپر سیاہ واسکٹ اور پاؤں میں پشاوری چپل تھی۔اس کی شخصیت مجموعی طور پر خاصی پرکشش اور متاثر کن تھی۔اس نے ہاتھ میں ایک عالی شان' قیمتی بریف کیس بھی اٹھا رکھا تھا۔

میں نے حسب معمول پیشہ ورانہ مسکراہٹ سے اس کا استقبال کیا اور اسے بیٹھنے کے لئے کہا۔ وہ گہری سنجیدگی کے ساتھ ایک کرسی کھینچ کر میرے سامنے بیٹھ گیا۔میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''جی فرمایئے......میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟''

''غالباً......'' وہ سوالیہ نظر سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔''مرزا امجد بیگ آپ ہی ہیں؟''

''غالباً نہیں......'' میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔''یقیناً میں ہی مرزا امجد بیگ ایڈووکیٹ ہوں۔''

اس نے اپنا بریف کیس کھولا اور اس میں سے ایک لفافہ نکال کر میری جانب بڑھاتے ہوئے مستفسر ہوا۔''یہ نوٹس آپ ہی کے دفتر سے ارسال کیا گیا ہے نا؟''

یہ وہی لفافہ تھا جو میں نے چند روز قبل بڑے شاہ جی کے نام پوسٹ کرایا تھا۔گویا اس وقت قربان شاہ فراڈ یا بہ نفس غلیظ میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔

''جی ہاں......یہ نوٹس میں نے ہی بھیجا تھا۔'' میں نے بلاتردد کہہ دیا۔

وہ بولا۔''میں اس لفافے کی پشت پر درج ایڈریس کی انگلی تھام کر آپ کے آفس تک پہنچا ہوں۔''

''غالباً آپ بڑے شاہ جی ہیں؟'' میں نے اسے ٹٹولتی ہوئی نظر سے دیکھتے ہوئے کہا۔''قربان علی شاہ......شاہ بلڈرز والے۔''

''میں بھی آپ کی طرح غالباً نہیں' یقیناً ہوں۔'' وہ میری آنکھوں میں بہت دور تک

جھانکتے ہوئے بولا۔

''آپ مجھے قربان شاہ سمجھ سکتے ہیں۔''

''اوکے......'' میں نے ایک گہری سانس خارج کی اور پوچھا۔''شاہ جی! میں آپ کے لئے کیا کرسکتا ہوں؟''

''میں اس نوٹس کا مقصد جاننا چاہتا ہوں؟'' وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔

میں نے کہا۔''مقصد اس نوٹس کی تحریر میں واضح اور سادہ الفاظ کی مدد سے اجاگر کیا گیا ہے۔لگتا ہے' آپ نے اس نوٹس کو توجہ سے نہیں پڑھا۔''

''میں اس نوٹس کے ایک ایک پوائنٹ پر غور کر چکا ہوں۔'' وہ خفگی آمیز لہجے میں بولا۔''اور یہ بات میری سمجھ میں آگئی ہے کہ آپ کیا چاہتے ہیں......!''

''جب آپ سب کچھ سمجھ چکے ہیں تو پھر میرے پاس آنے کی زحمت کیوں گوارا کی۔''میں نے روکھے انداز میں کہا۔''بائی دا وے......کیا آپ مجھے بتانا پسند کریں گے کہ آپ کی سمجھ میں کیا آرہا ہے؟''

''آپ ایک بلیک میلر وکیل ہیں۔'' وہ میرے طنزیہ انداز پر تلملا کر رہ گیا۔''مگر میری ایک بات ذہن نشین کرلیں کہ آپ جو کچھ چاہ رہے ہیں وہ ہو نہیں سکے گا۔''

''مطلب......؟''

''مطلب یہ کہ آپ مجھے اس نوٹس کی بنیاد پر بلیک میل کرنے میں کامیاب نہیں ہوں گے۔'' وہ بڑے اعتماد سے بولا۔''آپ قربان شاہ کو جانتے نہیں ہیں......''

''میں آپ کو جاننے سے کوئی دلچسپی رکھتا ہوں اور نہ ہی آپ پر پی ایچ ڈی کرنے کا میرا کوئی ارادہ ہے۔''میں نے سپاٹ آواز میں کہا۔''اور یہ خیال دل سے نکال دیں کہ میں نے آپ کو بلیک میل کرنے کے لئے یہ نوٹس بھیجا ہے۔اگر آپ نے اس نوٹس کا کوئی معقول تحریری جواب نہ دیا تو پھر ہماری آئندہ ملاقات عدالت کے کمرے میں ہوگی۔''

''آپ بہت جلدی ناراض ہو جاتے ہیں۔'' وہ ایک دم کینچلی بدلتے ہوئے بولا۔''ایک وکیل کو اتنا زیادہ جذباتی نہیں ہونا چاہئے۔''

میں اس کے اچانک بدلتے ہوئے انداز پر حیران رہ گیا اور بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔''آخر آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں؟''

''بیگ صاحب! آپ مجھے اپنا دوست ہی سمجھیں۔''

وہ زیرلب مسکراتے ہوئے بولا۔''میں ایک اچھے دوست کی طرح آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔''

''میں حادثاتی دوستی کا قائل نہیں ہوں شاہ جی۔'' میں نے دوٹوک انداز میں کہا۔''اور جس انداز میں آج ہمارا تعارف ہوا ہے اس کی روشنی میں تو دوستی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''تو پھر آپ مجھے اپنا کلائنٹ سمجھ لیں۔'' اس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

''کلائنٹ......کس کیس میں؟'' میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''بھئی اسی کیس میں جس کے لئے آپ نے مجھے یہ لیگل نوٹس بھیجا ہے۔'' وہ میز پر رکھے لفافے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

میں نے الجھن زدہ نظر سے اسے دیکھا اور کہا۔''اس کیس میں تو میں خالد نیازی کا وکیل ہوں۔آپ میرے کلائنٹ کیسے ہوسکتے ہیں؟''

''اس طرح کہ......'' وہ رازدارانہ انداز میں بولا۔

''آپ خالد نیازی کی وکالت سے ہاتھ کھینچ لیں۔''

''یہ کیسے ہوسکتا ہے۔'' میں نے برہمی سے اس کی طرف دیکھا۔'' میں نے خالد نیازی سے اس کام کی فیس وصول کی ہے۔''

''اس کی فیس آپ واپس کر کے اس کیس سے معذرت کرلیں' وہ کمال ڈھٹائی سے بولا۔''میں آپ کو دوگنا فیس دینے کو تیار ہوں۔''

''یہ کاروباری اخلاقیات کے منافی ہے۔'' میں نے کہا۔''آپ جو چاہ رہے ہیں وہ نہیں ہوسکتا۔''

''میں تو آپ کا بھلا کرنا چاہ رہا تھا۔'' وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔''اگر آپ کو میرا یہ عمل پسند نہیں آیا تو آپ کی مرضی ہے۔''

''اس خیرخواہی کے لئے میں آپ کا شکرگزار ہوں۔'' میں نے کڑوے لہجے میں کہا۔''اگر آپ کو کچھ اور نہیں کہنا تو آپ جا سکتے ہیں۔میرے پاس بہت سے ضروری کام ہیں۔''

میرے آخری الفاظ سے اسے توہین کا احساس ہوا۔وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا

اور سنسناتے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''لگتا ہے' ہماری ملاقات اب عدالت ہی میں ہوگی۔''

''آپ کو صرف لگتا ہے اور مجھے اس بات کا یقین ہے۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا۔

وہ پاؤں پٹخ کر میرے آفس سے نکل گیا۔

قربان شاہ جیسے لوگ ہر چیز کو خریدنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں۔ ان کی سوچ کے مطابق ہر شخص کی ایک قیمت ہوتی ہے۔ کوئی زن سے' کوئی زر سے' کوئی زمین سے اور کوئی آنسوؤں سے خریدا جا سکتا ہے۔ جو ان جالوں میں پاؤں نہ رکھے اسے دھونس دھاندلی اور غنڈہ گردی سے قابو کرنے کی کوشش کی جاتی ہے مگر میں نے کبھی قربان شاہ جیسے لوگوں کو اہمیت نہیں دی اور ہمیشہ اپنے کاروباری پیشہ ورانہ اصولوں کی پاسداری کی ہے۔

آئندہ ایک دو روز میں' میں نے قربان شاہ کے خلاف فراڈ اور دھوکا دہی کا ایک مضبوط کیس تیار کیا اور اس معاملے کو عدالت کے حوالے کر دیا۔

ابتدائی چند پیشیوں میں عدالت کی رسمی کارروائی ہوئی جس کی ٹیکنیکل تفصیل کو آپ کو بور کر دے گی لہٰذا میں اس قصے کو گول کر کے آگے بڑھتا ہوں۔

✧✣✧

قربان شاہ عرف بڑے شاہ جی اپنی مخصوص متاثر کن شخصیت کے ساتھ اکیوزڈ باکس (ملزموں والے کٹہرے) میں کھڑا تھا۔ گزشتہ پیشی پر جج نے فرد جرم پڑھ کر سنا دی تھی اور میرے مؤکل خالد نیازی کا تفصیلی بیان بھی ریکارڈ کر لیا گیا تھا جس میں اس نے الف سے یے تک مختصر الفاظ میں بڑے شاہ کے فراڈ کی کہانی عدالت کو سنا ڈالی تھی۔ جواب میں جب عدالت نے قربان شاہ کا مؤقف سنا تو اس نے وہی رونا رویا تھا جو وہ اس سے پہلے روتا آیا تھا۔ ان باتوں کی تفصیل پچھلے صفحات میں موجود ہے۔ گزشتہ پیشی پر ہمارے کیس کو زیادہ وقت نہیں ملا تھا لہٰذا میں قربان شاہ پر جرح نہیں کر سکا تھا' لیکن آج ہمارا کیس پہلا تھا چنانچہ شاہ جی کی کھال کھینچنے کے لئے وقت ہی وقت تھا۔ وہ خود کو پراعتماد ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں جج کی اجازت حاصل کرنے کے بعد جرح کے لئے قربان شاہ کے قریب چلا گیا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''شاہ بلڈرز کے مالک آپ ہی ہیں؟''

وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔ ''جی' اب تو اس کا مالک میں ہی ہوں۔''

''گویا پہلے اس کمپنی کا مالک کوئی اور شخص تھا۔'' میں نے غیر محسوس انداز میں چٹکی لیتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے یہ کمپنی اس شخص سے خرید لی ہے۔''

''جی' ایسی کوئی بات نہیں۔'' وہ ناپسندیدہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''پہلے یہ پارٹنرشپ بزنس تھا۔ میرا چھوٹا بھائی اس کاروبار میں میرا پارٹنر تھا۔ اب میں بلاشرکت غیرے اکیلا ہی ''شاہ بلڈرز'' کا مالک ہوں اور ......'' وہ لمحے بھر کے لئے متوقف ہوا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

"اور یہ بات آپ کو بھی معلوم ہے وکیل صاحب!"

"ہمیں، آپ کو اور ہم سب کو بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں لیکن عدالت کے علم میں لانے کے لئے انہیں دہرانا پڑتا ہے۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "کیا آپ معزز عدالت کو بتانا پسند کریں گے کہ آپ کی اپنے چھوٹے بھائی سے کاروباری علیحدگی کیسے ہوئی مطلب...... آپ اس بزنس کے اکلوتے مالک کیسے بن گئے؟"

"علیحدگی نہیں ہوئی بلکہ وہ مجھے دھوکا دے کر کہیں غائب ہو گیا تھا۔" وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے مصنوعی پن جھلکتا تھا۔ "اس نامعقول انسان کی وجہ سے میں نے بہت نقصان اٹھایا ہے۔"

میں نے اپنے مخصوص انداز میں اسے گھیرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے سنا ہے، آپ کا چھوٹا بھائی ایک بھاری رقم بھی ساتھ لے گیا ہے؟"

"جی، آپ نے بالکل درست سنا ہے۔" وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "اس مالی نقصان کی وجہ سے پروجیکٹ کی تکمیل میں بھی تاخیر ہوئی جس کے سبب "ڈائمنڈ پلازا" کی تعمیر کے اخراجات کئی گنا بڑھ گئے تھے۔"

"چھوٹے شاہ جی آپ کو کتنے کی ڈوز دے گئے ہیں؟" میں نے سرسری انداز میں پوچھا۔

"پچیس سے تیس لاکھ کی۔" اس نے جواب دیا۔

"جب کوئی پارٹنر شپ بزنس کیا جاتا ہے تو کمپنی کے نام سے اکاؤنٹ بھی کھولا جاتا ہے۔" میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ اکاؤنٹ جوائنٹ ہوتا ہے۔ شاہ جی! کیا آپ نے "شاہ بلڈرز" کا ایسا کوئی اکاؤنٹ کسی بینک میں کھول رکھا تھا؟"

"ظاہر ہے، یہ تو بہت ضروری تھا۔" اس نے میرے جال میں قدم رکھ دیا۔

"شاہ بلڈرز کی ساری رقوم یقیناً اسی اکاؤنٹ میں جمع رہتی ہوں گی؟" میں نے استفسار کیا۔

"جی بالکل۔" اس نے سر کو اثباتی جنبش دی۔

"جوائنٹ اکاؤنٹ کے اصول کے مطابق جب تک تمام فریق کسی چیک پر دستخط نہ کر دیں، بینک اس چیک کو کیش نہیں کر سکتا۔" میں نے سرسری انداز میں کہا۔ "آپ کا چھوٹا بھائی

فرقان شاہ آپ کے علم میں لائے بغیر پچیس تیس لاکھ ایسی خطیر رقم کس طرح کمپنی کے اکاؤنٹ سے نکال کر فرار ہو گیا۔ کیا آپ نے اتنی ہیوی اماؤنٹ کے کسی چیک پر دستخط کئے تھے؟"

"نہیں!" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ "اس نے میرے اعتماد کا خون کیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے پوچھا۔

"چھوٹا بھائی ہونے کے ناتے میں فرقان شاہ پر اندھا اعتماد کرتا تھا۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔

"بلینک چیکس پر دستخط کر کے چیک بک اس کے حوالے کر رکھی تھی۔ اسے جب، جتنے پیسوں کی ضرورت ہوتی، اپنے دستخط کر کے وہ مطلوبہ رقم بینک سے نکلوا لیا کرتا تھا اور بعد میں مجھے بتا دیا کرتا تھا۔ سال ہا سال سے اسی طرح کام چل رہا تھا۔ کبھی ایک پیسے کی اونچ نیچ نہیں ہوئی مگر کسی نے بالکل ٹھیک کہا ہے کہ......" لمحاتی توقف کر کے اس نے گہری سانس لی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

"کہ انسان کی نیت بدلتے دیر نہیں لگتی۔ میں فرقان شاہ پر بھروسہ کرتا رہا اور وہ مجھے دھوکا دے کر فرار ہو گیا۔"

"شاہ جی! میں آپ کے غم میں برابر کا شریک ہوں۔" میں نے مصنوعی ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"پچیس تیس لاکھ کوئی معمولی رقم نہیں ہوتی۔ آپ نے چھوٹے شاہ جی کو تلاش کرنے کی کوشش تو کی ہو گی؟"

"میں جہاں جہاں تلاش کر سکتا تھا، میں نے ڈھونڈ لیا مگر وہ کہیں نہیں ملا۔" وہ مایوسی سے گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "مجھے شک ہے کہ وہ ملک سے باہر چلا گیا ہے۔"

"کیا آپ معزز عدالت کو یہ بتانا پسند کریں گے کہ "شاہ بلڈرز" کا اکاؤنٹ کس بینک کی کس برانچ میں تھا؟" میں نے اپنے نادیدہ جال کو سمیٹتے ہوئے پوچھا۔

وکیل صفائی شاہ جی کی مدد کو لپکا۔ "جناب عالی! زیر سماعت کیس کا "شاہ بلڈرز" کے بینک اکاؤنٹ سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ وکیل استغاثہ ایک غیر متعلق سوال کر رہے ہیں۔"

جج نے نگاہ اٹھا کر میری جانب دیکھا اور کہا۔'' آپ کیا کہتے ہیں بیگ صاحب اس سلسلے میں؟''

''یور آنر! میں وکیل صفائی کی اس بات سے متفق ہوں کہ''شاہ بلڈرز'' کے اکاؤنٹ کا زیر سماعت کیس سے براہ راست کوئی تعلق نہیں۔'' میں نے نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔''اس کا مطلب یہ ہوا کہ بلاواسطہ تعلق موجود ہے لہٰذا میرا سوال غیر متعلق نہیں ہوسکتا اور ویسے بھی...... میں نے یہ سوال کسی اور مقصد کی خاطر پوچھا تھا۔''

''کس مقصد کی خاطر؟'' وکیل صفائی نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

''آپ کے مؤکل کے جھوٹ کو پکڑنے کے لئے!''

میں نے سپاٹ آواز میں کہا۔

''آبجیکشن یور آنر'' وکیل صفائی تیز آواز میں بولا۔

''وکیل استغاثہ میرے مؤکل کے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں۔ وہ میرے مؤکل کو دروغ گو کہہ کر سنگین جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔''

''بیگ صاحب! آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں؟'' جج نے مجھ سے پوچھا۔

''جناب عالی!'' میں نے نہایت ہی مؤدبانہ انداز میں کہا۔''پہلی بات تو یہ کہ میں شاہ جی کی دروغ گوئی کے حوالے سے کوئی الزام نہیں لگا رہا۔ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ یہ جھوٹے دھوکے باز' عیار اور مکار درجہ اول ہیں۔ اگر یہ میری باتوں کی تردید کرتے ہیں تو خود کو سچا ثابت کرنے کے لئے انہیں معزز عدالت کے سامنے چند شواہد پیش کرنا ہوں گے۔''

''مثلاً کس قسم کے شواہد؟'' وکیل صفائی نے مجھ سے پوچھا۔

''نمبر ون ......انہیں معزز عدالت کو بتانا ہوگا کہ''شاہ بلڈرز'' کا اکاؤنٹ کس بینک کی کون سی برانچ میں تھا۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔''اس کے ساتھ ہی وہ چیک بک بھی عدالت میں پیش کرنا ہوگی جس کی مدد سے چھوٹا شاہ پچیس تیس لاکھ کا فراڈ کر کے فرار ہوگیا اور مجھے یقین ہے کہ شاہ جی کسی بھی قیمت پر ایسا نہیں کر پائیں گے۔''

''وہ چیک بک تو ......فرقان شاہ اپنے ......ساتھ ہی لے گیا تھا۔'' وہ شکستہ لہجے میں بولا۔''اسے......عدالت میں پیش کرنا ممکن نہیں ہے۔''

''او کے......!'' میں نے معتدل انداز میں کہا۔

''چیک بک کے سلسلے میں عدالت آپ کو مجبور نہیں کرے گی مگر عدالت یہ ماننے کو تیار نہیں ہوگی کہ چھوٹا شاہ کوئی''عفریت من الجن'' تھا جو بینک کی اس برانچ کو بھی اپنے ساتھ اٹھا لے گیا جس میں''شاہ بلڈرز'' کا اکاؤنٹ تھا۔ یہ چونکہ ممکن نہیں ہے لہٰذا بڑے شاہ جی اس بات کے پابند ہیں کہ عدالت کو اس بینک کا نام بتائیں اور آئندہ پیشی پر وہ بیلنس شیٹ بھی اس بینک سے نکلوا کر عدالت میں پیش کریں جس میں اس چیک کا اندراج ہو جس کی مدد سے چھوٹے شاہ نے کمپنی کے اکاؤنٹ سے پچیس تیس لاکھ نکال لئے تھے۔ یہی نہیں......'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک طویل سانس لی پھر جج کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''جناب عالی! معزز عدالت سے میری استدعا ہے کہ شاہ جی کو اس بات کا بھی پابند کیا جائے کہ آئندہ پیشی پر یہ اس''پارٹنر شپ بزنس'' کے لیگل ڈاکومنٹس بھی عدالت میں پیش کریں جن کی بناء پر یہ دونوں بھائی اس بزنس میں ایک دوسرے کے پارٹنر تھے۔''

''ہمارا بزنس اعتماد اور بھروسے پر چل رہا تھا۔'' شاہ جی نے سیانا کوا بننے کی کوشش کی۔''ہم نے آپس میں ایسا کوئی پارٹنر شپ بزنس سائن نہیں کیا تھا اور نہ ہی ایسے لیگل ڈاکومنٹس تیار کئے تھے۔''

میں میکانکی انداز میں جھکا اور ایک طرف کو گھوم کر شاہ جی کے پاؤں کو دیکھتے ہوئے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''شاہ جی! آپ کے پاؤں کہاں ہیں؟''

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' وہ برہمی سے پاؤں پٹختے ہوئے بولا۔''میرے پاؤں میرے ساتھ ہیں۔''

وکیل صفائی نے کہا۔''یہ کیا مذاق ہے؟''

''جناب عالی!'' میں جج کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔''ہم بچپن سے پڑھتے اور سنتے آئے ہیں کہ''جھوٹ کے پاؤں کہاں؟'' میں بھی یہی دیکھ رہا تھا کہ شاہ جی کے پاؤں کہاں ہیں۔ انہوں نے تو دروغ گوئی کی انتہا کر دی ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی بینک کسی کمپنی کا جوائنٹ اکاؤنٹ آنکھیں بند کر کے کھول دے۔ ایسے اکاؤنٹ کھولنے کے لئے کمپنی کے لیگل ڈاکومنٹس اور پارٹنر شپ بزنس کی دستاویزات اکاؤنٹ کے فارم کے ساتھ منسلک کرنا لازمی ہوتی ہیں اور ......شاہ جی فرما رہے ہیں کہ ان بھائیوں کا بزنس''اللہ توکل'' چل رہا

تھا۔ مذاق کی بھی کوئی حد ہوتی ہے اور وہ بھی معزز عدالت کے سامنے......''

جج نے گھور کر قربان شاہ کی طرف دیکھا اور خفگی آمیز لہجے میں کہا۔''مسٹر شاہ! یہ عدالت آپ کو اس بات کا پابند کرتی ہے کہ آپ آئندہ پیشی پر پارٹنر شپ بزنس کے لیگل ڈاکومینٹس اور بینک کا اس دور کا بینک اسٹیٹ منٹ عدالت میں پیش کریں جب مذکورہ بینک سے پچیس تیس لاکھ ایسی خطیر رقم نکالی گئی تھی۔ جب آپ بینک اسٹیٹ منٹ پیش کر دیں گے تو پھر خود ہی یہ بات سامنے آجائے گی کہ ''شاہ بلڈرز'' کا اکاؤنٹ کس بینک کی کون سی برانچ میں تھا۔''

عدالت کے ان احکامات پر شاہ جی کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اس موقع پر اس کے پاس کہنے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ امداد طلب نظر سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وکیل صفائی فوراً اس کی دست گیری کو لپکا۔ وہ مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

''میرے فاضل دوست! آپ اپنے مؤکل کو بھول کر غیر متعلقہ باتوں میں الجھ کر رہ گئے ہیں اور آپ کو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ اس وقت عدالت میں کون سے کیس کی سماعت ہو رہی ہے......''

''رئیلی......!'' میں نے اس کی چوٹ کو طنز کی زبان میں جوتے کی نوک پر مارتے ہوئے کہا۔''واقعی آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مجھے اپنے مؤکل کے مفادات کی نگرانی کرتے ہوئے اس کے حقوق کی جنگ لڑنا چاہئے......'' پھر میں کٹہرے میں کھڑے بڑے شاہ جی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''شاہ جی! میرے مؤکل سے آپ کی کیا دشمنی ہے؟''

میں نے تیکھے انداز میں سوال کیا۔

وہ گڑبڑا گیا اور جلدی سے بولا۔''میری تو کسی سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔''

''آپ نے مختلف تعمیراتی ہتھکنڈوں کو آزما کر اس غریب کے مبلغ اسی ہزار روپے ہڑپ کر لئے ہیں۔'' میں نے تیز آواز میں بولنا شروع کیا۔''اسے جو فلیٹ الاٹ کیا گیا تھا وہ دھوکا دہی سے آپ نے کامران نامی کسی پولیس والے کے ہاتھ مہنگے داموں فروخت کر دیا۔ میری معلومات کے مطابق مذکورہ فلیٹ آپ نے کامران سے ڈیڑھ لاکھ وصول کرنے کے بعد اس کے نام کیا ہے۔ آپ نے یہ ظلم کیوں کیا......کیوں؟''

شاہ جی کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔

وکیل صفائی حق نمک ادا کرتے ہوئے بولا۔''شاہ جی نے کسی پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ ہر معاہدے کے کچھ قواعد وضوابط ہوتے ہیں' ان کی پاس داری لازمی ہوتی ہے۔ شاہ جی نے خلاف اصول کوئی عمل نہیں کیا۔''

''آپ کن قواعد وضوابط کی بات کر رہے ہیں؟'' میں نے سپاٹ آواز میں استفسار کیا۔

''جن کی بنا پر آپ کا مؤکل خالد نیازی اس فلیٹ کی الاٹمنٹ کے سلسلے میں ڈیفالٹر ہو گیا تھا لہٰذا مذکورہ فلیٹ کسی بھی قیمت پر اسے الاٹ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ شاید آپ نے ایگریمنٹ کی پشت پر درج قواعد وضوابط کا مطالعہ نہیں کیا۔''

آخری جملہ اس نے زہر میں بجھے ہوئے الفاظ میں کیا تھا۔ میں نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔''جی ہاں' میں نے میگنی فائنگ گلاس کی مدد سے وہ شرائط نامہ بغور پڑھا ہے کیونکہ اس گلاس کے بغیر کوئی ''سکس بائی سکس'' نگاہ والا شخص بھی اس مہین تحریر کو نہیں پڑھ سکتا۔''

''تو پھر آپ کو پتا چل گیا ہو گا کہ رقم کی ادائیگی کے دوران میں آپ کا مؤکل چار مرتبہ ڈیفالٹر ہو گیا تھا۔'' وہ فخریہ لہجے میں بولا۔''دو مرتبہ ماہانہ اقساط کے سلسلے میں' تیسری مرتبہ شش ماہی قسط کے سلسلے میں اور چوتھی مرتبہ آخری بڑی پے منٹ کے سلسلے میں...... اس صورت حال میں اگر شاہ جی نے آپ کے مؤکل کا فلیٹ کینسل کر کے کسی اور شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے تو وہ حق بہ جانب ہیں۔''

''اپنے مؤکل کی طرح آپ بھی غلط بیانی کے ماہر نظر آتے ہیں میرے فاضل دوست۔'' میں نے ترش لہجے میں کہا۔''میرا مؤکل چار بار نہیں' صرف دو بار ڈیفالٹر ہوا تھا اور آفس کے عملے نے اس پر اسے چھوٹ دے دی تھی۔''

''یہ بات آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ صرف دو بار ڈیفالٹر ہوا تھا؟'' وکیل صفائی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''انہی قواعد وضوابط کو پڑھنے کے بعد جن کو میگنی فائنگ گلاس کے بغیر سمجھنا ممکن نہیں۔'' میں نے بڑی رسان سے جواب دیا۔''شرط نمبر ایک کے مطابق اگر ماہانہ قسط مسلسل دو ماہ تک ادا نہ کی گئی تو فلیٹ کی بکنگ خود بہ خود کینسل ہو جائے گی۔ میرا مؤکل صرف دو بار ماہانہ قسط کے سلسلے میں لیٹ ہوا۔ ایک بار دس دن اور دوسری مرتبہ بارہ دن لہٰذا اس شرط کے مطابق وہ

ڈیفالٹر نہیں کہلائے گا البتہ ششماہی قسط اور آخری بڑی قسط کے سلسلے میں وہ ڈیفالٹر ہو گیا تھا تاہم اس سلسلے میں جب اس نے متعلقہ عملے سے بات کی تو ان کا کہنا یہ تھا کہ کمپنی نے یہ قواعد وضوابط پھڈے باز قسم کے لوگوں کو قابو کرنے کے لئے رکھے ہوئے ہیں۔ آپ جیسے شریف لوگوں پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا لہٰذا آپ بالکل بے فکر رہیں۔ یہ فلیٹ آپ ہی کو الاٹ ہوگا۔''

''اول تو عملے کا کوئی شخص ایسی احمقانہ بات کر نہیں سکتا۔'' وکیل صفائی نے کہا۔ ''اگر ایسا ہوا بھی تو آپ کا مؤکل اسے ثابت نہیں کر سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ خالد نیازی کمپنی کے قواعد وضوابط کی رو سے ڈیفالٹر ہو چکا تھا لہٰذا شاہ جی نے وہ فلیٹ کینسل کر کے کسی اور شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اللہ اللہ' خیر سلا!''

''یوں آپ کے کہہ دینے سے ''اللہ اللہ' خیر سلا'' نہیں ہو جاتا میرے فاضل دوست!'' میں نے مستحکم انداز میں کہا۔ ''آپ نے قواعد وضوابط کی روشنی میں جو حقیقت بیان کی ہے' وہ ادھوری ہے۔''

''ادھوری ہے...... کیا مطلب؟'' وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

''مطلب یہ کہ جن قواعد وضوابط کی بنیاد پر آپ میرے مؤکل کو ڈیفالٹر قرار دے رہے ہیں انہی میں یہ بھی درج ہے کہ ڈیفالٹر شخص کی ادا کی ہوئی رقم پروجیکٹ کی تکمیل پر اسے واپس کر دی جائے گی۔ میرا مؤکل شاہ جی کے فراڈ کے کڑوے گھونٹ پی کر اس بات کے لئے بھی راضی تھا کہ اب تو پروجیکٹ مکمل ہو چکا۔ اگر شاہ جی اس کے اسی ہزار ہی واپس کر دیں تو وہ خوش ہو جائے گا' مگر شاہ جی تو ایک پائی ادا کرنے کو تیار نہیں ہیں......'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس خارج کی پھر جج کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''جناب عالی! میں نے ایک لیگل نوٹس کے ذریعے اس معاملے کو اپنے آفس ہی میں نمٹانے کی کوشش کی تھی مگر شاہ جی اس بات کے لئے راضی نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے مجھے رشوت دینے کی کوشش بھی کی تھی تاکہ میں اس کیس سے الگ ہو جاؤں۔''

''میں نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی۔'' شاہ جی احتجاجی لہجے میں بولا۔ ''آپ مجھ پر الزام لگا رہے ہیں۔''

''یہ الزام اس وقت حقیقت بن جائے گا جب آئندہ پیشی پر میں اس گفتگو کا ثبوت پیش

کروں گا جو اس روز ہمارے بیچ ہوئی تھی۔'' میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''آپ بہت بدمعاش ہیں وکیل صاحب!'' وہ نفرت آمیز نظر سے مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ ''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ اس دن والی باتوں کو ریکارڈ کر لیں گے۔ بہت بیچ حرکت کی ہے آپ نے...... چچ چچ چچ!''

''میں نے کوئی گری ہوئی حرکت کی ہے یا اعلیٰ' اس بات کی اب کوئی اہمیت نہیں رہی۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''آپ کے ردعمل نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ آپ نے اس روز مجھے رشوت کی پیشکش کر کے اس کیس سے الگ رہنے کی درخواست کی تھی۔ اب آئندہ پیشی پر مجھے کوئی ٹھوس ثبوت پیش کرنے کی ضرورت نہیں رہی......''

''میں آپ کو چھوڑوں گا نہیں۔'' وہ تلملا کر بولا۔

''پوائنٹ از ٹو بی نوٹیڈ......!'' میں نے روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے احتجاجی لہجے میں کہا۔ ''یور آنر'' شاہ جی مجھے دھمکی دے رہے ہیں۔''

جج نے کڑے الفاظ میں قربان شاہ کو سرزنش کی اور وکیل صفائی کو ہدایات دیں کہ وہ آئندہ پیشی پر اپنے مؤکل کی طرف سے بینک اور بزنس کے حوالے سے وہ تمام دستاویزات عدالت میں پیش کرے جن کا تھوڑی دیر پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

اس کے بعد عدالت کا مقررہ وقت ختم ہو گیا۔ جج نے دس روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کرنے کا اعلان کر دیا۔

''دی کورٹ از ایڈ جارنڈ......!''

◇◇◇

اگلی پیشی پر شاہ جی عدالت میں حاضر ہوا تو کافی ٹوٹا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ گزشتہ پیشی پر میں نے عدالت کی نظر میں اسے جھوٹا ثابت کر دیا تھا۔ اگر وہ خود کو سچا ثابت کرنے کے لئے وہ تمام دستاویزاتی ثبوت فراہم کر دیتا جن کے بارے میں عدالت نے پچھلی پیشی پر اسے ہدایت کی تھی تو شاید کوئی بات بن جاتی' مگر چونکہ وہ ایسا کر ہی نہیں سکتا تھا لہٰذا آج اس کا چہرہ اترا ہوا نظر آ رہا تھا۔ میں نے اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ کیسٹ عدالت میں پیش کر دیا جس میں' میں نے اپنی اور بڑے شاہ کی گفتگو ریکارڈ کر لی تھی۔ یہ گفتگو اس کے مجرم ہونے کا بین ثبوت تھی۔

اگرچہ ایک لحاظ سے یہ ایک غیر اخلاقی حرکت تھی' لیکن اخلاقیات کا مظاہرہ صرف وہاں مناسب رہتا ہے جہاں آپ کے سامنے کوئی شریف النفس انسان موجود ہو۔ بڑے شاہ جیسے خبیث لوگوں سے نمٹنے کے لئے اس نوعیت کے ہتھکنڈے آزمانا بالکل جائز ہوتا ہے۔ جب گھی سیدھی انگلی سے نہ نکل رہا ہو تو پھر انگلی کو ٹیڑھا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہوتا۔

پچھلی پیشی پر جج نے وکیل صفائی کو جو ہدایات دی تھیں جب ان کی تعمیل نہیں ہوئی تو جج نے برہمی کا اظہار کرتے ہوئے بڑے شاہ اور اس کے وکیل کو کھری کھری سنا ڈالیں۔ وکیل صفائی نے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ پیشی پر عدالت کے احکامات کی تکمیل کرنے کی کوشش کرے گا۔

"جناب عالی!" میں نے روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے کراری آواز میں کہا۔ "مذکورہ دستاویزات اگر بفرض محال عدالت میں پیش کر دی گئیں تو بھی اس سے شاہ جی کے جرم کی سنگینی کم نہیں ہوگی۔ یہ محض اتنا ثابت کر سکیں گے کہ چھوٹے بھائی کے ساتھ ان کا کوئی پارٹنرشپ بزنس تھا اور وہ بھائی ان کے مطلب' کمپنی کے پچیس' تیس لاکھ لے کر رفو چکر ہو چکا ہے۔ اگرچہ یہ ثابت کرنا بھی ممکن نہیں لیکن اگر ایسا ہو بھی جاتا ہے تو یہ میرے مؤکل کے کسی کام نہیں آئے گا۔ میرے مؤکل کو اس کا حق ملنا چاہئے۔"

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں وکیل صاحب۔" جج نے مجھ سے استفسار کیا۔ "واضح الفاظ میں وضاحت کریں۔"

"یور آنر۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میرے مؤکل کی فائل سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نے "شاہ بلڈرز" کو چھوٹی بڑی اقساط کی شکل میں کل اسی ہزار روپے کی ادائی کی ہے جس کے بدلے اسے "ڈائمنڈ پلازا" کا فلیٹ نمبر تین سو تین مل جانا چاہئے تھا' مگر اس وقت وہ فلیٹ کامران نامی ایک شخص کی ملکیت ہے کیونکہ شاہ جی کے مطابق میرا مؤکل ڈی فالٹر ہو گیا تھا لہٰذا اس نے مذکورہ فلیٹ کینسل کر کے کامران کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اگر ان تمام معاملات کو صد فیصد درست بھی مان لیا جائے تو بھی......" میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس خارج کی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

"تو بھی میرا مؤکل اپنے اسی ہزار روپے واپس لینے کا حق رکھتا ہے کیونکہ کسی الاٹی کے

ڈیفالٹر ہو جانے کی صورت میں قواعد وضوابط کے مطابق کمپنی اس شخص کی ادا کی ہوئی رقم پروجیکٹ کی تکمیل کے فوراً بعد ادا کرنے کی پابند ہے۔ مذکورہ پروجیکٹ نہ صرف مکمل ہو چکا بلکہ اکثر مالکان اب اس میں رہائش پذیر بھی ہیں۔ معزز عدالت سے میری بس اتنی سی استدعا ہے کہ میرے مؤکل کو اس کا جائز حق دلایا جائے۔

"ویٹس آل یور آنر......"

جج نے میری طرف دیکھ کر گردن کو اثباتی جنبش دی پھر اس فائل کے ورق الٹنے لگا جس کے مطابق میرے مؤکل خالد نیازی نے "شاہ بلڈرز" کو اسی ہزار روپے ادا کئے تھے۔ فائل کے مطالعے کے بعد اس نے غصیلے انداز میں شاہ جی کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"مسٹر شاہ! کیا آپ اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ خالد نیازی نے آپ کی کمپنی "شاہ بلڈرز" کو ڈائمنڈ پلازا کے فلیٹ نمبر تین سو تین کی بکنگ کے سلسلے میں اسی ہزار روپے ادا کئے ہیں؟"

"جناب! یہ ڈی فالٹر ہو گیا تھا اور وہ فلیٹ میں نے......!"

"عدالت نے جو سوال کیا ہے اس کا جواب دیں۔"

بڑے شاہ کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی جج نے اسے بری طرح ڈانٹ دیا۔

"خالد نیازی نے آپ کی کمپنی کو اسی ہزار روپے دیئے تھے یا نہیں......؟"

"جج......جی......دیئے تھے......" اسے اقرار کرتے ہی بنی کیونکہ دور دور تک فرار کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔

"آپ خالد نیازی کی رقم کب واپس کر رہے ہیں؟" جج نے ٹھوس لہجے میں استفسار کیا۔

"جناب! ابھی تو میری مالی پوزیشن ٹھیک نہیں ہے۔"

وہ عذر لنگ پیش کرتے ہوئے بولا۔ "اور میں بیمار بھی ہوں۔ فرقان شاہ کے فراڈ نے مجھے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے۔"

"یور آنرز"! شاہ جی جھوٹ اور غلط بیانی کا عالمی ریکارڈ قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" میں نے تیز آواز میں کہا۔ "میں یہ ثابت کر سکتا ہوں کہ نہ تو ان کی مالی حالت اتنی پتلی ہے کہ یہ اسی ہزار ادا نہ کر سکیں اور نہ ہی انہیں کوئی بیماری شیماری ہے۔ میری معلومات کے

مطابق یہ بٹے کٹے ہیں اور ابھی کچھ ہی عرصہ پہلے شاہ جی چار' پانچ ملکوں کا دورہ بھی فرما کر آئے ہیں۔کیا میں غلط کہہ رہا ہوں شاہ جی......؟''

آخری جملہ میں نے قربان شاہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ادا کیا تھا۔وہ جز بز ہو کر رہ گیا تاہم ہونٹوں سے ایک لفظ ادا نہیں کیا۔

''آپ یہ سب کس طرح ثابت کر سکتے ہیں وکیل صاحب؟'' جج نے سوالیہ نظر سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''جناب عالی! اگر معزز عدالت اپنے خصوصی اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے ''شاہ بلڈرز'' اور قربان شاہ کے بینک اکاؤنٹس چیک کروائے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ان اکاؤنٹس میں لاکھوں روپے موجود ہیں۔''

میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔''باقی شاہ جی کی صحت کا پول میں ابھی کھول دیتا ہوں۔''

بات مکمل کرنے کے بعد میں جج کی اجازت سے قربان شاہ والے کٹہرے کی جانب بڑھ گیا پھر اس کے چہرے پر نظر گاڑتے ہوئے سوال کیا۔

''شاہ جی! کیا یہ درست ہے کہ چند ماہ پہلے آپ حج ادا کرنے سعودی عرب تشریف لے گئے تھے؟''

''جی ہاں' یہ درست ہے!'' اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

''اور آپ کی واپسی کوئی لگ بھگ چار ماہ بعد ہوئی تھی؟''

''جی' ساڑھے چار ماہ بعد۔'' اس نے جواب دیا۔

''حج کا فریضہ ادا کرنے میں اتنا زیادہ عرصہ نہیں لگتا۔'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔''آپ اس دوران میں اور کیا کیا کرتے رہے تھے؟''

''میں فریضہ حج ادا کرنے کے بعد سعودیہ سے ایران' عراق اور شام چلا گیا تھا۔'' اس نے بتایا ''مقامات مقدسہ کی زیارت کرنے۔''

''ماشاء اللہ!'' میں نے ستائشی انداز میں کہا مگر اس ستائش کے اندر بڑی چبھن تھی۔

''یہ تو بڑے اعزاز کی بات ہے لیکن......'' میں نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ کر ایک گہری سانس خارج کی اور کہا۔''لیکن مجھے لگتا ہے' آپ یہاں بھی غلط بیانی سے کام لے رہے

ہیں۔''

''کیا مطلب ہے' آپ کا؟'' وہ چوکنا انداز میں مجھے تکنے لگا۔

''گھبرائیں نہیں شاہ جی۔'' میں نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔''میرا مطلب یہ تھا کہ آپ سعودی عرب سے شام' عراق اور پھر ایران گئے ہوں گے...... ہیں نا؟''

''اوہ......!'' اس نے اطمینان کی سانس لی۔''ایک ہی بات ہے......ہاں۔آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''

''یقیناً یہ سفر آپ نے پاسپورٹ اور ان ممالک کے ویزا کے بغیر تو نہیں کیا ہوگا۔'' میں نے بدستور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

''جی......جی ہاں......'' وہ جلدی سے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

''شاہ جی!'' میں نے نہایت ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔''کیا آپ خود کو سچا ثابت کرنے کے لئے وہ پاسپورٹ عدالت میں پیش کر سکتے ہیں جس پر سعودی عرب' شام' عراق اور ایران کے ویزا لگے ہوئے ہوں؟''

''کر دوں گا' اگر ضرورت پیش آئی ہو تو۔'' وہ سرسری انداز میں بولا پھر پریشان نظر سے اپنے وکیل کی جانب سے دیکھنے لگا۔

اس سے پہلے کہ وکیل صفائی اس کی مدد کو لپکتا' میں نے جارحانہ لہجے میں کہا۔''شاہ جی! آپ ایسا نہیں کر سکیں گے......کبھی نہیں کر سکیں گے کیونکہ......آپ ان ممالک گئے ہی نہیں......آپ نے محض ان معصوم اور مظلوم الاٹیز سے چھپنے کے لئے یہ ڈھونگ رچایا تھا جن کی رقوم ہضم کئے بیٹھے ہیں اور ان میں سے بیشتر کے فلیٹس آپ نے مہنگے داموں دوسری پارٹیوں کو فروخت کر دیئے ہیں۔جھوٹ کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔یوں محسوس ہوتا ہے ان کے دماغ میں جھوٹ کی فیکٹری لگی ہوتی ہے......؟''

وہ شکل سے برسوں کا تھکا ہوا دکھائی دینے لگا۔میں نے اسی پر بس نہیں کی اور تیز لہجے میں دریافت کیا۔''اس نام نہاد دورے کے بعد جب آپ واپس اپنے ملک تشریف لائے تو پھر بیمار پڑ گئے تھے تاکہ مزید کچھ عرصے تک لوگوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''آپ بالکل غلط کہہ رہے ہیں۔'' وہ نیم احتجاجی لہجے میں بولا۔'' پاکستان واپسی پر

میں شدید بیمار پڑ گیا تھا۔ایک ہفتے سے زیادہ تو میں ایک پرائیویٹ ہسپتال میں داخل رہ کر علاج کراتا رہا ہوں۔"

"اس پرائیویٹ ہسپتال کا نام بتائیں جس میں آپ زیر علاج رہے تھے۔" میں نے جارحانہ انداز میں کہا۔

"اور یہ بھی بتا دیں کہ آپ کو کون سی بیماری لاحق تھی' آپ کون کون سی ادویہ استعمال کرتے رہے ہیں؟"

"میں یہ سب آپ کو بتانا ضروری نہیں سمجھتا۔" وہ روٹھی ہوئی بیوی کے سے انداز میں بولا۔

"مجھے نہ بتائیں' معزز عدالت کو بتا دیں۔" میں نے سادگی سے کہا۔"عدالت خود آپ کے بیان کا آپریشن کرالے گی' پھر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے گا۔"

وہ آئیں' بائیں' شائیں کرنے لگا۔

جج نے دیوار گیر کلاک پر نگاہ ڈالی۔عدالت کا مقررہ وقت ختم ہونے میں دس منٹ باقی تھے۔جج نے قربان شاہ کو اس بات کا پابند کیا کہ آئندہ پیشی پر وہ مذکورہ پاسپورٹ کو عدالت میں پیش کرے گا اور اس کے ساتھ ہی اس کی بیماری اور پرائیویٹ ہسپتال کا نام بھی پوچھ لیا۔

شاہ جی نے "نہ پائے رفتن' نہ جائے ماندن" کی سی کیفیت میں' جان چھڑانے کے لئے ایک پرائیویٹ ہسپتال کا نام بتا دیا۔

"جناب عالی! یہ شخص سکہ بند دروغ گو ہے اور جھوٹ پر جھوٹ بولے جا رہا ہے۔" میں نے جج کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔"میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس کے پاس اپنی باتوں کو ثابت کرنے کے لئے ایک بھی ثبوت نہیں ہے اور میں تو اب کچھ اور ہی سوچ رہا ہوں......"

میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑا تو شاہ جی بے چینی سے بول اٹھا۔"آپ کیا سوچ رہے ہیں؟"

"وکیل صاحب! آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟"

"جناب عالی! خالد نیازی کی طرح کے تین چار اور بھی متاثرین میرے دفتر کے چکر لگا رہے ہیں۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔"شاہ بلڈرز نے ان کے ساتھ بھی وہی "ہاتھ" کیا

ہے جو میرے مؤکل خالد نیازی کے ساتھ ہوا ہے۔میں سوچ رہا ہوں کہ ان کے کیس بھی پکڑ لوں۔اس طرح ان بے چاروں کی ڈوبی ہوئی رقم بھی مل جائے گی۔"

میری بات سن کر شاہ جی کی ٹانگوں سے جان نکل گئی اور وہ کٹہرے کا سہارا لیتے ہوئے نحیف سی آواز میں بولا۔

"پپ...... پانی......"

اس کے ساتھ ہی عدالت کا وقت ختم ہو گیا۔

✧✧✧

ہمارا کیس بہت واضح تھا۔میں نے عدالت کی نظر میں شاہ جی کو ہر زاویئے سے جھوٹا اور دغاباز ثابت کر دیا تھا۔اس نے اپنی صفائی میں کوئی بھی ثبوت نہ پیش کر کے اپنے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی تھی۔گزشتہ پیشی پر میں نے جو "تین چار اور کلائنٹس" والی بات کی تھی اس میں کوئی حقیقت نہیں تھی۔یہ ایک نفسیاتی حربہ تھا جو خاصا کارگر ثابت ہوا تھا۔شاہ جی میرے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

اگلی پیشی سے پہلے وہ مجھ سے ملنے دفتر آیا اور درخواست آمیز لہجے میں بولا۔"بیگ صاحب! میں خالد نیازی کے اسی ہزار روپے ادا کرنے کو تیار ہوں۔آپ اس کیس کو ادھر ہی ختم کر دیں۔"

"اب وقت بہت آگے بڑھ چکا ہے شاہ جی۔" میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں کہا۔"کیس عدالت میں ہے' فیصلہ بھی عدالت ہی کرے گی۔آپ آئندہ پیشی پر میرے مؤکل کے اسی ہزار روپے لے کر عدالت میں پہنچ جائیں' کیس اسی روز ختم ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہے' میں آپ کی بات مان لیتا ہوں۔" وہ کمال شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔"مگر آپ بھی مجھ سے ایک وعدہ کریں......!"

بات کے اختتام پر اس نے امید بھری نظر سے مجھے دیکھا۔میں نے روکھے لہجے میں کہا۔

"شاہ جی! میں آپ سے کوئی وعدہ کرنے کا پابند تو نہیں ہوں لیکن پھر بھی آپ بولیں......کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟"

اس نے کہا۔"آپ وعدہ کریں کہ "ڈائمنڈ پلازا" کے سلسلے میں اور کسی کا کیس نہیں

لیں گے؟''

''اوہ......تو یہ بات ہے۔'' میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔''وعدہ تو نہیں مگر آپ کی درخواست پر غور ضرور کروں گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور شکرگزاری کے انداز میں بولا۔''اب عدالت ہی میں ملاقات ہو گی۔''

''اور آپ خالی ہاتھ عدالت نہیں آئیں گے۔'' میں نے یاد دہانی کرانے والے انداز میں کہا۔''اس پیشی پر آپ نے میرے مؤکل کا حساب صاف کرنا ہے۔''

''جی جی ......بالکل'' وہ جلدی سے بولا پھر مجھ سے گرم جوش مصافحہ کر کے رخصت ہو گیا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ میرا ایسا کوئی ارادہ بھی نہیں تھا کہ میں ڈھونڈ دھانڈ کر''ڈائمنڈ پلازا'' کے کیس پکڑنے کی مہم میں لگ جاؤں۔ میں نے اپنی انگلی محض گھی نکالنے کی غرض سے ٹیڑھی کی تھی اور میرا یہ حربہ صد فیصد کامیاب رہا تھا۔

آئندہ پیشی پر عدالت نے میرے مؤکل کے حق میں فیصلہ سنا دیا۔ اپنی صفائی میں کسی بھی قسم کا ثبوت پیش نہ کر کے شاہ جی نے خود کو ڈیفالٹر ثابت کر دیا تھا چنانچہ اسی روز مختلف عدالتی خانہ پری کے بعد میرے مؤکل خالد نیازی کو اس کے ڈوبے ہوئے اسی ہزار روپے حاصل ہو گئے۔

اس روز خالد نیازی بہت خوش تھا۔ اس نے میرا شکریہ ادا کیا اور ڈھیروں دعائیں دینے کے بعد میرے دفتر سے رخصت ہو گیا۔

کسی نے بالکل ٹھیک کہا ہے......گردش ایام میں بڑی ظالم شے ہے۔ یہ بادشاہ کو گداگر اور گداگر کو بادشاہ بنا دیتی ہے۔ وقت کے دھارے سے ہمیشہ بچ کر رہنا چاہئے۔ یہ کسی کے ساتھ رعایت نہیں کرتا۔ جو بھی اس کے سامنے آتا ہے اسے کاٹ کر رکھ دیتا ہے......

خدا ہم سب کو شاہ جی جیسے فراڈ لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے......آمین!

◇❖◇